



۴

مطبوعات مجلس اویگا رتھالپ
پنجاب یونیورسٹی، لاہور

غزلیات فارسی

میرزا اسد اللہ خان غالب

از روی کلیات طبع ۱۸۶۳ء با اضافہ کلام ما بعد

بہ تصحیح و تحقیق

سید وزیر احسن عابدی

۱۹۶۹ء

غزلیات فارسی

مجلس یادگارِ غالب

★

صدر مجلس

پروفیسر حمید چارحان ستارہ پاکستان وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی لاہور

ارکان

جناب عبد الرحمن چغتائی لاہور

مولانا غلام رسول مہر لاہور

پروفیسر اکرم سعید اللہ سابق صدر شعبہ فلسفہ اسلامیہ کالج رسول لائسنز لاہور

سید امتیاز علی تاج، سیکرٹری مجلس ترقی ادب لاہور

مولانا حامد علی خان، مدیر موشسہ مطبوعات فریملکن لاہور

کیپٹن عابد الواحد موشسہ مطبوعات فریملکن لاہور

ڈاکٹر حبشہ اسرار رحمن، سابق چیف جسٹس پاکستان لاہور

پروفیسر اکرم قاضی سید الدین احمد صدر شعبہ امور طلباء پنجاب یونیورسٹی لاہور

گرو کیپٹن سید فیاض محمود ناظم شعبہ تاریخ ادبیات پنجاب یونیورسٹی لاہور

پروفیسر اکرم سید عبداللہ صدر دائرۃ المعارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور

ڈاکٹر شیخ محمد اکرام ناظم دائرۃ ثقافت اسلامیہ لاہور

پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر، پرنسپل، یونیورسٹی اورینٹل کالج، صدر شعبہ فارسی پنجاب یونیورسٹی لاہور
سید فارغینیم، نائب پروفیسر اردو پنجاب یونیورسٹی لاہور

سید وزیر الحسن عابدی، ریڈر شعبہ فارسی پنجاب یونیورسٹی لاہور
جناب احمد ندیم قاسمی، مدیر مجلہ فنون لاہور

پروفیسر ڈاکٹر عجمت بریلوی، صدر شعبہ اردو پنجاب یونیورسٹی لاہور
جناب صفدر میر، روزنامہ پاکستان ٹائمز لاہور

پروفیسر ڈاکٹر محمد اجمل، صدر شعبہ نفسیات، گورنمنٹ کالج لاہور
پروفیسر اختر اقبال کمالی، شعبہ انگریزی اسلامیکہ کالج سول لائسنس لاہور
ڈاکٹر وحید قریشی، ریڈر شعبہ اردو پنجاب یونیورسٹی لاہور

جناب انتظار حسین، روزنامہ مشرق لاہور
جناب اقبال حسین، شعبہ تاریخ ادبیات پنجاب یونیورسٹی لاہور

مفت

ڈاکٹر افتاب محمد خان، جوائنٹ سیکرٹری وزارت اطلاعات و نشریات حکومت پاکستان کراچی
ڈاکٹر عبد الشکور احسن، ریڈر شعبہ فارسی پنجاب یونیورسٹی لاہور

نائب مفت

سید سجاد باقر رضوی، لیکچرار انگریزی، یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور

پیش نظر

مجلس یادگار غالب کا قیام پنجاب یونیورسٹی کے ایک فیصلے کے مطابق عمل میں آیا اور پروفیسر حمید احمد خان صاحب اس کے صدر مقرر ہوئے۔ مجلس نے غالب کی یاد کو تازہ رکھنے کے لیے جو کتابیں شائع کرنے کا منصوبہ بنایا تھا انہیں میں غالب شناسوں کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

یونیورسٹی کے ایک اور فیصلے کی رُو سے شعبہ اردو میں کرسی غالب قائم ہوئی۔ میں مسرت کے ساتھ اعلان کر رہا ہوں کہ اس اسمی پر پروفیسر سید وقار عظیم کا تقرر کیا جا چکا ہے۔

(پروفیسر) علامہ الدین صدیقی

وائس چانسلر، جامعہ پنجاب

لاہور

مینٹ ال

مارچ ۱۹۶۹ء

اعتراف



فروری ۱۹۶۹ء میں مرزا غالب کی وفات پر ایک سو برس پورے ہوئے ہیں۔ اس موقع کی مناسبت سے پنجاب یونیورسٹی نے شاعر کی عظمت کے اعتراف کے طور پر نہ صرف شعبہ اردو میں ایک پروفیسر کی نئی اسامی (کرسی عظمیٰ) قائم کی ہے، بلکہ مجلسِ یادگارِ غالب کے تعاون سے ایک سلسلہٴ مطبوعات شائع کرنے کا اہتمام بھی کیا ہے۔ یہ کتاب اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

مجلسِ یادگارِ غالب کے قیام کی تحریک جنوری ۱۹۶۷ء میں ڈاکٹر آفتاب احمد خان نے کی۔ وہ مجلس کے پہلے معتمد اور سید سجاد باقر ضوی شریک معتمد مقرر ہوئے۔ ڈاکٹر آفتاب احمد خان کے لاہور سے ڈھاکے منتقل ہوجانے پر ڈاکٹر عبدالباقی شکور احسن مجلس کے دوسرے معتمد قرار پائے۔

اواخر ۱۹۶۹ء میں جب ہمارا سلسلہٴ کتب طباعت کے مرحلے میں داخل ہوا تو صدر مجلس کو ڈاکٹر محمد باقر کی مسلسل اعانت اور مشورہ بھی قدم قدم پر میسر رہا۔ جن اربابِ فکر و نظر نے مجلس کی درخواست پر اس سلسلہٴ کتب کی ترتیب تالیف یا تصنیف میں حصہ لیا ان میں سے ہر ایک کا نام متعلقہ کتاب کے سرورق

کی زینت ہے مجلسِ یادگار غالب کے ارکان کے ناموں کی پوری فہرست
اس کتاب کے شروع میں الگ شائع کی جا رہی ہے۔

مجلس کے سلسلہ مطبوعات میں سب سے پہلے مرزا غالب کی تصانیف آتی
ہیں جو اردو اور فارسی نظم و نثر پر مشتمل ہیں۔ یہ تصانیف نفسِ مضمون کی رعایت
سے یا موزونیِ تنگامت کا لحاظ کر کے مختلف جلدوں میں تقسیم کر دی گئی ہیں۔

ان سب کتابوں پر موصوفین نے دیباچے لکھے ہیں اور حسبِ ضرورت حواشی کا
اضافہ بھی کیا ہے۔ نیز جہاں تک ممکن ہو سکا دستیاب وسائل کی مدد سے
ہر متن کی تصحیح کی ہے۔ کوشش کی گئی ہے کہ مرزا غالب کی تصانیف میں
سے کوئی کتاب رُذِے جائے۔ چنانچہ ان کی بعض نگارشات جو مردِ زمانہ
سے تقریباً ناپید ہو چکی تھیں، اب پھر اہل نظر کے ہاتھوں میں پہنچ رہی ہیں۔
دیوانِ غالب کا نسخہ تجدید، جسے صدرِ مجلس نے مرتب کیا ہے، ایک پہلے
فیصلے کے مطابق مجلسِ ترقیِ ادب، لاہور، کی طرف سے شائع ہو رہا ہے۔
غالب کی صرف یہی ایک کتاب مجلسِ یادگار غالب کی مطبوعات میں شامل نہیں۔
مرزا غالب کی تصانیف کے علاوہ مجلس کی مطبوعات میں وہ کتابیں
بھی شامل ہیں جن میں اس گیارہ روزہ کار کے شخصی، فنی اور فکری کمال کا اظہار
کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جو انگریزی دان لوگ اردو نہیں جانتے نہیں

غالب کے فکر و فن سے متعارف کرنے کے لئے ایک مفصل کتاب انجمنی زبان میں شائع کی جا رہی ہے۔ ایک اور کتاب میں غالب پر شائع شدہ مواد کے متعلق معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ پھر اس سوال کا جواب کہ ”میں نے غالب سے کیا پایا“ ایک تیسری کتاب کی بنیاد بنایا گیا ہے۔ اس میں متعدد غالب شناس حضرات کے ذاتی تاثرات جمع کئے گئے ہیں۔ اسی طرح ایک اور مجموعے میں گذشتہ ایک سو برس کی تنقید غالب کا کہ اقبالیات کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔

یہ کتابیں فروری ۱۹۶۹ء میں شائع ہو رہی ہیں۔ گویا ان کی تاریخ اشاعت سے مرزا غالب کی حیات بعد ممات کی دوسری صدی شروع ہوتی ہے مجلس کو یقین ہے کہ اس دوسری صدی میں غالب کے قبولِ عام کی سرحدیں کچھ اور وسیع ہو جائیں گی۔ خدا کرے کہ دنیا کو ہندوستانی تمدن کے آخری ترجمان سے روشناس کرانے میں مجلس کی یہ سعی رانگھان نہ جائے

حمید احمد خاں
صدر مجلس یادگار غالب
جامعہ پنجاب، لاہور

سینیٹ ہال
فروری ۱۹۶۹ء

فهرست مندرجات

<u>عنوان</u>	<u>صفحه</u>
حرف آغاز	یک
دیباچه مرتب	پنج
دیباچه غالب	۹
غزلیات فارسی	۱
خاتمه نگاشته غالب	۹
فهارس و تعلیقات :	
فهرست غزلیات	۹
اختلافات نسخ	۹
توضیحات غزل به غزل	۱
اشخاص غزلیات	۳۴
اماکن غزلیات	۳۸
ضمیمه	۴۲
استدراک	۵۰

بسم الله الرحمن الرحيم

حرف آغاز

چون در دعوی توان به لغو کردن
من به هنر گر گشودم چه غم من

چاپ حاضر دیوانِ مولیاتِ فارسیِ غالب در زمینه تصحیح و
تنقیحِ متون نخستین کتابست که متن آن با مشخصِ ساختنِ ارکانِ
جملات بوسیله فواصلِ روشن تر بین آنها و متصل به همدگر گذاشتنِ
کلمات در هر یک از ترکیباتِ ناقصِ نحوی و اظهارِ اخلاصِ
لازم بین کلمات تهیه و تنظیم شده است و این التزام را
در مورد فصل و وصلِ اجزای کلام که مخصوصاً در خارج از ایران یکی
از لازم ترین وسایلِ تسهیلِ قرائتِ متونِ فارسی و مؤثرترین عواملِ
تشویقِ مردم برای مطالعه ادبیاتِ عالیِ گرانبهایِ فارسیست سبکِ
شعری غالب نیز ایجاب میکرده که به اصطلاحِ خودش پیچیده بیانست
که پسندیده اوست :

سخنِ ساده دلم را نفروید غالب
نکته چند ز پیچیده بیالے بمن آر

این روشی تازه تهیه متن مستلزم آن بوده است که نگارنده در
مسوده آن تمام واحدهای ترکیبی و غیر ترکیبیِ نحوی را با گذاشتنِ
فواصلِ بیشتری نسبت به فواصلِ بین کلماتی که جزو ترکیباتِ نحوی قرار
دارد مشخص سازد و برای راهنمایی و تسهیلِ حروفِ چینی خطهایِ
عمودی بین واحدهایِ نحویِ جمله در سراسر متن دیوان درست کند
که تعهد آن مخصوصاً در مراحلِ غلط گیری نمونه های چاپ چندین
برابر زحماتِ تسویدِ اصلِ متن را در بر داشته است.

چنانکه از توضیحاتی که در تعلیقات چاپ حاضر دیوان غزلیات آورده‌ایم کاملاً مشهود است غالب اغلب غزلهای خود را با حفظ ابتکار خودش باقتضای شعرای ایران یا شعرای ایرانی نژاد نیم قاره پاکستان و هند سروده است و از مجموع غزلیات وی که عدد آن ۳۳۴ میباشد فقط برای ۹۰ غزل سوابق هندو در دواوین شعرای غزل سرای فارسی که بیش از وی بوده اند پیدا نمی شود ولی باز هم هفت عروضی و زمینة قافیه و ردیف یک قسمتی ازین ۹۰ غزل در بعضی از قصاید یسروان وی سابقه داشته است که عجلهٔ جزئیات این موضوع در دیوان حاضر خارج از تتبع ماست که منحصرأ مربوط است به سوابق غزل سرانی غالب در غزلیات یسروان وی از لحاظ وزن و قافیه و ردیف - شعرانی که غالب اساساً و غالباً باقتضای آنها رفته است عبارت اند از ظهیری ترفیزی و عربی شیرازی و نظیری نیشابوری و صائب تبریزی و طالب آملی و حزین لاهیجی گیلانی (نیز معروف به اصفهانی) و در اوایل غزل سرانی خودش از شوکت بخاری و جلال اسیر اصفهانی و محسن تأثیر اصفهانی و یدل عظیم آبادی (یا دهلوی) پیروی نمیکرده است -

از سی صد و سی و چهار غزل وی چهار غزل منحصرأ باقتضای یدل ساخته شده در زمینة ۳۸ غزل دیگر که با یدل بعضی از شعرای دیگر نیز شرکت داشته اند شواهد داخلی دلالت بر آن دارد که تحت تأثیر یدل سروده شده است - و این چهل دو غزل از غزلهای بیش از سال ۱۳۸۸ء میباشد -

درینجا باید یاد آور شویم که در زمینة هندو غزلهای غالب و غزلیات یسروان وی بر سی ما قهرأ محدود میشود به اتحاد وزن و قافیه

و ردیف و به سایر جنبه‌های فکری و فنی مربوط نیست که باید در یک کتاب مستحلی در انتقاد کلی غزل سرائی غالب مورد بحث قرار گیرد و در اینجا محلی آن و گنجایشی تفصیلات آن نیست.

از مطالب جالبی که در زمینه غزل‌های همطرحی قابل تذکر است یکی این است که نخستین غزل دیوان غالب که در توحید و عقاید اساسی وی دربارهٔ سب و معاد و حقیقت حیات بشری می‌باشد با اقتضای شاه نعمت‌الله ولی کربانی رحمة الله علیه سروده شده است و باستانهای غیائای شیرازی و شاهزاده کمران که خود شان از شاه نعمت‌الله ولی استقبال کرده اند در دواوین هیچ یک از پیشروان غالب غزلی با این وزن و قافیه و ردیف پیدا نمی شود و نکته مهم دیگری آنست که طبعی آثاری که جزو توضیحات در آخر دیوان حاضر آورده ایم اقتضای غالب و تتبع وی درین زمینه از غزل‌سرایان نامبرده در طولی مدت غزل سرائی وی در تزايد بوده است بطوریکه از آغاز سخن سرائی وی تا سال ۱۰۴۰ تقریباً شصت درصد بوده و از این سال بعد تا پایان حیات شعری وی از هفتاد درصد متجاوز شده است. در این صفحات مجال آنرا نداریم که وارد جزئیات این موضوع و مطالب متفرقه مربوط بان بشویم مثلاً این که در اواخر حیات خودش بیشتر به غزل‌های شیخ اجل سعدی شیرازی و طوطی هند حضرت امیر خسرو و سلطان‌العارفین حافظ شیرازی توجه داشته است.

از نظیر غزل‌های همطرحی در نخستین تألیف وی 'گل و عناب' و 'جلال اسیر' تا اندازه و بیشتر ظهوری و صائب و نظیری و عرفی و طالب و حزن سر مشق وی قرار گرفته اند و در بعضی از غزل‌ها با قلیل و واثق نیز همطرحی برای معارضه و اثبات تفوق خودش داشته است.

در توضیحاتی که جزو تعلیقات دیوان حاضر راجع به بشروان غالب در زمینه طرح غزل ها آورده شده نشانه «خ» روی تخلص نشان می دهد که درین مورد اختلاف جزئی در وزن یا قافیه و ردیف وجود دارد.

در پایان باید از جناب آقای امجد رشید منہاس، ام۔ پی۔ دی (Leeds) مدیر محترم چاپخانه دانشگاه پنجاب، لاہور صمیمانه سپاسگزاری کنیم که در تحت نظارت ایشان حروف چینی فوق العاده این کتاب با التزامات آن با موفقیت تمام بعمل آمد و از آقای دکتر بشیر حسین، دانشیار فارسی و آگای اقبال صلاح الدین ام۔ اے (فارسی و اردو) و آقایان محمد رشید و محمد بشیر دانشجویان عزیز دانشکده خاور شناسی دانشگاه بسیار متشکرم که در کار ضبط گیری نمونه های ابتدائی چاپ به نگارنده بسیار کمک کردند.

وزیرالحسن عابدی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دیباچہ مرتب

غالب کی فارسی غزلیات کا یہ مجموعہ ”دیوان غزلیات فارسی غالب“ ہر غزل کی تاریخ تالیف کی نشاندہی کے ساتھ ان تمام قلمی اور مطبوعہ نسخوں کی بنیاد پر مرتب کیا گیا ہے، جو غالب کی زندگی میں لکھے گئے یا چھپے۔ ان میں بارہ نسخے قلمی اور تین مطبوعہ ہیں اور اس تعداد میں نو نسخے دیوان فارسی کے اور چار نسخے ان مجموعوں کے ہیں، جن کی حیثیت انتخاب یا باقیات کی ہے۔ یہ نسخے حسب ذیل ہیں :

۱۔ دیوان فارسی (قدیم ترین قلمی نسخہ) مرتب شدہ ۲۱ جنوری ۱۸۳۸ء

ترقیمے میں اس نسخے کی مرتب کی تاریخ ۲۱ جنوری ۱۸۳۸ء بتائی گئی ہے۔ نسخے میں اس کے تمام قرائن موجود ہیں کہ یہ دیوان فارسی کی اولین مدرف تدوین ہے اور چند مرتب والے صفحات کو چھوڑ کر اصل نسخے کی کتابت ۱۸۳۵ء میں ہوئی ہے۔ جو کلام حواشی میں درج ہے وہ بیشتر بہادر شاہ کی تخت نشینی ۲۹ ستمبر ۱۸۳۷ء اور ۲۱ جنوری ۱۸۳۸ء کے درمیان کا اضافہ معلوم ہوتا ہے۔ اس نسخے میں دیوان کی پہلی غزل وہ ہے جو تمام دوسرے قلمی اور مطبوعہ نسخوں میں دوسری ہے۔ دیوان غالب کی مشہور پہلی فارسی غزل ’اے بہ خلا و ملا . . .‘ اس کے حاشیے میں بعد کا اضافہ ہے۔ اس کے متن کی غزلیات کو ہم نے احتیاطاً ۲۹ ستمبر ۱۸۳۷ء سے پہلے کا قرار دیا ہے۔ نسخے سے یہ ثابت ہے کہ اس کی مرتب بہادر شاہ کی تخت نشینی کے وقت ہوئی۔ یہاں تمام کتابتانی جزئیات کا اندراج مقصود نہیں۔ یہ نسخہ راقم کے ذاتی کتب خانے میں محفوظ ہے۔

(شش)

۲۔ دیوانِ فارسی (قلمی، کتابت شدہ جولائی ۱۸۳۸ء)

یہ نسخہ خدا بخش لائبریری ہانکی پور پٹنہ میں محفوظ ہے۔ ہم نے ۱۹۴۳ء میں پٹنہ جا کر اس کے متن کا مقابلہ مطبوعہ دیوان کے متن سے کیا تھا۔ زیرِ نظر دیوانِ غزلیات کی تعلیقات میں ہم نے اس نسخے کے تمام اہم نسخہ بدل درج کئے ہیں۔ اب تک یہی نسخہ قدیم ترین سمجھا جاتا تھا۔ جناب قاضی عبدالودود صاحب نے اس نسخے کا تعارف اپنے مقالے 'غالب کے کلیاتِ نظم فارسی کا قدیم ترین موجودہ نسخہ' میں کرایا ہے جو مجلہ علوم اسلامیہ، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کے دسمبر ۱۹۶۰ء کے شمارے میں چھپا ہے۔ اس مقالے میں مندرجات کی تفصیل ہے؛ متنِ غزلیات کے نسخہ بدل زیرِ بحث نہیں۔

۳۔ دیوانِ فارسی (قلمی، تاریخ کتابت معلوم نہیں)

اس قلمی نسخے کے آخری ایک دو ورق غائب ہیں۔ باقی تمام متن جس میں غزلیات شامل ہیں محفوظ ہے۔ یہ نسخہ انجمن ترقی اردو کراچی کے کتب خانے میں ہے۔ ہمیں مخدومی جناب سید حسام الدین راشدی صاحب کی نوازش اور کوشش سے اس کی مائیکروفلم حاصل ہوئی۔ اس سلسلے میں ہم انجمن کے سیکرٹری جناب مشفق خواجہ صاحب کے بھی ممنون ہیں۔

۴۔ دیوانِ فارسی (قلمی، کتابت شدہ نومبر ۱۸۳۷ء)

اس نسخے کا تعارف مسلم ضیائی صاحب نے رسالہ اردو کراچی، جنوری ۱۹۶۸ء میں کرایا تھا، لیکن اس میں غزلیات کے متن سے بحث نہیں تھی، اس لئے ہم نے اس نسخے کی بھی مائیکروفلم حاصل کر کے متن کا مطالعہ کیا اور نسخہ بدل معلوم کئے۔ اس مائیکروفلم کے لئے بھی ہم معاصر محقق جناب سید حسام الدین راشدی صاحب کے اور جناب مشفق خواجہ صاحب کے ممنون ہیں۔ اس کی تاریخِ کتابت بحث طلب ہے۔

۵ - دیوانِ فارسی (قلمی، کتابت شدہ دسمبر ۱۸۳۱ء)

یہ قلمی نسخہ بھی جو اب تک دوسرا قدیم ترین نسخہ سمجھا جاتا تھا، خدا بخش لائبریری ہانکی پور میں محفوظ ہے۔ اس کا مطالعہ بھی ہم نے ۱۹۳۳ء میں ہٹے جا کر کیا تھا اور متن کے نسخہ بدل معلوم کئے تھے۔ جناب قاضی عبدالودود صاحب نے اس نسخے کا تعارف اپنے مقالے 'غالب کے کلیاتِ نظم فارسی کا ایک قدیم نسخہ' میں کرایا ہے جو اردوئے معلّٰی دہلی کے غالب نمبر (بابت فروری ۱۹۹۰ء) مرتبہ جناب پروفیسر خواجہ احمد فاروقی) میں شائع ہوا ہے۔ اس مقالے میں شعر بہ شعر نسخہ بدل زیر بحث نہیں ہیں۔

۶ - دیوانِ فارسی (مطبوعہ ۱۸۳۵ء)

یہ دیوان مطبع دارالسلام دہلی میں چھپا تھا۔ اس کا ایک نسخہ، جس سے ہم نے استفادہ کیا ہے، پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور میں محفوظ ہے۔

۷ - دیوانِ فارسی (قلمی، کتابت شدہ ۱۸۶۱ء)

یہ نسخہ رضاپبلک لائبریری رامپور میں محفوظ ہے۔ ہمیں ۱۹۳۲ء میں جناب امتیاز علی صاحب عرش کی عنایت سے رامپور میں اس کے مطالعے کا موقع ملا تھا، لیکن غزلیات کے اختلافاتِ متن کے لحاظ سے اس نسخے کی چنداں اہمیت نہیں۔

۸ - کلیاتِ نظم فارسی (قلمی، تاریخ کتابت درج نہیں)

یہ نسخہ ناقص الآخر ہے۔ غزلیات کی ودیف 'د' کے درمیان سے لیکر آخر تک کے اوراق غائب ہیں۔ ویسے بھی یہ نسخہ بہت مغلوٹ ہے، لیکن یہ حیرت کی بات ہے کہ اس میں متن کے چند نسخہ بدل وہ ہیں جو صرف قدیم تر قلمی نسخوں میں ملتے ہیں۔ یہ نسخہ پنجاب یونیورسٹی، لاہور

میں محفوظ ہے۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی کتابت ۱۸۶۳ء کے لگ بھگ ہوئی ہے۔

۹۔ کلیاتِ نظمِ غالب (مطبوعہ ۱۸۶۳ء)

یہ غالب کے دیوان یا کلیات کا دوسرا نسخہ ہے جو ان کی حیات میں چھپا۔ اس کا مسودہ منشی نولکشور نے دہلی آکر غالب سے حاصل کیا تھا۔ ہماری ترتیب اسی نسخے کے مطابق ہے۔ سید جین اور باغِ دورد کی غزلیں ہر متعلقہ ردیف کے آخر میں بڑھا دی گئی ہیں۔ غالب کی وفات کے بعد مطبعِ نولکشور سے جنوری ۱۸۷۲ء میں ۱۹۲۵ء اور اس کے بعد ۱۹۲۵ء میں کلیات کی اشاعت ہوئی۔ ۱۹۲۵ء کے مطبوعہ نسخے میں جو معاشرے میں عام طور پر دستیاب رہا ہے کتابت کی اغلاط بہت زیادہ ہیں۔ ہم نے ان اغلاط کی فہرست بنا کر ان کے مقابل کے تمام نسخہ بدل جو ۱۸۶۳ء تک کے قلمی اور مطبوعہ نسخوں میں ملتے ہیں زیرِ نظر دیوانِ غزلیات کی تعلیقات میں بتائے ہیں، لیکن ۱۹۲۵ء کے نسخے کی اغلاط کی فہرست درج نہیں کی، اس لئے کہ ہم نے اپنے متن کی تدوین اور تصحیح و تنقیح غالب کے معاصر قلمی اور مطبوعہ نسخوں سے کی ہے۔ غالب کی وفات کے بعد کی نولکشوری اشاعتیں اور دوسری حالیہ اشاعتیں یہاں زیرِ بحث نہیں آتیں۔

۱۰۔ گلی رعنا (قلمی، کتابت شدہ ۱۱ ستمبر ۱۸۲۸ء)

یہ نسخہ جو تمام قرائن کی بنا پر غالب کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے اور گلی رعنا کا اولین نسخہ ہے جناب خواجہ محمد حسن صاحب، مقیم لاہور کی ملکیت ہے۔ ہم موصوف کے مکتوبات سے انہوں نے اس سے استفادہ کی اجازت دی۔

۱۱۔ گلِ رعنا (قلمی، کتابت شدہ مئی ۱۸۲۹ء)

یہ نسخہ محبِ گرامی جناب حکیم محمد نبی خان صاحب جمالی سویدا کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ ہم جنابِ سدوح کے لہِ دل سے

(نہ)

سیاس گزار ہیں کہ ان کے اخلاق کریمانہ ہے ہمیں اس نسخے کی نقل لینے کا موقع ملا۔ گل رعنا میں جس میں غالب نے اپنے اردو اور فارسی کلام کا انتخاب درج کیا ہے، غالب کی ۲۷ فارسی غزلیات شامل ہیں۔

۱۲۔ انتخاب غالب (تالیف ۱۸۶۶ء)

غالب نے ۱۸۶۶ء میں اپنے اردو اور فارسی کلام کا انتخاب کر کے نواب صاحب رامپور کو بھیجا تھا، جسے جناب امتیاز علی صاحب عرش نے مرتب کر کے ۱۹۳۲ء میں شائع کیا۔

۱۳۔ سید جین (تالیف ۱۸۶۷ء)

غالب نے اپنے فارسی بقیۃ الکلام کا یہ مختصر مجموعہ ۱۸۶۷ء میں مرتب کیا تھا، جو اسی سال طبع ہوا۔ اس کا دوسرا ایڈیشن وہ ہے جو مالک رام صاحب نے ۱۹۳۸ء میں شائع کیا۔ اب ۱۹۶۹ء میں راقم نے مجلس یادگار غالب، پنجاب یونیورسٹی، لاہور کے لئے اس کا ایک تحقیقی ایڈیشن مرتب کیا ہے۔

۱۴۔ باغ دو در (تالیف ۱۸۶۷ء)

غالب نے اپنی غیر مطبوعہ فارسی نظم و نثر کا یہ مجموعہ ۱۸۶۷ء میں مرتب کیا تھا، لیکن اس کے مسودے کی کتابت ان کی وفات کے کئی مہینے بعد ختم ہوئی۔

باغ دو در کا یہ اصل کتابت شدہ نسخہ راقم کے ذاتی کتب خانے میں ہے۔ پنجاب یونیورسٹی اور پینٹل کالج نے غالب کی یہ آخری تالیف جسے راقم نے مرتب کیا ہے اس سال شائع کی ہے۔

مندرجہ بالا مستقل مجموعوں کے علاوہ ہم نے غزلیات کے متن کی تصویر میں ایک بیاض سے بھی مدد لی ہے جو غالب کے حلقے کی ایک مشہور شخصیت میر غلام علی رحمت کے والد میر فرحت اللہ کے ہاتھ کی

لکھی ہوئی ہے اور ہمارے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ اس میں صرف غالب کا فارسی کلام درج ہے، جس میں پانچ غزلیں بھی ہیں۔ جو ۱۸۶۳ء کے کلیات میں شامل ہیں۔

غالب کی باقاعدہ فارسی سخن سرائی کا آغاز اب نسخہ امر وہ کے تازہ ترین انکشاف کے بعد جس کا سال کتابت (بشاس جناب عرشی (۱) صاحب) ۱۸۱۶ء ہے اور جس میں اردو کلام کے ساتھ ۱۳ فارسی رباعیات بھی شامل ہیں ۱۸۲۲ء (بقول جناب عرشی (۲) سے بہت پہلے ماٹنا پڑے گا۔ ان کے مکتب کے زمانے کی غزل جس کی ردیف 'کہ چہ' تھی اگرچہ ابھی تک دستیاب نہیں ہوئی، لیکن اس کا وجود ثابت ہے۔ پنج آہنگ کے ایک خط (بنام شاہزادہ سلطان محمد) سے واضح ہوتا ہے کہ غالب نے اپنی عمر کے دوسرے عشرے ہی میں فارسی میں مشق سخن شروع کر دی تھی، اور ۱۸۱۷ء سے ان کی فارسی شعر گوئی کا باقاعدہ آغاز ہوا۔

غالب کی فارسی غزلیں کل تین سو چونتیس ہیں۔ ان غزلیات کی تصنیف کا زمانہ ۱۸۱۷ء سے ۱۸۶۷ء تک کی مدت پر محیط ہے اور ان کی تدوین کا سلسلہ ۱۸۲۸ء سے ۱۸۶۷ء تک جن سنین سے ہو کر گزرتا ہے وہ ہیں : ۱۸۲۸ء، ۱۸۳۰ء، ۱۸۳۷ء، ۱۸۳۸ء، ۱۸۴۱ء، ۱۸۳۰ء، ۱۸۶۱ء، ۱۸۶۳ء اور ۱۸۶۷ء۔ تدوین کے ان مرحلوں کا تعین غالب کے فارسی کلام کے ان مجموعوں سے ہوتا ہے، جن کی کتابت یا طباعت ان کی زندگی میں ہوئی اور جن کے نسخے اس وقت محفوظ اور معلوم ہیں۔ ان سب نسخوں کا مختصر تعارف ہم شروع میں کرا چکے ہیں۔

کلی رہنما میں، جس کی تسوید غالب نے ۱۱ ستمبر ۱۸۲۸ء کو مکمل کی، ۲۷ فارسی غزلیں شامل ہیں۔ یہ سب متن کے جزئی اختلافات کے ساتھ دیوان فارسی کے ہمارے قلمی نسخے میں موجود ہیں، جس کی مرتبہ ترقیم کے مطابق ۲۱ جنوری ۱۸۳۸ء کو ختم ہوئی اور بعض قرائن سے

معلوم ہوتا ہے کہ اصل کتابت ۱۸۳۵ء میں ہوئی ہوگی ، جس میں بہادر شاہ کی نعت نشینی (۲۹ ستمبر ۱۸۳۷ء) کے بعد اضافے کئے گئے ۔ اس نسخے کے حوضہ متن میں ۲۳۵ غزلیں اور حواشی میں ۴۴ غزلیں درج ہیں ۔ دیوان فارسی (نسخہ ہاتکی پور) میں جس کی کتابت ۲ جولائی ۱۸۳۸ء کو ختم ہوئی حوضہ متن میں ۲۶۹ غزلیں ہیں اور حواشی میں ۷۷ جن میں سے حاشیے کی ایک غزل جس کی ردیف ہے 'لکزدہ کس' متن میں ہوئی چاہیے تھی ، لیکن حاشیے میں درج ہے ۔ اس دیوان میں پہلے مذکورہ دیوان کے حواشی کی غزلیں حوضہ متن میں ہیں اور حوضہ متن میں ایک اور حواشی میں چھ غزلیں ہیں ۔ دیوان فارسی (نسخہ ہاتکی پور) میں جس کی کتابت ۲۹ دسمبر ۱۸۴۱ء میں ختم ہوئی ، حوضہ متن میں ۲۷۹ اور حاشیے میں ایک غزل درج ہے ۔ اس نسخے کے حوضہ متن میں وہ سب غزلیں لے لی گئی ہیں ، جو اس سے پہلے کے نسخے میں حواشی میں درج تھیں ۔ اس نسخے میں نئی غزلیں چار ہیں ۔ ۱۸۴۵ء کے مطبوعہ دیوان فارسی میں کل غزلیں ۳۰۹ ہیں اور ۱۸۴۱ء کے قلمی دیوان پر ۲۹ غزلوں کا اضافہ ہے ۔ ۱۸۶۱ء کے قلمی دیوان میں کل غزلیں ۳۲۳ ہیں یعنی ۱۸۴۵ء کے بعد چودہ غزلوں کا اضافہ ہے ۔ ۱۸۶۳ء کے مطبوعہ دیوان میں غزلوں کی تعداد یہی ہے ۔ ۱۸۶۷ء میں سید چین پہلی بار چھپی تو اس میں دس غزلیں درج ہوئیں جو مطبوعہ دواوین میں نہ تھیں ۔ باغ دودر کا مسودہ ۱۸۶۷ء کے اواخر میں مرتب ہوا تو اس میں سید چین کی غزلوں کے علاوہ ایک غزل اور درج ہوئی جو معلوم ہوتا ہے غالب کی آخری فارسی غزل بلکہ آخری غزل ہے ۔ اس کا ایک شعر ہے :

نمائد ساز مرا هیچ نعمہ ہمنماں

جز آنکہ بر شکندش چو درنوا آرند

ہر غزل کی تاریخ تصنیف یا تصنیف کے زمانی حدود کا تعین ان مجموعوں کے مندرجات کی بنیاد پر ہوتا ہے، البتہ چند غزلیں ایسی بھی ہیں جن کے زمانہ تصنیف کا علم زیادہ 'معین طور' پر غالب کے بعض اردو اور فارسی خطوط سے ہوتا ہے۔ جن فارسی غزلوں کے اشعار مطبوعہ پنج آہنگ کے آہنگ سوم یا پنج آہنگ کی اس اولین تدوین کے آہنگ پنجم میں درج ہیں جس کا علم قطعی نسخوں سے ہوتا ہے وہ ۱۸۳۵ء تک کی تصنیف شدہ قرار دی جا سکتی ہیں، لیکن ان میں ایک غزل ایسی ہے جو غالب نے مسلم طور پر بعد میں کہی تھی۔ اس سے شبہ ہوتا ہے کہ شاید پنج آہنگ کے بعض اشعار ۱۸۳۵ء تک مفردات کی صورت میں ہوں، اور پوری غزلیں بعد میں کہی گئی ہوں۔ اس حقیقت سے امکان پر نظر کرتے ہوئے ہم نے احتیاطاً ان غزلیات کی تاریخیں ۱۸۳۵ء کے نسخہ پنج آہنگ کے بجائے غالب کے موجودہ قدیم ترین دیوان فارسی کی بنیاد پر درج کی ہیں، جس کے اصل متن کی کثات ۲۹ ستمبر ۱۸۳۵ء سے پہلے ہو چکی تھی جیسا کہ ہم نے شروع میں ذکر کیا ہے، البتہ اس سال سے پہلے کی ۲۷ غزلیات کا تعین گل رعنا کی بنیاد پر ہوتا ہے، جسے غالب نے ۱۸۲۸ء میں مرتب کیا تھا۔

غزلیات کے متن میں ہم نے ہر غزل کے آخر میں صرف تاریخ تصنیف کی نشاندہی کی ہے، اختلافات متن کا اندراج نہیں کیا۔ مختلف نسخوں کے اختلافات کو تعلیقات کے حصے میں پیش کیا ہے اور وہ بھی جدول کی صورت میں تاکہ صفحات کی تعداد مجلس یادگار غالب کے معین کردہ حدود میں رہے۔ پھر یہ ہمت بھی نظر میں تھی کہ جدول کی صورت میں نسخوں کے اختلافات کا تقابلی مطالعہ یک نظر کیا جا سکتا ہے۔ جس نسخہ بدل کو ہم نے صحیح یا بہتر سمجھا ہے اسے متن میں اختیار کیا ہے، باقی نسخہ بدل جدول میں ملیں گے جس کا عنوان ہے 'اختلافات نسخ'۔ البتہ گل رعنا کے نسخہ بدل اور دوسرے متن اختلافات

ہم نے ہر متعلقہ غزل کے آخر میں بتائے ہیں اور ان میں سے صرف بعض کی نشاندہی تعلیقات میں کی ہے۔ انتخاب غالب (مرتبہ عرشی) اور ہمارے مرتبہ دو مجموعوں میں جن اور باغ دودر کے متعلقہ نسخہ بدل ان مجموعوں میں دیکھے جائیں۔

تعلیقات میں 'اختلافات نسخ' کے بعد 'غزل بہ غزل توضیحات' کے عنوان سے جو کچھ لکھا ہے اس میں تین چیزوں کی نشاندہی ہے۔ اول یہ کہ ہر غزل کی زمین میں غالب کے کن پیشرووں کی غزلیں موجود ہیں۔ ان شعرا کے تخلص، ہر غزل کے حوالے کے مقابل، تقابل کی علامت یعنی 'قب' درج کر کے بتائے ہیں۔ ہم زمین غزلوں کا سراغ بنیادی طور پر ان شعرا کے کلام میں لگایا ہے جو غالب کے ذہنی ماحول کے شاعر ہیں یعنی بیدل، ظہوری، فیضی، عرفی، نظیری، صائب، طالب اور حزین۔ ان کے علاوہ شوکت بخاری، جلال اسیر اور محسن قائم بر بھی نظر رکھی ہے۔ جو زمینیں صرف ان تین شاعروں کے ہاں ملتی ہیں، ان سے غالب کے ابتدائی مرحلہ سخن کی حد بندی میں مدد ضرور ملتی ہے، اگرچہ یہ چیز اتنی فیصلہ کن نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح وہ غزلیں ہیں جن کی زمینیں صرف بیدل کے ہاں ہیں دوسرے شعرا کے ہاں نہیں۔

دیستان فن اور اسلوب سخن کے قرب و بعد کا اندازہ کرنے کے لئے سعدی، اسیر خسرو اور حافظ کے کلام میں بھی ہم زمین غزلوں کا ہتہ چلایا گیا ہے اور کلکتے کے معرکہ سخن کی بنا پر قتیل و واقف کے ہاں بھی ہم زمین غزلیں تلاش کی گئی ہیں۔ تمام دوسرے شعرا کا ذکر ضمنی طور پر آیا ہے یا اس صورت میں آیا ہے جہاں کسی غزل کی زمین مذکورہ شعرا میں سے کسی کے ہاں بھی نہیں ملتی۔

ان توضیحات میں ہم نے صرف شعرا کا ذکر کیا ہے؛ متعلقہ غزلوں کی نشاندہی نہیں کی، تاکہ تعلیقات کے صفحات کی تعداد زیادہ نہ بڑھنے پائے۔ لیکن یہ تفصیل جو ہم نے یہاں ترک کر دی ہے ہمارے

اس دوسرے ایڈیشن میں ہے جو 'سیری لائبریری لاہور' کی طرف سے زیر اشاعت ہے۔ قتل کو چھوڑ کر باقی ان تمام شعرا کے دیوان چھپ چکے ہیں جن کے ہم نے نام لئے۔ البتہ ظہوری کی دس غزلیں ایسی ہیں جو اس کے مطبوعہ دیوان میں درج نہیں؛ مستند قلمی نسخوں میں شامل ہیں۔ یہ غزلیں اور قتل کی متعلقہ غزلیں ہم نے اس دوسرے ایڈیشن کی تعلیقات میں نقل کر دی ہیں۔

ہم زمین غزلوں کے اس مطالعے سے غالب سے متعلق تحقیق و تنقید کے بہت سے مسائل حل ہوتے ہیں اور بعض نئے حقائق روشنی میں آئے ہیں۔ لیکن اس دیباچے میں ان بحثوں کی گنجائش نہیں۔ اس کے لئے ایک مستقل کتاب درکار ہے۔

زیر نظر توضیحات میں دوسری چیز جو ہم نے درج کی ہے وہ غالب کے وہ الفاظ ہیں جو پنج آہنگ کے آہنگ سوم میں مندرجہ اشعار کا عنوان ہیں۔ غالب کے لکھے ہوئے ان الفاظ سے اشعار کے مفہوم تک رسائی کے لئے بنیادی اشارے ملتے ہیں۔ تیسری قسم کے اندراجات وہ ہیں جو غالب کے فارسی یا اردو خطوط کے ایسے اقتباسات ہیں جن کا کوئی نہ کوئی تعلق متعلقہ شعر یا غزل سے ہے۔ ان توضیحات میں غالب کے اردو خطوط کے اقتباس خطوط غالب مرتبہ جناب غلام رسول مہر سے لئے گئے ہیں۔ اور فارسی خطوط کے اقتباس کلیات نظم فارسی مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱۸۶۸ء سے۔ توضیحات میں جو اختصارات استعمال ہوئے ہیں ان میں سے 'ب' کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ 'ب' سے بیت اور 'پ' سے پنج آہنگ مراد ہے۔

غزلیات میں جن شخصیتوں اور جن مقامات کے نام آئے ہیں ان کے اشارے تعلیقات میں درج ہیں۔ لیکن ان کا تعارف کروانے کے لئے حاشیے اس لئے نہیں لکھے گئے کہ ایک طرف اس اشاعت کے معینہ صفحات میں اس کی گنجائش نہ تھی، دوسرے یہ کہ غالبیات کے

سلسلے کی مستقل کتابیں موجود ہیں، جن سے یہ معلومات مل سکتی ہے۔

غالب کا دیباچہ جو انہوں نے اپنے پورے دیوان یا کلیات نظم کے لئے لکھا تھا اور اسی طرح انکا لکھا ہوا خاتمہ جو نولکشوری اشاعتوں میں تقریظ کے عنوان سے چھپا ہے اس مجموعہ غزلیات کے ساتھ اس لئے شامل کر لیا ہے کہ اس سے انکے فنِ سخن میں غزلگوئی پر سب سے زیادہ روشنی پڑتی ہے۔ ان دونوں نگارشوں کی ہم نے نئی عبارت بندی کر دی ہے تاکہ قاری کو مختلف مطالب کے ادراک میں سہولت ہو۔

املاً میں ہم نے ذالی معجمہ فارسی کو ان الفاظ میں برقرار رکھا ہے جو اسی طرح صحیح ہیں۔ غالب کی پیروی میں ان الفاظ کو زای ہوڑے نہیں لکھا۔ البتہ جن الفاظ میں ذال کے بجائے دال ہے یا حسبِ ضرورت ہو سکتا ہے وہ ذالی معجمہ سے لکھے ہیں۔ ترکیب میں پھر بھی 'آذریشان' ہی لکھا ہے 'آذریشان' نہیں۔ اسکے سوا ب / پ اور ک / گ کے معاملے میں الفاظ کی وہی صورت قائم رکھی ہے جو پاک و ہند کے فارسی شعرا اور نثر نگاروں کے ہاں عام طور پر رائج رہی ہے اور غالب بھی اسی طبقے میں ہیں، مثلاً 'اسب' کو 'اسب' لکھا ہے، 'شکفتن' کو 'شکفتن' اور 'گشودن' کو 'گشودن'۔ بے تکبر و وحدت اور بے تعنائی و احتمالی کو ہم نے بے معکوس کی صورت میں ظاہر کیا ہے تاکہ فہم معانی میں قاری کو سہولت رہے۔ البتہ بے اضافت کو بے تعنائی کی صورت میں لکھا ہے۔

لاہور ۳ جمادی الثانی ۱۴۸۹ھ

۲۰ اگست ۱۹۶۹ء

وزیرالحسن عابدی

دیباچہ غالب

دیباچه غالب

بگانه یزدان را بزیانے که بخشیده اوست سیاس گزارم و خود مرا
 چه پایاب سیاس گزاری اوست که چون منے را که حرف از حرف شناسم
 اینهمه نیرو کرامت کرد که پرده از رخ این شاهدِ نوحاسته که خرد
 نخستین دیوانش نامد برگزفتم و بهوای جلوه دیگر که هنوز صفحه
 اندیشه بیرنگ آن نیندیرفته آئینه زدائی از سرگرفتم - بار خدایا
 درد ناروائی کالا دل را آنچنان فرونگرفته که تن بزیونی در ندم و
 بدین آرزومنت بر خویشتن قسم که یارب پس از من چون من
 بگرد سراپای گشتار گردیده باقرینی تا وا رسد که دیوار کاخ والای
 سخن در چه پایه بلند است و سر رشته کندی خیالم در آن نوازستان
 بکدامین ذروه بند -

فرد :

ذوقمست همدمی به فغان، بگذرم ز رشک

خار رخت به پای عزیزان خلیه باد

بنام ایزد نخستین نقایص است از روی شاهد هر هفت کوده معنی
 بچشمی نسیم بر انداده ، یعنی تنگ کشاکش دست ناکشیده -
 بازبین چراغی است از گرمی چراغان نیم سوخته پهلوی رخ به افروختن
 داده ، یعنی داغِ منتِ خس تا دیده - کهن داغهای جنونست ، سراسر
 باخن شوخی نفس خراشیده ، گرما گرم خونابه درونست به قف پنهانی
 دل ناگه از ناسور تراویده - کاغذی بیرهنانه چون بیکر تصویر از حیرت
 واقعه خاموش - مشعل بکف گرفته‌کافند ، چون آذر از دودِ دل سیه‌پوش -

قلزم آسمانِ نیکہ را بدستگیریِ صلائی فراوانی ہادہ درباب کہ این خسروی
 میکند ایست در بروی انجن باز کرده ، زمزمہ سنجانِ طرب را بدستازی
 نوید انبوهی نغمہ ہنواز کہ این ہاریدی پردہ ایست از بالِ موسیقار ساز
 کردہ - خسروی شہستانے ست بدعاقتہ مرگرمی فوقِ انجن آرا آتش خیز
 گردیدہ - ہچشمک زنی درخشندگی اجزای خاکستری از اندوہ سرآمدنِ
 ہنگامہ پردہ کشای - قیصری شہستانے ست یزاولہ وجدِ دل کارفرما
 از ہم ہاشیدہ ، بشورافکنی تابشی ذرہ های آفتابی از دودِ ہر شکستی باونامہ
 داستانِ سراۓ - نگویم دودِ جرافست بدلالہ و داغ ، اما سوختگی را
 سرگذشت است و خستگی را رویداد - نگویم تجلی و طور است ہا جنت و
 حور ، اما نازش را قلمروست و آرامش را سواد - طلسمِ شعلہ و دود است
 باز بستہ زردشتِ خیال ، شعلہ پنهان و دود پیدا ، دل لوجِ طلسم و زبانِ
 طلسم کشا - ہنگامہ ایر و باد است ، ہر الکیمختہ جادویِ ایر گہر ہاش و
 بادِ الماس نشان ، اندیشہ طومارِ نیرنگ و لبِ الفسونِ خوان - دودِ
 کیابے ست پائیدازِ بیچ و تابی کہ از شعلہ در دل افتادہ است ، ہر ہوا
 تنق بستہ - خیلِ غزالے ست بہ سامانِ جنبشِ پرومندیِ خویش نخلیند ازل را
 سہاسگزار -

مثنوی

اے نہمان بخشی آشکارِ نواز
 دل بہ ہم جان بہ تن گرامی ساز
 شروے کز تو در دلِ سنگ است
 بر رخِ لعلِ جلوۂ رنگ است
 اے بساطِ زمینِ نشیمان را
 وے مشامِ یگانہ بینان را

از رگی نو بہار نافہ کشای
 وز دم بادِ صبح غالبہ سای
 اے فگندہ بہ روی شاعرِ ذات
 عنبرین طہرہ از نقابِ صفات
 بہ فروخت مہین نمایش جای
 از بساطِ سیاہ کیوان زای
 اے فلکِ حبابِ قلمِ تو
 وے زمین لایِ بادِ خمِ تو
 از ریحِ حُمت بہ دہرِ مغان
 لایِ ہالایِ مے سہیل فشان
 بودنی بخشِ خوب و زشت توئی
 روئی کعبہ و کنشت توئی
 اے گزین نقشہا کشیدہ تو
 ہرکہ و ہرچہ آفریدہ تو
 دیدہ را جویِ خون کشادہ تست
 نالہ را ہالِ برق دادہ تست
 اے مرا فہرِ خسروی دادہ
 ہارمی را بہ من نوبی دادہ
 ہم بہ تسلیم عجز تن زدہ ام
 کز تو در مدحِ خویش تن زدہ ام
 نا توانی قویِ اساسیہا ست
 خود نمائی خدا شناسیہا ست

سخن آفرین خدای گیتی آرای را ستایم که تا نهانخانه
ضمیم را از فراوانی رنگا رنگ معنی به لعل و گهر انباشت،
بازویم را ترازوی مرجان سنجی و خامه ام را هنرگاه گهرهای ارزانی
داشت. اینست رایگان دهنده منت فائزنده - سخنور نواز داور بیروزگر را
نازم که چون تن به کشاکش تحسین دادن رنگ گرانمایگی بیام
شناخت، به نازش والایی بهین روشها و برازش زیبایی گزین
اداما از قبول خلق بی نیازم ساخت - آلت، دشمن کام آفریننده به
کوری چشم دشمن - بر گزیننده فطرت، پاکیزگی گوهرم را درخویر
آلایش داغ همچشمی قدید و پیداست که بکثاتی جز او را نزیبد -
لاجرم مزام را در خونابه فشان با زبانم همدستان کرد - زهی یگانه
داور دانا، رحمت حوصله آفرینش را گنجائی اندوه غمخواری من نبخشید و
دانست که رنجور جز به او نشکبید - هرآینه دلم را درین جان گزائی
بر من به درد آورد - خنجر سپهران خدای توانا، به هوایش سینه از بیتابی
نفسم آدرنگار - به ثنایش صفحه از شادابی رام بهاراندای، نهاده در
گداز هفت دوزخ غوطه خور، سواده از راز هشت گلشن پرده کشای،
خرد آشوب زمزمه که به ذوق بخشی نشاط سماعش زهره از آسان نرود
آید، به زبانم ودیعت نهاده اوست و هوش ربا جنبش کف به
کوشه ریزی انگیز ادایش از حوران طوبی نشین درود آید، به تی کلکم
باز داده او -

فرد :

وشرح کتب جم میچکد از مغیر سقالم

سیرابی نطق اثر فیض حکیم است

تار و بود تشریف عقیدت مسلمانم و فرزانه قهرمان قلمرو سخن رانی،

دل به شراکب تعلین محمدی آویختن کیش و آئین من و طغرای والای
 یا اسدالله الغالب نقش نکین من و لای خم میخانه سرمدی نسبت
 تاجشیدگان سکالند که هیچدانی را این مایه سیرابی نطق از کجاست، غافل
 که نم رشحه رشحه یک فیض است که سبزه را دمیدن و نهال را سرکشیدن و
 میوه را رسیدن و لب را زمزمه آفریدن آسخت و در پرتو مهتاب ازلی
 هدایت شبگیر تکرر دکان اندیشند که تیره سرانجامی را اینهمه روشنائی
 گفتار چرست - پی خبر که فرقه تابش یک نورست که شمع را به شعله و
 قدح را به باده و گل را به رنگ و درون را به سخن برافروخت - آنکه
 سیه خیمه لیل منشان را به فروغ شمع های کافوری خاورستان کرد، وادی
 مجنون و شان را از هجوم کرمک شب تاب پرداز چراغان بخشید - ریشه
 نخل آرزو آب از مغز سیرقارون میخورد، مایه داری بینوایان در لب و
 خامه در ایشار لعل و گهر عری گنجینه توانگران میبرد، فراوانی دستگاه
 معنی نیکاران بنکر - باغ از گل افشانی نهالهای دست نشان، ثامه اعمال
 نیکوکاران خداپرست است و راغ از انبوهی گوناگون لاله های خودرو
 کارگاه خیال هوسناکان شاهد باز -

فرد:

هر دل شده از دست در انداز سپاسی ست

سانا که نگاه غلط انداز ندارد

درو آزرده بای را سایه خازین نشین پرواز است و در سنج کشاورز
 اخگر تافته گوهر شب چراغ - سیل سرشک که به روی ماتمیان می دود
 دیار غم را روانی فرمان درد است و دامن برچیده که به دست آزادگان اندر
 است، ده کیای قملرو خرسندی را توقیع - تئوسندان را رخ برافروختگی فرخ
 سرمایه، همان کف خونست که اگر به شرائین دود، گرما گرم از مرز ریختیم و

اگر رنگ گردید، دمام به روی شکستیم - خود آریان را اطلس و
سحاب ارزانی، فرجام جز آزدن اندام نیست و ما به تن از ناتوانی تاب
گوانی نداریم و به دل از نازی رنج تنگی قبا بر تناییم -

لطافت تازه بهار رنگهای شکسته دریافتی نه زهره هر دیده‌ور است
و به نزاکت ویژه نمایی کتانهای مهتابی و رسیدن نه انذازه هر ادا شناس -
اگر ذره از برهنگی آفتاب پوخته، زمین طبله‌سنان خود آرای را چه
رشد، و اگر ویرانه از جگر تنگی ماهتاب آشفته، شبستانیان
آرمیده‌درون را چه خبر -

داغم از کوزه نظران تنگ‌چشم که دمیدن تازه گل از گیاه و
درخشیدن برق به شبهای سیاه شکفت ندارند و چشیدن زبانهای گویا به
سخن‌های نفوذشخوار انگارند - غنچه مشکین نفس است و باد خالیه سای
و گل کشاده‌روی و بلبل نواستج - زبان چه گنجه کرده است که
سخن‌سرای نباشد؟ مهر جلوه بر تابد و ذره بیتابی و بحر روانی و قطره اشک،
دل را که گفته است که از شورش ستوه آید - همانا به دانست
این گروه باده درخشان‌تولیق همان قدر بود که حریفان گذشته‌را
تردماغ ساخته - حالیا بساط بزم سخن برچیده و جام و سبو بر سر هم
شکسته و ازان قازم قازم راقع نمی‌برجای نمائند بدارند - کاش به انجمنی
که من در فرودین رده به حلقه اویاش قلع میگیرم فراوانند تا وارند که
مے فراوانست و ساقی بے دریغ بخش - بیمانه‌ها جرعه‌ریز است و لبها
العطش گوی، هه درمن قال :

فرد :

هنوز آن ابر رحمت در شفاست
می و میخانه با مهر و لسانست

آری، صبحای سخن به روزگار من از کهنگی تند و پر زور است و شب اندیشه را به قر درمیدن سپیده سحری برات فراوانی نور است - هر آینه رفتگان سرخوش غنوده اند و من خرابستم - پیشینان چراغان بوده اند و من آفتابستم -

قطعه

بمنج شوکتِ عرفی که بود شیرازی
 بشوایرِ زلالی که بود خوانساری
 به سوماتِ خیالم درآی تا بینی
 روانِ فروز بر و دوشهای زناری

قلم که رودبار ناپسداکتار اندیشه را هنجاره آب سنج بوده است، به روزگار گزیده یابیم لؤلؤخیز گردایه پیچوده است که از بسکه در آن آمد شد به تاپ مدفهای به گوهر آستن خلیده، پنداری خط شعاعی مهر است به مغز شبنمستان فرو دویده - ورق که میکند سخن را کلسه باده پیمائی است به دوران پسندیده جوئیم از بادقنائی شاداب رشقه ربانی است که از بسکه نم آن قلمی زلال کیفیت نشسته حضری به طینتش دو آورده، گوئی چمن سرمایه سفالست دسته دسته ریحان از خویش بر آورده - دل به نور دین افروخته بازبین و خشورم؛ اگر کویم که گذشتی من به پایه از گنشتگان عجب نیست، چه عجب؟ پرورش آموخته نخستین دستورم؛ اگر سنجم که سر آمدن من در شیوه بر هفتان شکفت نیست، چه شکفت؟ خوان ایزدی نیایش به ترقه ستایشی خویش آراستن به شمارگ بخششهای داور افزونی ذوقی سیاس خواستن است - تکلف بر طرف، سعیم در منعم پرستی است، نه در خودفروشی - زمره

اعت و معتبت در یک پرده به یک آهنگ سرودن، دلدادۀ نوای سبز در سبز
تولّد بودن است - تعصب پیشکش، قدیم در جاده پیمائی ست، نه در
پے راہد روی -

قطعه

نه چنانم کہ ہر عقیدہ خویش
از نسوئ کسی ہراس کنم
نه توانم کہ از نصیحت و وعظ
عالی را خداشناس کنم
نه کہ اخبار ہاستانی را
دیو المبتدہ ہا قیاس کنم
نه کہ در عالم فراخ روی
عار از ژندہ ہلاس کنم
چون نہ من ساقیم نہ محتسبم
نه پرہیزم، نه مے بہ کاس کنم
نه بہ واجب ز سعی در مانم
نه بہ ہر مدعا نکاس کنم
ہر مدارا اگر مدار فہم
کاخ الفت قوی اساس کنم
لیک، ناہد ز من کہ در گفتار
مدحت لالہ سور داس کنم
فصلی از مدح خود توانم خواند
گر نہ لب را ز لاف ہاس کنم

خوش فوایم ، مرا رسد که ز رشک
 زهر در جام بو فوایم کنم
 میتوان پنجه از نظامی برد
 پاره جمع گر حواس کنم
 توسی طبع من بدان اورد
 که ز بالِ بری قطاس کنم
 مزروع خویش را به کایِ درو
 ناخنِ حور صوفِ داس کنم
 همچو سرو از شمع خزان برهد
 گلینے را که من مساس کنم
 کوثر از موج واکنده آغوش
 اگر اندازِ ارتعاس کنم
 چه ازل فرقه ادانشناس
 خویشتن را هلاکِ یاس کنم
 به دو بینی ز گفته‌های حزین
 صنفه را طَرَه اباس کنم
 لایقِ مدح در زمانه چو نیست
 خویشتن را همی سیاس کنم
 کس زبانِ مرا نمی فهمد
 به عزیزان چه التماس کنم

سرو اگر به هوایِ تلافی عطیه نشو و نما سر به پایِ ایر ساهد
 و ایر در ادایِ سیاس سرمایه‌بخشی گهر بر فرقِ دریا افشاند ، دیده‌وران

شناسند که نیروی گستاخی سرو هم از پهلوی ابر است و فراخی دستگاه
 ابر هم از گنجینه دریا - ای به شادروان مهمل و زهره نشان معنی
 بار نیافته و سرا از کوتاهی برداشت یا درازی فرو گذاشت به ترخانی
 پذیرفته ، بکوه به دانش و داد گرای و به ورزشی هنجار درونی و جستجو
 و گردش پرکار آیینی نگاهو سراهای چون بوی گل از بساطت منمای -
 سخن را بیمای و هم از خود پرس که روان به شناختن رمز هر گونه
 گزارش چه سایه دانا و بنان به گزاردن حتی هر شیوه نگارش چه قدر
 توانا گردد ، تا ادای سره روشی و انداز ویژه خراسی دست بهم دهد و
 از عالم ناهمواری کیش و آئین هستی نشانان آشکارا سگال چها در
 اندیشه گرد آید تا برخاستن فرجام دو روشی و درست نشستن نقش
 یکتا گزینی را دلکشا انگاره وجود پذیرد - به زبان سوجی که صهارا به
 پیمانه اندوست سرگذشت جوشی خویشتن بالائی که در خلوت خم میزند
 شنیدنی ست و به نگاه رگ تپشی که پروانه را در بال و پر است بوقی
 ذوق هستی نشانی که در نهاد دل دارد دیدنی ، چنانکه انتهای آرزوی
 مستمین و ابتدای آبروی متأخرین شیخ علی حزین سراید :

فرد :

شمعها برده ام از صدق به خاک شهدا
 تا دل و دیده خونابه قضایم دادند

انصاف بالایی طاعت است - در هوایی که بال بالا خوانی زدمام
 و در ادائی که خود را به شگرفی ستوده ، نیمه ازان شاهد بازست ، یعنی
 هوا پرستی و نیمه دیگر توانگرستانی ، یعنی باد خوانی - بیداد بین که هر جا
 به شانه خمی از زلف سرخوله سویان کشوده شود ، بلا در آویزد تا دل به
 بیجاکی آن شکن بندمی و خواری نگر که هر که از خود غافل و از خدا

فارغی بر اورنگِ سروری کج نشیند ، هوس مرا برانگیزد تا پیشش
بنده وار راست استغی - شادم از آزادی که بسا سخن به هنجارِ عشقِ بازان
گزاردم و دلم از آشنایی که ورقِ چند به کردارِ دخیلِ طالبان در مدح
اهلِ جاه سیه کردم - درینا که عمرِ سبکسیرِ اختی به جامه و چنگ
سرم آمد و پاوه به دروغ و دریغ رفت -

فرجامِ گرانِ خوابی برنخاست و آشوبِ هوسانی فرونشست ، هنوز خون را
در پوستِ هنگامه شووشِ رستخیزِ این آز گرم و در جیبِ دل از
خارِ خارِ شوقِ زبانِ گزارشی این آرزو دراز است که هر آئینه
گفتارهایِ پریشان به فراهم آوردنِ آرزو و خواهی نخواهی اوراقِ پراکنده
به شیرازه بستنِ نبرد - چه مایه شرمندگی ست درین جهان بادیمودن
و در آن گیتی گسسته دم بودن - حسن را نظرِ لرزه رنک و روانِ آسائی
بوی و نشستِ کرشمه و انگیزِ اقدام و درازیِ مزه و کوتاهیِ نگاه و راستی
بالا و کژیِ خوی و دم‌سردیِ وفا و خون‌گرمیِ جفا و دلربایی
اتفاقات و جان‌گزائیِ تغافل و سبکخیزیِ سپهر و گرانبائیِ کین و نکوئی
روی و زشتیِ گمان و توانائیِ دل و نازکیِ میانِ مسلم - سخن را دوشیزگی
نهاد و پاکیزگیِ گوهر و برشتگیِ مضمون و گداختگیِ نفس و چاشنیِ سیاس
و نمکِ شکوه و نشاطِ نغمه و اندوهِ شبنم و روائیِ کار و رسائیِ بار و پرده
کشائیِ راز و جلوه فروشیِ نوید و سازگاریِ آفرین و دلخراشیِ نکوهش و
همواریِ صلا و درشتیِ دورباش و گزارشِ وعده و سپارشِ پیام و بارِ فاسد
بزم و هنگامه رزم حاصل ، اما من و ایمانِ من که به ولادیدِ یگانه بینان
سپه‌کشی که سیاه و سپید را وجود و پلاس و پرنیان را تار و بود
نیافته اند ، این به چراغانِ دلِ پروانه و آن به بهارانِ زیرِ بالِ بلبل ماند -
اشیاءِ صورِ علمیه حق اند و الوانِ نگارِ یالِ عنقا - به نقشهایِ از

رگِ کلک فرو نریخته نقاش را صد رنگ پرده دری ست و نواهایی از ساز
 بدو نواخته مطرب را هزار پرده وامشگری - هرچه از پرده گفت بالِ هویدائی
 زنده جنبشِ موجِ شعلاست و هرچه از آئینه دهد جلوه انگیزده گردشی
 فانوسِ خیال - سبک مغزانی که به باد آویخته اند از گفتار جز گفتار
 چه دریافته و گرانجانان که به هستی اشیاء هستو شده اند، از سمراد
 جز سمراد چه وانگاشته، چنانکه پرده سنج این سوز و ساز،
 خداوند گلشنِ راز فرماید :

بیت :

هر آنکس را که اندر دل شکسته نیست

ببیند داند که هستی جز یک نیست

هله هان، صد اقیه چاه گرد آور نامه سیاه، ای به کشش تیره و
 به دانش تباہ! چاه گذاشتن دل در نبرد کردن کشانِ هوا و دامن به
 دندان گرفتنِ خود در پیکارِ زور آورانِ هوس نه کم اندوه و اندک
 تشویرِ ست که به حلقه ماتم نشسته این مصیبت نشاءِ کارِ دیگر در
 خود آهنگد و چشم بر پشت پا دوخته این خجالت سر برداشتن از زانو سنجد
 و این که اشارت به کارنامه مینوست و آن رنگارنگ آرزوهای هرزه خون
 گشته تن پروازانی ست که به گهی از سرمایه کاسرانی بی برگ و نوا، مشتبه
 به فرمانِ تهیدستی پا به گل و گروهِ به امید پاداش سر به هوا بوده
 اند، مزدِ حسرتیانِ دنیا که عبارت از عنکبوتِ جاه است و آن گوناگون
 نقشهای به گزاف انگیخته بی خبرانی ست که سراب را محیطی و هیچ را
 به همگی برگرفته، بی سواره و خاشاک با هم در گرفته اند - مقتِ کثرتیان
 خیالی در نظر خون کردن و گلستان نامیدن، عبارتی از وهنِ وهم
 برانگیختن و آسمان نقش بستن -

از معنی به صورت آیم و به مذاق آشکارا برستان بوزش گزار - به
 بادافراغ این شوخ چشمی که به ستودن خویش در حاسدازاری دلیری
 کرده خونها در دل و عقده‌ها بر لب افکنده ام - سخن را در حق خویش
 به پستی در افکنم، تا آموزگارانه فطرت را گوش‌تای داده باشم - لغتی
 خرف ریز به ریمان کشیدن و سلک گوهر شهبوار شمردن، مشتے ئے باره به دمه
 دم برافروختن و خود را هر به آدرکده پارس دانستن، بوریا بافتن و به
 دیبا طرازی نام برآوردن، سنگ آسیا آردن و آواز الماس تواشی الکتدن
 روا بوده کدام دستور و باز نموده کدام فرهنگ است؟ اے آزاده آز
 گرفتار و اے فروخته نشیب لایخ پنداره، اے مسلمان زاده کافر ماجرا و اے
 شایسته نفث و بوریا، اے به زبان جهان جهان شور و غریو و اے به دل
 یک اهرمستان رنگ و ربو، دلت از تاب ناروا اندیشه‌ها خون و زیانت به
 کبیر بر سر گفتارها از قفا بیرون بام - فریم دمی که هنگام را گنجانی
 خرد الفخیدن نیست و به پوستین باران افی که هنگامه روانی سرسجیدن
 ندارد - آخر نه از تست در به روی هوس فراز کردن و دیده به دانست
 نوبش باز کردن، راه دانش و داد سپردن و روزگار به آراستن خواها
 و کاستی آرزوها بسربردن - با خویش درافت و باخلق میاویز - به کفج
 تنهائی بنشین و از سر انجمن آرائی برخیز -

فرد:

زِ الْاَدَمِ زَن و تَسْلِمِ لَاشُو

بِکُوْا الله و بِرَقِ مَا سِوَا شُو

اندیشه نسجد و گمان نسکالد که غالب از دانش بر بهره به دسته
 بستی این گلهای خرزهر آهنگ خود آرائی و انداز انگشت نمائی دارد
 بلکه خون گرمی ابرام والا برادر، صد ره از جان گراسی تر، به مهر ایر

گوهر بار، و به خشم آتش بے زلفا، تقویٰ پیشه سروری بستکه، راستی اندیشه
 کج کلاه، به ورع پیشگی از جفید و شبلی خرقه سیاب و به
 کجکلهی روکشی کیخسرو و افراسیاب، پرویز بزم، قهقطن رزم، مهر
 جمال، مشتری خصال، بهشتی روه، بهاران خوی، جفا گسل و فایولده،
 دوست کشای دشمن بند -

مثنوی

به نیرو سرکشان را بنجد برتاب
 به دانش صاحب آثار فرتاب
 نظر پروانه شمع جمالش
 تماشا بلبل باغ خیالش
 نگاهش سالک در دل دودن
 دلش مجذوب بار دل کشیدن
 دل و جان تمنا جلوه گاهش
 هجوم آرزوها گرد راهش
 خطش عنوان نگار خویش
 لبش فرهنگ دان بدله گوئی
 به همت دهر گلش ساز ابرے
 به سطوت سپهر روزن کن هزارے
 نهادش را ز والای نشانها
 زبانش را ز دانائی بیانها

خیابانِ نکوئی را نهالے

بیابانِ شگوفی را غزالے

به دریایِ محبت برے بها در

امین الدین احمد خان بهادر

آنکه پارسانی را در سرشتش از استواری آن پاه که باچون منے
عمرها از بکدلی بکروی بوده و هیچ گاه در حلقهٔ رسوائی من و خلوتِ
برنائی خویش لب به می نیالوده - آنکه سپهرش از دل نشینی در نهادم
بدان مایه که اگر به شایستگی رونمایش مسلم نداشتے، جان را گرامی
نپنداشتے، مرا بر این کار داشته و همت را به پند دوزی این کهن دلق
گماشته است -

رنگها از حجلتِ این خودنمایی به روشکسته را دیدن برناید ،
و تنگهای از قبولِ این رسوائی به خود بازسته را شنیدن در نیاید ، نه
بدان معنی که از سبکمایگی کالا خواری میکشم ، بلکه چون متاعم
بابِ این قلعه نیست ، از گرانیِ خاطرِ احباب شرمساری میکشم - آری،
چرا چنین نباشد که شخصی استعدادِ مرا پیرایهٔ نازشی فضی و تشریف وجود
مرا سرمایهٔ پرازشی کمالے نیست ، نه ثرائهٔ صرف و اشتقاق بر اب است
و نه زمزمهٔ سلب و ایجاب بر زبان - نه خونِ حرام به گردن است و نه
لعلِ قاموس پر دوش - نه آبله پایی جادهٔ صنائع و نه گوهر آبی رشتهٔ
بدائع - کبابِ گرمی آتشی بر دودِ پارسیم و خرابِ تلخی بادهٔ بر زور
معنی - آتشکدهٔ ناؤسیان عجم را سندریم، سوز من هم از من پرس و گلزار
نخلبدانِ پارس را بلبلیم، شور من هم از من جوی - سبزه دمانده ابراست
و گل فشانده باد - چیدن و دسته بستن کمینه صنعت است و باران پیشه‌ور

ع

دیباچه غالب

اند - آرمه، بیکار نشاید زیست - نفس در شراره کاشتن است و زبان در زیانه
دروتن - در گرفتن و هم از خود مایه بر گرفتن شگرف حالت است و ما
اندرین هنگامه ایم ، یعنی از ذوق می توان مرد -

فرد :

در قه هر حرف، غالب، چیده ام میخانه
تا ز دیوانم که سرمست سخن خواهد شدن

غزلیات



++(۱)++

اے بہ خلا و ملا خُوی تو ہنگامہ زار
ہامہ درگفتگو، ہمہ با مساجرا

شاہدِ حسنِ سرا در روشِ دلبری
مُطرۂ ہر حَمِ صفات، مسویِ میانِ ماسوا

دینہ و روانِ را گند دیدِ تو بینشِ فزون
از نگہ تیز رو گشتہ نگہ توتیا

آبِ نبختی بہ زور، خونِ سکندر ہدر
جانِ نپذیری بہ هیچ، تقدِ خیرِ ناراوا

ہزمِ سرا شمع و شگلِ خستگیِ بوتواب
سازِ سرا زہر و ہمِ واقعہ کسریلا

لکبتیانِ ترا قافله بی آب و نان
نعتیانِ ترا مائدہ بی اشتہا

گرمیِ نبضِ کسی گز تو بہ دل داشت سوز
سوخته در مغزِ خاک ریشہ دارو گیا

مصرفِ زہرِ مستم دادہ بہ یادِ تو ام
سبز بود جایِ من در دھنِ اژدھا

کم شعرِ گریہ ام زانکہ بہ علمِ ازل
بودہ درین جویِ آبِ گردشِ ہفت آسیا

سادہ ز علم و عمل بہرِ تو ورزیدہ ایم
بستی ما ہایدار، ہادۂ ما ناستا

خُلد بہ غالبِ مہار زانکہ بدانِ روضہ در
نیک بود عندلیب، خاصہ نو آئینِ نوا

(بین ۲۹ ستمبر ۱۸۳۷ء/۲۸ جمادی الثانی

۱۲۵۳ھ و ۲۱ جنوری ۱۸۳۸ء/

۲۲ شوال ۱۲۵۳ھ)

تعالی الله به رحمت شاد کردن بیگناهان را
خجل نهند آرزیم کرم بدستگاهان را

خوبی شرم گنه در پیشگاه رحمت عامت
سهیل و زهره افشاند زسیما رویاهان را

ز به دردت که بایک عالم آشوب چگرخانی
دود در دل گدایان را و دوسر پادشاهان را

به حرفی حلقه در گوش الکنی آزاد مردان را
به خوابی مغز در شور آوری بالین پناهان را

ز شوق بی قراری آرزو خارا نپاهان را
به بزم لای خواری آبرو پرویز جاهان را

به داغ شادم اما زین خجالت چون برون آیم
که رشکم در جیم افکند خلد آواکاهان را

به دلها ریختی یکسر شکست، هم ز بزدان دان
که لغتی بر خم زلف و گله زد کجکلاهان را

بنازم خوبی خون گرم محبوبی که درستی
نمکد ریش از مکیدن زبانی عذر خواهان را

به می آرایش جانها بدان مافد که ناگاهان
گذر بر چشمه افتد تشنه لب گم کرده راهان را

ز جورش داوری بردم به دیوان، لیک زین غافل
 که سعی و شکم از خاطر برد نامش گواهان را
 گسست تار و بود پرده ناموس را نازم
 که دام و غیبت نقاره شد رسوا نگاهان را
 نشاط هستی حق دارد از سرگ ایمنم غالب
 چراغم چون گل آشامد نسیم صبحگاهان را

(قبل از ۲۹ ستمبر ۱۸۳۷ء / ۲۸ جمادی الثانی
 ۱۲۵۳هـ)

خاموشی ما گشت بدآموز بتان را
 زین بیش و گرنه اثری بود فغان را
 منت کشی تاثر و لثائم که آخر
 این شیوه عیان ساخت عیار دگران را
 در طبع بهار این همه آشفتنگی از چیست
 گوئی که دل از بیم تو خون گشته خزان را
 موئی که برون نامده باشد چه نماید
 بیوده در اندام تو جستیم میان را

طاقت نتوانست به هنگامه طری شد
 دادیم به دستِ غمت از ناله عنان را
 تا شاهدِ رازت به خموشی شده رسوا
 چون برده به رخسار فرو هشت بیان را
 در مشربِ یداد تو خونم می تابست
 کز ذوق به خمیازه در افکند کمان را
 بر طاعتیان فرخ و بر عشرتیان سهل
 نازم شبِ آدینه ماهِ رمضان را
 اینک زده‌ام بالِ تلافی ز دو مصرع
 تا مسژده معراج دهم سعی بیان را
 زبانی که فرو رفته به دل پیرو جوان را
 مژگان تو جوهر بود آئینه جان را
 وا داشت سگِ کوی تو زین حد نشناسی
 در پای تو می خواستم الشانده روان را
 بر تربتم از نعلِ قدرت جلوه فروبار
 تا خاک گند نویر ازان‌های نشان را
 جستیم چرخِ چمنِ خلد به مستی
 در تگرزِ خرام تو ره افتاد گمان را
 ای خاکِ درت قبله جان و دلِ غالب
 (ق) کز لیش تو پیرایه هستیست جهان را

تا نام تو شیرینی جان داده به گفتن
درخویش فرو برده دل از بهر زبان را

بر آفت تو دوزخ جاوید حراست
حاشا که شفاعت نکنی سوختگان را

(قبل از ۲۹ - ستمبر ۱۸۳۷/۶ - جمادی الثانی
۱۲۵۳ هـ)

++++++

چون عذار خویش دارد نامه اعمال ما
ساده برکار قسراوان شرم اندک سالی ما

میل ما سوی وی و میلش به سوی چون خودیست
آرد از خود رفتنش تا که به استقبال ما

حالی ما از غیر می برمی و منت می بریم
آگهی یارے که آکه نیستی از حالی ما

عیش و غم در دل نمی استد خوشا آزادی
باده و خونا به یکسانست در غریبالی ما

نقشی ما در خاطر یاران درم صورت گرفت
بسکه رو درهم کشید آئینه از تمثال ما

بیشتر سازید و بگدازید هر جا تیشه ایست
 خونِ گرمِ کوهکن دارد رگِ قفالی ما
 ما همایِ گرمِ پروازیم فیض از ما مجو
 سایه همچون دُود بالا میرود از بالِ ما
 خضر و دوسر چشمه حیوان فروغلتیدنش
 لغزشِ پائیت کش رو داده در دنیای ما
 خاک را از ابر ادرارِ معین داده اند
 بے می پارینه بر ما رانده اند اسبالی ما
 با چنین گنجینه اوزد اژدهای همچین
 حلقه بر گردِ دلِ ما زد زبانِ لالی ما
 جانِ غالب تابِ گفتارِے گمان داری هنوز
 سخت بیدردی که می برسی ز ما احوالِ ما

(قبل از ۲۹ ستمبر ۱۸۳۷ء/ ۲۸ جمادی الثانی

(۱۲۵۳ھ)

++++

گر یانی مست ناکه از در گلزار ما
شکل ز بالیدن رسد تا گوشه دستار ما

وحشته در طالع کاشانه ما دیده است
می برد چون رنگ از رخ سایه از دیوار ما

گوشه گیرانیم و محو پای ناموس خودیم
آبروی ما گداز جوهر رفتار ما

خسته عجزیم و از ما جز گنه مقبول نیست
تکیه دارد بر شکست قویه استغفار ما

سخت جانیم و قماش خاطر ما نازکست
کارگاه شیشه پنداری بود کسپار ما

میفزاید در سخن و نجی که بر دل می رسد -
طوطی آئینه ما می شود زنگار ما

از گداز یک جهان هستی صیوحی کرده ایم
آفتاب صبح محشر صاغیر سرشار ما

سرگزانیم از وفا و شرمساریم از جفا
آه از ناکامی سعی تو در آزار ما

چاک لا اندر گریبان جهات انگشته ایم
بے جهت بیرون خرام از پرده پندار ما

ذرّہ جز در روزِ دیوار لکشدوست بار
 جنسی بیتابی بدزدی برده از بازار ما
 از نیم باران نشاطِ گل بد آموز تو شد
 کریمه ابر بهاری کرده آبی کار ما
 غالب از صہبای اخلاقِ ظہوری سرخوشیم
 ہارے بیش است از گفتارِ ما کردارِ ما

(قبل از ۲۹ ستمبر ۱۸۳۷ء/ ۲۸ جمادی الثانی
 ۱۲۵۳ھ)

من بینوم در عالمِ نشاطی کاسمان ما را
 چون نور از چشمِ نابینا ز ما غرِ وقت صہبا را
 مکن ناز و ادا چندین، دلے یستان و جانے ہم
 دماغِ نازکِ من بر نمی تابد تقاضا را
 سرابِ آتش از افسردگی چون شمعِ تصویرم
 فریبِ عشق بازی می دهم اہل تماشا را
 من و ذوقِ تماشا کیسے کز تابِ رخسارش
 جگر برتابہ چسبد آفتابِ عالم آرا را*

چه لب تشنه است خاکم کاستینِ گرد باد من
 جواشک از چهره از روی زمین برچید دریا را
 خالش را بساطی بهر پا انداز می جستم
 پسندیدم به مستی مخملِ خوابِ زلیخا را*

دلِ مایوس را تسکین به مردن میتوان دادن
 چه امید است آخرِ خضرو ادیس و مسیحا را

بهارانست و خاک از جلوه گن استلا دارد
 به رگ نشتر زن از موج خرامِ ناز صحرا را

سرو کارم بود با سائے کز تندِ خُوش
 نفس در سینه می لرزد ز موجِ باده مینا را

خطی بر هستی عالم کشیدیم از سرّ بستی
 ز خود رفتیم و هم باخویشتن بردیم دنیا را

دو آغوشِ تفاعلِ عرضِ یکرنگی (۱) توان دادن
 نمی تا میکنی پهلوی به ما بنموده جا را*

نمی رنجد که در دامِ تفاعل می تپد صیدش
 نمیدانم چه پیش آمد نگاهِ بے محابا را*

زمین گوئیست، کومجنون که من مردمِ زمینانش
 غبارم در نورد خود فرو پیچید صحرا را*

ازین بیگانگیها می تراود آشنائیها
 حیا می ورزد و در برده رسوا میکند مارا
 حذر از زمهریرِ سینه آسودگان غالب
 چه مثنیها که بر دل نیست جانِ ناشکیبا را

(قبل از ۱۸۳۹ء)

* اخذ قبل از ۱۸۳۸ء

(۱) 'معرض بیتانی' (کل و معنا)

~~~~~

بس از گشتن به خوابم دیدم ناظم بدگمانی را  
 به خود پیچید که همه دی خلط کردم لعلانی را  
 دلم بر رنج نابرداری فرهاد می سوزد  
 خداوندای بیامرز آن شهید امتحانی را  
 دریغ از حسرتِ دهندار، ورنه جای آن دارد  
 که بے رویت به دشمن داده باشم ژندگانی را  
 سرشتم را بیالودند تا سازند از لایش  
 بر پروانه و منقار مرغ بوستانی را  
 چو خود را ذره گویم، رنجد از حرفم، زه طالع  
 ز خود میداندم بیمهر، ناظم مهرانی را

به بایش جانفشاندن شرمسارم کرد، می دانم  
 که داند ارزشی نبود متاع رایگانی را  
 ندایت دیده دل، رسم آرایش مهرس ازم  
 خراب ذوق گلچینی چه داند باغبانی را  
 چه خیزد گر هوس گنج ایلم در دل افشاند  
 درین کشور روانی نیست نقدِ شادمانی را  
 نشاط لذت آزار را نازم که درستی  
 هلاکِ فتنه دارد ذوقِ مرگِ ناگهانی را  
 مهرس از ذوقِ نومیدی که دندان در دل افشردن  
 اساسِ محکمی باشد بهشتِ جاودانی را  
 براسر غمزه هایت لاجوردی بود و من عمری  
 به معشوقی برستمیدم بالای آسمانی را  
 بجز سوزنده اشکر تگل نه گنجد در گریانم  
 بد آسوزِ عتام، برنتابم مهربانی را  
 دلم معبود زودشست، غالب فاش می گویم  
 به خس یعنی قلم من داده ام آذر نشانی را

﴿۸﴾

محوکن نقشِ دوتی از ورقِ سینه ما  
 اے نگاهت الفِ صیقلِ آئینه ما  
 وقتِ تاراجِ غمِ تست، چه پیدا چه نهان  
 همچو رنگِ از رخِ ما رقتِ دل از سینه ما  
 چه تماشا است ز خود رفته خورشیدِ بودن  
 صورتِ ما شده عکسِ تو در آئینه ما  
 عرصه برافتنِ الحیار چه تنگ آمده است  
 خوش فرو رفته بطبعِ تو خوشا کینه ما  
 محتشم زاده اطرافِ بساطِ عذیم  
 گوهر از بیضه غنقاست به گنجینه ما  
 نیست مستانِ ترا تفرقه بدر و هلال  
 باده مهتاب بود در شبِ آدینه ما  
 غالب اشپ همه انداز چکیدن دارد  
 خونِ دل بود مگر باده دوشینه ما؟

++(۹)++

سوزِ عشقِ تو پس از مرگ هیانست مرا  
رشته شمع سزار از رگِ جانست مرا

می نکتجم ز طرب در شکنِ خلوتِ خویش  
حلقه بزم که چشمِ نگرانست مرا

هر خراشِ که ز رشکِ تنم افتد بر دل  
در سپاسِ دمِ تسبیحِ تو زیانست مرا

دل خود از تست و هم از ذوقِ خریداری تست  
این همه بحث که در سود و زیانست مرا

جوئی از باده و جوئی ز عسل دارد خلد  
لبِ لعلِ تو هم این است و هم آنست مرا

چون بری زاد که در شیشه سرودش آرند  
رویِ خوبت به دل از دیده نهانست مرا

به نگ و تا ز من الزود گشتن یکنست  
در رخت رشته امید عنانست مرا

بیخودی کرده سبکدوش، فراحه دارم  
کوه اندوه رگِ خوابِ گرانست مرا

خارها از اثرِ گرمیِ رفتارم سوخت  
منتی بر قدمِ راه روانست مرا



و هر روز تفتند در رفته به آیم غالب  
توشت بر لب جو مانده نشانت مرا

(قبل از ۲۹ ستمبر ۱۸۳۷/۲۸ جمادی الثانی  
۱۲۵۳ هـ)

### ۱۰

آشنا پانده کشد خارِ رخت داسی ما  
کوئی این بود ازین پیش به پیرامی ما  
بر تو چون باده که در شیشه هم از شیشه جداست  
نبود آمیزش جان در تنی ما با تنی ما  
سایه و چشمه به صحرا دم عیشی دارد  
اگر اندیشه منزل نشود رهزنی ما  
تا رود شکوه تیغِ ستم آسان از دل  
بخیه بر زخم پیرشان فتد از سوزنی ما  
دوست با کینه ما مهرِ نهان می ورزد  
خود ز رشکست اگر دل برد از دشمنی ما  
می پرد سوره مگر جان سلامت ببرد  
تا چه بر قست که شد نامزدِ خرمی ما

دعوی عشق ز ما کیست که باور نکند  
 می جهد خون دل ما ز رگ گردن ما  
 سخی ما ز لطافت نذربرد تحریر  
 نشود گرد نمایان ز دم توسن ما  
 طوطیان را نه بود هرزه جگرگون متعار  
 خورد خون جگر از رشک سخن گفتن ما  
 ما نبودیم بیدین سرتبه راضی غالب  
 شعر خود خواهش آن کرد که گردد فن ما

(قبل از ۲۹ ستمبر ۱۸۳۷ء/ ۲۸ جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳هـ)

### ﴿۱۱﴾

نفس ز خود به راهگذر بسته ایم ما  
 بر دوست راه ذوق نظر بسته ایم ما  
 با بنده خود این همه سختی نمی کنند  
 خود را به زور بر تو مگر بسته ایم ما؟  
 دل شکن و دماغ و دل خود نگه دار  
 کاین خود طلسم دود و شرر بسته ایم ما

بر روی حاسدان در دوزخ کشوده رشک  
 از بهر خویش جنت در بسته ایم ما  
 فرمانِ درد تا چه روانی گرفته است  
 صد جا چو نه به ناله کمر بسته ایم ما  
 سوز ترا روان همه در خویشتن گرفت  
 از داغ تهنیتی به جگر بسته ایم ما  
 گوئی وفا ندارد اثر، هم به ما گرای  
 زین سادگی که دل به اثر بسته ایم ما  
 تا در وداع خویش چه خون در جگر کنیم  
 از کسوی دوست رختِ سفر بسته ایم ما  
 هر جاست ناله، همتِ ما حق گزارِ اوست  
 حرزِ به بالِ مرغِ محروم بسته ایم ما  
 از خوانِ نعلی غالب شیرین بُوَد  
 کاین مایه زلّه های شکر بسته ایم ما

✱ ✱ ✱

در گردِ غربت      آینه دارِ خودیم      ما  
یعنی      ز یکسانِ دیارِ خودیم      ما

دیگر ز سازِ یخودیِ ما جدا مجوی  
آوازی از گسستنِ تارِ خودیم ما

از بسکه خاطرِ عوسِ تنگل عزیز بود  
خون گشته ایم و باغ و بهار خودیم ما

ما جمله وقت خویش و دلِ ما زما پُست  
گوئی هجومِ حسرتِ کارِ خودیم ما

از جوشی نظره هیچو سرشک آب گشته اہم  
اما همان بہ جیب و کنار خودیم ما

مشتی آبشار ماست پراگنده سو سو  
یا زب بدهر در چه شمار خودیم ما

ما چون توئی معامله برخویش منت است  
از شکوه تو شکرگزار خودیم ما

روزي سپاه خویش ز خود هم نهفته ایم  
شمع خاموش کلبه تار خودیم ما

دروکار باست ناله و ما در هوای او  
پروانه چراغ مزار خودیم ما

خاک وجود ماست بخونِ جگر خیر  
 رنگینی قشایی غبارِ خودیم ما  
 هر کس خیر ز حوصله خویش می دهد  
 بدستی حریف و خمارِ خودیم ما  
 تارِ نگارِ پروِ ما ملکِ گوهر است  
 رفتارِ پایِ آبله دارِ خودیم ما  
 غالب چو شخص و عکس در آئینه خیال  
 با خویشیِ یکے و دوچارِ خودیم ما

(قبل از ۲۹ - ستمبر ۱۳۳۷ / ۱۸ / ۶ / جمادی الثانی  
 ۱۳۵۳ هـ)

۱۳۳۷

به شغلِ انتظارِ مهوشان در خلوتِ شبها  
 سرِ تارِ نظر شد رشته تسمیحِ کواکبها  
 برویِ برگِ گل تا قطره شبنم نه پنداری  
 بهار از حسرتِ فرصت به دندان می گزد لبها  
 به خلوتخانه کامِ نهنک لا زدم خود را  
 ستوه آمد دل از هنکاه غوغایِ مطلبها

گندِ گر فکرِ تعمیرِ خرابیهایی ما گردون .  
نیاید خشت مثالی استخوان بیرون زقالیها

خوشا بیرنگیِ دل دستگاهِ شوق را نازم  
نمی‌بالد بخویش این قطره از طوفانِ مشربها\*

(۱) ندارد حسن در هر حال از مشاطگی غفلت  
بود ته بندیِ خط سبزه خط در ته لبها\*

خوشا رندی و جوش زنده‌رود و مشربِ عذش  
به لب خشکی چه میری در سراپستانِ مذهبها\*

تو خوی پنداری و دانی که جان بر دم، نیدانی  
که آتش در نهادم آب شد از گرمی تبها\*

می‌ادا همچو تارِ سبزه از هم بگسلد، غالب  
نفس با این ضعیفی برکتابد شورِ یاربها

(قبل از ۱۸۲۹/۶، جمادی‌الثانی ۱۲۵۳ هـ)

\*انالله قبل از جولائی ۱۸۳۸ م

(۱) "ندارد حسن از مشاطگی‌های خودش

غفلت" (گل و معنا)

✽✽✽

همن از عمری که فرسودم بمشقی یارسانیا  
گدا گشت و بن تن درنداد از خود نمائیا

لغان زان پلهوس برکش محبت پیشه کش، کزمن  
رَهاپد حرف و آموزد به دشمن آشنائیا

بت مشکل پسند از اقبال شیوه میرنجد  
پکونیدش که از عمرست آخر بیوائیا

نشد روزی که سازم طره اجزای گریان را  
به دشم جا کها چون شانه مائد از ناروائیا

نیرزم اثفات دزد و رهن، بی نیازی بین  
متاعم را بفارت داده اند از ناروائیا

بروزِ رستخیز از جنبشِ خاکم بر آشوبی  
تو و یزدان، چه سازد کس بدین صبر آزمائیا؟

کدوئی چون زنی یام چنان برخوشتن بالم  
که پندارم سر آمد روزگارِ بینوائیا

چه خوش باشد دوشاهد را به بحثِ تازِ پیچیدن  
نگه در تکتِه زائیا، نفس در سمره سائیا

سخن کوتاه سراهم دل بتقوی مائلست، اما  
ز رنگ زاهد افتادم به کالرماجرئیا

نرنجم، گر بصورت از گدایان بوده ام، غالب  
به دارالملک معنی می کنم سرمانروائیها

(قبل از ۲۹ ستمبر ۱۸۳۷ء/ ۲۸ جمادی الثانی  
۱۲۵۳هـ)

### +++++۱۵+++++

جان بر تابد اے دل هنگامه ستم را  
از سینه ریز برون مانند تیغ دم را  
از وحشت بروم بگر غم درونم  
آمیزی غریبه باشد بهوش دم را  
گویند می نویسد قاتل برای خیرے  
با ربه شکسته باشد بر نام ما قلم را  
بے وجه در رخت نیست از پائادان من  
بر دیده می نشانم در هر قدم قدم را  
سوگند گشتم خورد از حصه جان سپردم  
کردم ز بے نیازی خون در جگر قسم را  
در نامه تا نبستی بر من نوید قتلے  
در دل چو جوهر تیغ جاداده ام رتم را



بیدادگر ندارد سرمایه تواضع  
 تیغت به رسم یغما از ما ربوده خم را  
 کاشانه گشت ویران، ویرانه دلکشاتر  
 دیوار و در سازد زندانیانِ غم را  
 مانند خارزارے کاشی زنند دروے  
 سوزد ز بیمِ خُویت اجزایِ ناله هم را  
 در مشربِ حریفانِ منعست خودنمایی  
 بنکر که چون سَکندر آئینه نِیسِ جم را  
 زاهد مفاوِ چندین، وَنارمِ ار گسستی  
 از جیبِ ام ندزدد کسِ سجده صمیم را  
 اشکے ندانند باقی از فرطِ گریه، غالب  
 سیلے رسید و کوئی از دیده شست نم را

++۱۹++

من آن نیم که ذکر میتوان فریفت مرا  
 فریمنی که مگر میتوان فریفت مرا  
 به حرب ذوقی نگه میتوان رهود مرا  
 به وهم تاپ کسر میتوان فریفت مرا  
 ز ذکر میل به گمان میتوان نکند مرا  
 ز شاخ گل به تمر میتوان فریفت مرا  
 ز درد دل که به اساله درمیان آید  
 به نیم جنبشی سر میتوان فریفت مرا  
 ز سوز دل که به وا گوید بر زبان گذرد  
 به یک دو حرب حقار میتوان فریفت مرا  
 من و فریفتگی، هرگز آن محال اندیش  
 چرا فریفت، اگر میتوان فریفت مرا  
 خدنگ جز به گرایش کشاد نپذیرد  
 ازو به زخم جگر میتوان فریفت مرا  
 ز باز نماندن نامه بر خوسم که هنوز  
 به آرزوی خبر میتوان فریفت مرا  
 شب فراق ندارد سحر، ولی یک چند  
 به گفتگوی سحر، میتوان فریفت مرا  
 نشان دوست ندانم چیز اینکه پرده درست  
 ز در به روزی در میتوان فریفت مرا  
 گشته چشم اثر نیستم که در ره دهد  
 به کیمیای نظر میتوان فریفت مرا

سروش من بُود این، ورنه آن نیم غالب  
که از وفا به اثر میتوان گرفت مرا

(قبل از ۹۹ بهمنبر ۱۲۸۳/۴/۵ هجری قمری)  
(۱۲۵۳ هجری قمری)

### ۱۷۰۰

زمن اگر نه بُود باور انتظار یا  
بِهانه جوی مباحث و ستیزه کار یا  
به یک دوشویه ستم دل نمیشود خرسند  
به مرگی من که به سامان روزگار یا  
بِهانه جوست در الزام مدعی شوق  
یکے به رغم دل ناسمیدوار یا  
هلاکِ شیوه تمکین بخواهستان را  
عنان گسسته تر از بادِ نوبهار یا  
ز ما گسستی و بادِ یکران گروستی  
یا که عهد وفا نیست استوار یا  
وداع و وصل جداگانه لذتے دارد  
هزار بار برو صد هزار بار یا  
تو طفلِ ساده دل و همشین به آموزش  
جنازه گور نتوان دید، بر مزار یا

فریب خورده لازم، چها نمیخواهم  
 یکے به بُرشی جانِ امیدوار یا  
 ز خویِ تست نهادِ شکبِ نازک تر  
 یا که دست و دلم میروود ز کار یا  
 رواجِ صومعه عسیت زینهار مرو  
 متاعِ میکنده مستیت هوشیار یا  
 حصارِ عافیه گر هوس کنی غالب  
 چو ما به حلقه رندان خاکسار یا

(قبل از ۲۹ سپتامبر ۱۸۳۳/۶۱ جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳ هـ)

### ۱۸

چون به قاصد بنهرم پیغام را  
 و شک نگذارد که گویم نام را  
 کشته در تاریکیِ روزم نهدان  
 کو چراغی تا بجویم شام را  
 آن نیم باید که چون رازم به جام  
 زورِ می در گردشِ آرد جام را  
 بنگاهم بپر دهر از من مرنج  
 من به مستی بسته ام احرام را

از دلِ تست آنچه بر من می‌رود  
 می‌شناسم سختی آیام را  
 تا نیفتد هر که تن پرور بود  
 خوش بود گر دانه نبود دام را  
 بسکه ایمانم به غیب است استوار  
 از دهانِ دوست خواهم کلام را  
 ما کجا و او چه سودا در سرست  
 ذره‌های آفتاب آشام را  
 رحمتِ عام است دائم خاص را  
 عشرتِ خاص است هر دم عام را  
 دستان درخشم و غالب بومه جوی  
 شوق نشناسد همی هنگام را

(قبل از ۲۹ اپریل ۱۲۸۳/۴۹ ربيع الاوله  
 ۱۲۵۹ هـ)

﴿۱۹﴾

در حجر طرب پیش کند تاب و تبم را  
 سہناب کتب مار سیاہست شبم را  
 آوِخ کہ چمن جستم و گردون عوض گل  
 در دامن من ریختہ پایِ طلبم را  
 ساز و قلع و نغمہ و صہبا ہمہ آتش  
 یابی ز سندر یہ بزمِ طربم را  
 در دل بہ اٹھائی قدمبوسِ تو شورست  
 شوقِ چہ اٹک دادہ مذاقِ ادبم را  
 از لذتِ بیدارِ تو فارغِ نتوان زیست  
 دربابِ عیارِ گلہ بے سببم را  
 ترسم کہ دھد نالہ جگر را بہ دریدن  
 قطعِ نظر از جیبِ بدوزید لبم را  
 از نالہ بہ تبسم بند اے دوست سرانگشت  
 مانند نے اندرِ ستخوان جوی تبم را  
 سالی بہ نمے کز قلع بادہ چکانی  
 بر خلد بخندان لبِ کوثرِ طلبم را  
 در من ہوسِ بادہ طبعیست کہ غالب  
 پھانہ بہ جمشید رساند نسیم را

+++++۲۰+++++

بر نمی آید ز چشم از جوش حیرانی مرا  
 شد نگه زَنابَر تسبیح سلیمانی مرا  
 دامن افشاندم به جیب و مانده در بندِ تنم  
 وحشتی کو تا برون آرد ز عربانی مرا  
 وه که بیش از من بهایوسِ کسی خواهد رسید  
 سجدۀ شوقی که میباید به پیشانی مرا  
 همچین بیکانه زی با من، دل و جانِ کسی  
 بد گمان کردم اگر دانم که میدانی مرا  
 با همه خرمندی از وی شکوه‌ها دارم همی  
 تا ندانم حیدِ پرششهای پنهانی مرا  
 بر نیایم با روانیهایی طبعِ خویشتن  
 موج آب گوهرِ من کرده طوفانی مرا  
 تا براهت مردم و بکوه بخاکم نامدی  
 دوزخِ کرده اندوهِ پشیمانی مرا  
 خویشتن چون موج گوهر گرچه گردد آورده ام  
 دل برآست از ذوقِ اندازِ پُرافشانی مرا  
 تشنه لب بر ساحلِ دریا ز غیرت جان دهم  
 گر بسوج اند گمانِ چینِ پیشانی مرا

با سراج الدینی احمد چاره جز تسلیم نیست  
ورنه غالب، نیست آهنگ غزلخوانی مرا (۱)

(قبل از ۲۹ شهریور ۱۲۸۳/۴ جمادی الثانی

۱۲۵۳)

(۱) "ورنه غالب میگذرد ذوق غزلخوانی

مرا" (گل رعنا): جنوری ۱۳۰۸، ص ۵ مرع.

++\*++

از و هم قطر گیت که در خود گیم ما  
اما چو واریم همان قلزم ما  
در خاک از هوای گل و شمع فارغیم  
از تویی تو طالب نقشی نسیم ما  
تمکین ما ز چرخ سبک بر بیاد رفت  
خوش دستگیر انجمن انجیم ما  
مردم به کینه تشنه خون هند و پس  
خون می خوریم، چون هم ازین مردم ما  
از حد گشت شعله دستار و ریش شیخ  
حیران این درازی یال و نسیم ما  
دست زما بشوی مسیحا که زیر خاک  
آب از لب نهیب صدای نسیم ما



پنهان به عالمیم ز بس عینِ عالمیم  
 چون قطره در روانی دریا گمیم ما  
 ما را مدد زلفی ظهوری است در سخن  
 چون جامِ باده راقبه خوارِ خیم ما  
 غالب ز هند نیست توانی که میکشم  
 گوئی ز اسفهان و هرات و قسیم ما

(قبل از ۲۹ شهریور ۱۲۸۳/۶/۲۸ جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳ هـ)

### ++(۲۲)++

به گیتی شد عیان از شیوه عجزِ اضطرارِ ما  
 ز پشتِ دستِ ما باشد قماشِ رویِ کارِ ما  
 به بیمِ الکنده می را چاره رنجِ خمارِ ما  
 قدحِ بر خویش می لرزد ز دستِ رعشه دارِ ما  
 خوشا جانے که اندوه فرو گیرد سراپایش  
 ز نویدی توان پرسید لطفِ انتظارِ ما  
 نشستن بر سرِ راهِ تحیرِ عالمی دارد  
 که هر کس می رود از خویش می گردد دوچارِ ما  
 چو بویِ گل جنونِ تازیم از مستی چه می برسی  
 گسستن دارد از حدِ جا عنانِ اختیارِ ما

فرورد هر قدر رنگِ گل، افزاید تب و تابش  
 کبابِ آتشِ خویش است پنداری بهارِ ما  
 حریفانِ شورشِ عشقِ ترا بے پرده دیدندے  
 بدا ما گو نه گشتے موسمِ گل پرده دارِ ما  
 هنوز از سستی چشمِ تو می بالد تماشائے  
 بوجِ بادِ مانندِ پرتوِ شمعِ مزارِ ما  
 بدین تمکینِ حریفِ دستبردِ ناله نتوان شد  
 بُود سنگِ فلاخنِ مرصدا را کوهسارِ ما  
 خوشا آوارگیِ گر در خوردِ شوقِ بر بندد  
 به تارِ دامنه شیرازه مشکبِ طیارِ ما  
 بدین یک آسمانِ دردانه می بینی، نمی بینی  
 که مایه نو شد از سودن کتبِ گوهر شمارِ ما  
 نهالِ شمع را بالیدن از کاهیدنست اینجا  
 گدازِ جوهرِ هستیست غالبِ آیارِ ما

++۲۳++

به پایانِ محبت یاد می آرم زبانی را  
 که دل عهد وفا تا هسته دایم دستانه را  
 فسونه کو که بر حالِ غریبه دل به درد آید  
 بد اندیشه به اندوه عزیزان شادمانه را  
 اجازت داد، پیشش یک دو حرف از دردِ دل گفتم  
 پس از دیرمی که برخود عرضه دادم داستانِ را  
 جهان هیچست باو، لاخرم زینها چه اندیشد  
 گوئیم کز فغانم دل زهم باشد جهانِ را  
 ندارم تاب غیبِ راز و می ترسم ز رسوائی  
 مگر جویم ز بهر همزبانی بیزمانی را  
 کشادشش از سستی ندارد دلشین تیرِ  
 مگر بر من گمارد آسمان زورِمن کمانی را  
 بیا در گلشنِ بختم که در هر گوشه بنایم  
 ز جوشِ لاله و گل در حنا پایِ خزانِ را  
 کمالِ دردِ دل اصلست در ترکیبِ انسانی  
 به خون آغشته اند اندرین هر سوی جانِ را  
 خورم خوف از تو یعد لیکن از زاری چه کم گردد  
 اگر شد زهره آب و بُرد اجزای فغانِ را



هر جاده که از قشربهی تست به گلشن  
چاکست به جیبِ هوس انداخته ما  
غالب مدم افسونِ اقامت که پلائیست  
دیوانه از بندِ برون تاخته ما

(قبل از ۲۹ - سپتامبر ۱۸۳۷/۲۸ جمادی الثانی  
۱۲۵۳ هـ)

### ++۲۵++

خوش وقتِ اسیری که برآمد هوسِ ما  
شد روزِ نخستین سبزه گلِ قفسِ ما  
سحاب نمکسار بُود باده ما را  
اے یسزه بے رویِ تو بزمِ هوسِ ما  
حیرت زده جلدوه نیرنگِ خیالیم  
آئینه مدارید به پیشِ نفسِ ما  
آوازه شرع از سرِ منصور بلند ست  
از شبِ رویِ ماست شکوهِ عسِیِ ما  
وقتست که خونِ جگر از درد بجوشد  
چندانکه چکد از سزه دادرِیِ ما  
اے یخبر از نیستی و ذوقِ فراغش  
در پیرهنِ ما بُود خار و خسیِ ما

در دهر فرو رفته لذت نتوان بود  
 بر قند نه بر شهد نشیند مگسِ ما  
 طولِ سفرِ شوق چه پرسی که درین راه  
 چون گردد فرو ریخت صدا از جرسِ ما  
 حورانِ بهشتی که ندارند گلایه  
 بر خویش فشانند گدازِ نفسِ ما  
 هر جا زم سنگیست، درآورده سرِ خویش  
 (ق) دریند برومندی نخلِ عوسِ ما  
 باشد که بدین سایه و سرچشمه گرایند  
 یارانِ عزیزانند گروهِ ز بسِ ما  
 خرومندیِ غالب نبود زین همه گفتن  
 یکبار بفرمای که ای هیچکسِ ما

(قبل از ۲۹ شهریور ۱۸۳۷/۲۸ جمادی الثانی)

(۸۱۲۵۳)

بیت ۵، 'از ناله' بجای 'از درده' (گل و عنقا)

آیهات ۱۰، ۱۱ (اضافه بین ۱۸۲۹/

۸۱۲۴۶ و ۱۸۳۷/۸۱۲۵۳)

✿✿✿✿✿

شکست رنگ تا رسوا سازد بقراران را  
جگر خونت از بیم نگاهت رازداران را

ز پیکانهای ناوک در دلِ گرمِ نشان نبود  
به ریگستان چه جوئی قطره های آبِ باران را

بود پیوسته پشتِ صبر بر کوه از گرانجانی  
چه السون خوانند در گوش دل امیدواران را

کتابِ خاکیم از ما بر نخیزد جز غبار اینجا  
فزون از صحرای نبود قیامت خاکساران را

به ترکِ جاه گو تا گردشی ایام بر خیزد  
که گلشنِ تاب دائم در نظر دارد بهاران را

در آ یخود بازی کاه اهل حسن تا بینی  
بروی شعله گرم شتی جولان نر سواران را

نگشت از سجدہ حق جیبہ زہاد نورانی  
چنان کا فروخت تاب بادہ روی بادہ خواران را

دوہج آکاہے کافر دگی گردد سرو و برگش  
ز مستی بہرہ جز غفلت نباشد ہوشیاران را

ز غیرت میگذارد در خجالت کیم تا کیم  
زبون دیدم ز دست شیشه سازان کوهساران را

برنجم غالب از ذوق سخن، خوش بودی آر بودی  
مرا لختی شکیب و بازه انصاف باران را

(قبل از ۲۹ - شهریور ۱۲۸۳/۱۲۸۴ جمادی الثانی  
۱۲۵۳ هـ)

== (۲۷) ==

سیردم دوزخ و آن داغهای سینه تابش را  
سرای بود در ره تشنه برقی عتابش را  
ز بیدائی حجاب جلوه سامان کردنش نازم  
کف صیاست گوئی پنبه مینای شراش را  
ندام تا چه برقی لته خواهد ریخت بر هوشم  
تصور کرده ام بگسستی بند نقابش را  
دم صبح بهار این مایه مدهوشی نمی ارزد  
صبا بر مغز دهر افشاندن گوئی رخت خوابش را  
سوادش داغ حیرانی عیارش عرض ویرانی  
جهان را دیدم و گردیدم آباد و خرابش را  
ز تاب تشنگی جان را نوید آبرو بخشم  
کند جذبه دریا شناسم سوچ آبش را  
زمن کز ریخودی در وصل رنگ از بوی نشاسم  
به هر یک شیوه نازش باز میخواید جوابش را



سوارِ نوسنِ نازیت و بر خاکم گذر دارد  
 ببال اے آرزو چندانکه دریایی رکابش را  
 شکایت نامه گفتم در نوردم تا روان گردد  
 همان در راهِ قاصد رخت و شکم بیج و تابش را  
 ندانم تا چسان از عهدهٔ دردش برون آیم  
 ز شادی جانِ بها گفتم متاعِ کم میابش را  
 ز خوبان جلو و ز مایخودان جان رونما خواهد  
 خریدارست ز انجم تا به شبنم آفتابش را  
 خیالش صیدِ دامِ بیج و تابِ شوق بود اما  
 من از مستی غلط کردم بشوخی اضطرابش را  
 به نظم و نثر مولانا ظهیری زنده ام غالب  
 رگِ جان کرده ام شیرازهٔ اوراقِ کتابش را

(قبل از ۲۹ شهریور ۱۲۸۳/۲۸ جمادی الثانی)

(۵۱۲۵۳)



۹۲۹

تهفت شوخی بی برده شورِ جنگش را  
 ز باده تندِ این باده بُرد رنگش را  
 کدام آینه با روی او مقابل شد  
 که بفراری جوهر بُرد زنگش را  
 چو غنچه جوشی صفای تنش ز بالیدن  
 دریده بر تنِ نازک قبايِ تنگش را  
 ز گرمی نفسش دل در اهتزاز آمد  
 شراوه شهیر پرواز گشت سنگش را  
 نظاره خطِ پشتِ لبش ز خویشم بُرد  
 ز باده نشسته فزون داده اند رنگش را  
 چه نغمه‌ها که به مرگم سرود، بندگان  
 ز رسته کفنم تار بود جنگش را  
 به حشر وعده دیدار کرده بیتابم  
 شتاب من به سرآرد مگر درنگش را  
 جگر نشانه نهم، بر خود اعتماد نیست  
 میاد دل به تپش رد کند خدنگش را  
 کشنده ایم به دیوانگی ز شوخی دوست  
 بگونه گونه ادا ناز رنگِ رنگش را

ز طربِ غالب آشفته گری نه‌ای آگه  
 نیاز ما به می تند هوش و هتکش را

(قبل از ۲۹ خرداد ۱۲۵۳، جمادی‌الثانی  
 ۱۲۵۳ هـ)

چهارم ۳۰

را از خویست از بدآموز تو می جوئیم ما  
 از تو می گوئیم گر با غیر می گوئیم ما  
 حشر مشتاقان همان بر صورتِ مژگان بود  
 مر ز خاکِ خویشن چون سبزه می روئیم ما  
 را ز عاشق از شکستِ رنگِ رسوا می شود  
 با وجودِ سخت جانیه‌ها تنگ روئیم ما  
 زین بهار آیین نگاهان بوی که بپذیرد بکس  
 عمرها شد رخ بخونِ دیده می شوئیم ما  
 آفتابِ عالم سر گشتگی‌های خودیم  
 تا به زانو سوده پای ما و می بوئیم ما  
 تا چها مجموعه لطفِ بهاران بوده ای  
 می رسد بوی تو از هر شکل که می بوئیم ما

زحمتِ احباب نتوان داد غالب بیش ازین  
هر چه می گوئیم بهر خوش می گوئیم ما

(قبل از ۲۹ - متعبر ۱۸۳۷/۶۸/۶۸ جمادی الثانی  
۱۲۵۳ هـ)

### ++(۳۱)++

اے روی تو به جلوه در آورد رنگ را  
نقشی تو تازه کرده بساط فرنگ را  
از ناله خیزی دل سخت تو در تیم  
در عطسه شرر منگن مفری سنگ را  
از عمر نوح غرض بُرد انتظار و تو  
در غرض شوق تاب نیاری درنگ را  
داشتم که در هوای سپردنِ کسیت  
در خون من ز ناز فرو برده جنگ را  
در بزم می به جام زسرد نخورده  
سجده به دشت جلوه داغ پلنگ را  
جوی کشاید شست ترا تا نمائده آب  
کاندازه آورد زخمِ خشم و جنگ را  
چون آهکنده به جگر در شکسته ام  
آن چشمه چشمه لذت زخمِ خدنگ را

در گوشه خزیده ز اندوه یکی  
 آن بر شکسته خلوت دلهای تنگ را  
 شوخی که خود ز نام وفا تنگ داشته  
 بر باد میدهد به وفا نام و تنگ را  
 غالب، ز عاشقی به ندیمی رسیده ام  
 نازم شگرف کاری بختِ دو رنگ را

(قبل از ۲۹ شهریور ۱۳۷۶/۵/۲۸ جمادی الثانی  
 ۱۳۵۳ هـ)

\*\*\* (۳۲) \*\*\*

سوز ز بسکه تابِ جمالش نقاب را  
 دانم که در میان نه بستند حجاب را  
 پیراهن از کتان و دمام ز سادگی  
 نفرین کند به پرده دری ماهتاب را  
 تا خود شی به همدمی ما برسد  
 در چشم بختِ غیر رها کرد خواب را  
 نا رفته دم ز وعده باز آمدن زند  
 تا در وصال یاد دهد اضطراب را  
 در دل خزد به لایه و از جان بدر کشد  
 دیرینه شکوه ستم بی حساب را

جرات نکر کہ ہرزہ بہ پیش آمدِ سوال  
 گیرم بہ یوسہ زان لبِ نازک جواب را  
 نازم فروغِ بادہ ز عکسِ جمالِ دوست  
 کوئی فشرده اند بہ جامِ آفتاب را  
 سوزد ز گرمیش مے و او همچنان بہ نہو  
 ریزد ز آبکینہ بہ ساعرِ شراب را  
 آہش دہم بہ بادہ و او ہر دم از تمیز  
 نوشد مے و ز جامِ فروریزد آب را  
 آسودہ باد خاطرِ غالب کہ خویِ اوست  
 آمیختن بہ بادۂ صافی گلاب را

(قبل از ۲۹ دسمبر ۱۸۳۷ء/ ۲۸ جمادی الثانی

۱۲۵۳ھ)

۳۳۳

نوید التفاتِ شوقِ دادم از بلا جان را  
 کمندِ جذبه طوفانِ شمردم موجِ طوفان را  
 پرستارم جگر در باخت، یارب در دل اندازش  
 زبانی به زخمِ سرنگون کردن نمکدان را  
 چنان گرمست بزم از جلوه ساقی که پنداری  
 گداز جوهرِ نظاره در جامست مستان را  
 ندارم شکوه از غم با هجومِ شوق خرسندم  
 زجا برداشت جوشِ دل همانا داغِ هجران را  
 قضا از نامه آهنگِ دریدن ریخت در گوشم  
 زبشت ناختم نسترده نقشی روی عنوان را  
 به تن چسبید بازم از نمِ خونا به پیراهن  
 خراشِ سینه مطربِ بخیه شد چاکِ گریبان را  
 به جرمِ تابِ ضبطِ ناله یاسن داوری دارد  
 زشوخی می شمارد زیر لب دزدیدن افغان را  
 هنوز آئینه ما می پذیرد عکسِ صورتها  
 چوناصبح خنده زده اندر دل افشردیم دندان را  
 تکلف بر طرف لب تشنه بوس و کنارستم  
 زراهم باز چین دامِ نوازشهای پنهان را  
 به مستی گر به جنت بگذری، زنهار تفریبی  
 سراجی در رهستی تشنه دیدارِ جانان را



چمن سامان پی دارم که دارد وقت گل چیدن  
 خرامی کز ادای خویش بر گل کرده دامن را  
 به اندازِ صیوحی چون به گلشن ترکناز آری  
 پریدنهای رنگِ گل شفق گردد گلستان را  
 کبابِ تو بهار اندر تنورِ لاله می سوزد  
 چه فیش از میزبانِ لایهالی بیشه سحران را  
 چه دودِ دل چه سوخِ رنگ در مر پرده از هستی  
 خیالم شانه باشد طره خوابِ پریشان را  
 به شبها باسِ ناموست ز خویشم بدگمان دارد  
 ز شورِ ناله می ریزم نمک در دیده دربان را  
 زمستی محو پاکوبی بود هر گردباد اینجا  
 رواجِ خافقاهست از کفِ خاکم بیابان را  
 رسیدنهای منقارِ هما بر استخوانِ غالب  
 پس از عمری به یادم داد رسم و رای پیکان را

﴿۳۴﴾

به خلوت مژده نزدیکي یارست بهلو را  
 قریب استخوان پاکبازی داده ام او را  
 ز محو پرده محمل مگو، فرهاد را میرم  
 که می خابد به ذوقِ فتنه شادروان مشکو را  
 جهان از باد و شاهد بدان ماند که پنداری  
 به دنیا از پی آدم فرستادند میتو را  
 ز من رنجیده با اختیار در نازست و می خواهد  
 به جنبشهای ابرو از گره بردازد ابرو را  
 به زورتند خوئی خستگان را رام خود کردن  
 به آتش برداست از موی تاب پیش مو را  
 نباشد دیده تا حق بین، مده دستوری اشکش  
 چو گوهر سنج کو پیش از گهر سنج ترازو را  
 چو بنشیند به محفل، بگذرانم در دل تنگش  
 که رنجد غیر ازو، چون بی سبب در هم کشد رو را  
 اگر داند که در نسبت مرا با کیست همچشمی  
 کشد در دیده هر گردی که از ره خیزد آهو را  
 بهاران گو برو مشاطه کوه و بیابان شو  
 گل از لغت دلِ عاشق زبید آن سر کو را

نشان دورست، غالب در سخن این شیوه پس نبود  
بدین زورین کمان می آزمایم دست و بازو را

(قبل از ۲۹ شهریور ۱۲۸۳/۶۱/۲۸ جمادی الثانی  
۱۲۵۳هـ)

### +++۳۵+++

بادِ مشکبوی ما بید و کنار کشتِ ما  
کوثر و سلسبیلِ ما طوبیِ ما بهشتِ ما  
بسکه غم تو بوده است تعبیه در سرشتِ ما  
نسخه فتنه می یزد چرخ ز سرنوشتِ ما  
حسرت وصل از چه روه چون بغیالِ سرخوشیم  
ابر اگر بایستد بر لب جوست کشتِ ما  
نور خرد در آگهی خواهشِ تن پدید کرد  
صرف زقومِ دوزخست نامیه در بهشتِ ما  
این همه از عتابِ تو ایمنی عذو چراست  
اے به بدی و ناخوشی خویِ تو سرنوشتِ ما  
برده حد اربعین به سر یسر حد هزار خم  
گر بشی در آفتابِ پاده چکد زخشتِ ما  
بخطر از خودی برآ لب به انااللهم کشا  
شیوه گیر و دار نیست در کشتی کشتِ ما

باده اگر بود حرام، بذله خلافِ شرع نیست  
 دل نمنی به خوابِ ما طعنه مزن به زشتِ ما  
 گفت به حکمِ حسرتی غالب خسته این عزل  
 شاد به هیچ می شود طبعِ وفاسرشتِ ما

(قبل از ۲۹ شهریور ۱۲۸۳/۷۱ جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳ هـ)

+++++۳۶++++

دل- تاب ضبطِ ناله ندارد خندای را  
 از ما مجبویِ گریه بی های های را  
 آید به چشمِ روشنیِ ذره آفتاب  
 بر هر زمین که طرح کنی نقشی پای را  
 مشتاقِ عرصی جلوه خویش ست حسنِ دوست  
 از قرب مرده ده نگه نارسای را  
 آشفگی بر اوج فنا بال می زند  
 اے شعله داغِ شکر و نگه دار جای را  
 و اساند گیت بی سپر وادی خیال  
 شوقِ تو جاده کرد رگِ خوابِ پای را  
 سر منزلِ رسائی اندیشه خودم  
 دریا گیت جلوه بی رهنمای را

از بیج و تابِ از سوتند سرکشان  
 انگشتِ زینهار شمر هر لَوای را  
 حسنِ بتان ز جلوةِ ناز تو رنگ داشت  
 بخود به بویِ پاده کشیدیم لای را  
 گوید تغافلِ تو که رد کرده توام  
 از پشتِ چشم می نگرم پشتِ پای را  
 یا رب به بالِ تیغِ که پرواز می کند  
 تنگست دوشِ فراقِ بلندی گرای را  
 گر چشمِ اشک ازوست و گر سینه آه ازوست  
 با کیست داوری دلی درد آرزای را  
 شرمدم ز غریبِ ذوق و تسلی نمی شوم  
 یا رب کجا برم لبِ حنجرستای را  
 غالب بریدم از همه، خواهم که زین سپس  
 کنجی گزینم و بیرستم خدای را

(قبل از ۲۹ ستمبر ۱۸۳۷ء / ۲۸ جمادی الثانی

۱۲۵۳ء)



پتگر نخست تا ستم از جانب که بود  
 با شیشه داوری بی داشت خار و را  
 داغم ز بخت، گر همه اوج اثر گرفت  
 آه از سپهر، رخت به فرقم شراره را  
 غالب، مرا ز گریه نوید شهادتست  
 کاین سبزه رنگ داد به خون استخاره را

(قبل از ۲۹ شهریور ۱۲۸۳/۶ جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳)

++(۳۸)++

قضا آئینه دار عجز خواهد ناز شاهی را  
 شکسته در نهادهای ادای کجکلامی را  
 طبعی نیست هرجا اختلاط، از مے حذر خوشتر  
 کم از سوزنده آتش نیست آب گرم ماهی را  
 ز رخت خواهم آتشپاره ها رقتست، می داند  
 تبم در لوزه افکنندست باد صبحگاهی را  
 نمائد از کثرت داغ غمت آنایه جا باقی  
 که داغی در فضای سینه اندازد سیاهی را  
 شبنم تاریک و منزل دور و تشنه جاده نا پیدا  
 هلاکم جلوه برق شراب که گاهی را

چہ رو می سازی اے آئینہ، آہ از ساد کہایت  
 بہ من بگذار گفتم شیوہ حیرت نگاہی را  
 ودیعت بودہ است اندر نہادِ عجزِ ما نازے  
 جدا از قطرہ نتوان کرد طوفان دستگاہی را  
 ہمانا کز نو آسوزانِ دریں رحمتی زاہدا  
 بہ ذوقِ دعوی از بر کردہ بحثِ بیگناہی را  
 دلا گر داوری داری بہ چشمِ سرمہ آلودش  
 نخست بے زبان کن تا بہ کار آیم گواہی را  
 مرو در خشمِ گر دستے بہ دامانِ تو زد غالب  
 وکیلش من، نمی داند طریقِ داد خواہی را

(قبل از ۲۹ ستمبر ۱۸۳۷ء/ ۲۸ جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳ء)



## بجز ۳۹

لرزه دارد خطر از هیبت و روانه ما  
 سول را پای به سنگ آمده در خانه ما  
 نفی از براقی بلا تعبیه دارد در خویش  
 دهن خاک کند آبله از دانه ما  
 چشم بر تازگی شور جنون دوخته است  
 در خزان بیش بود هستی دیوانه ما  
 می باندازه حرام آمده ساقی بر خیز  
 شیشه خود بشکن بر سر پیمانده ما  
 تنگیش نام بر آورده، تماشا دارد  
 در بی سور فرو رفتن کاشانه ما  
 به چراغی نرسیدیم درین تیره سرا  
 شمع خاموش بود طالع پروانه ما  
 دم تیغ تنک و گردن ما بار یکست  
 آفرین بر تو و بر همت مردانه ما  
 دود آه از جگر چاک دیدن دارد  
 زلف خیزست، ز می دستگیر شانه ما  
 خوش فرومی رود افسون رقیبت در دل  
 بنه گوش تو گردد مگر انسانه ما  
 مو برآید ز کتب دست اگر دهقان را  
 نیست ممکن که کشد ریشه سر از دانه ما

داد بر تشنگی خویش گواهی غالب  
دهن ما به زمانِ خطِ پیمانه ما

(قبل از ۲۹ شعبیور ۱۲۶۱/۲۸ جمادی الثانی  
۱۲۵۳هـ)

++++

اے ممل از نقشِ کفِ پای تو دامانِ ترا  
گفتشان کرده قبا سرو خرامانِ ترا  
تا ز خونِ که ازین پرده شفق باز دمد  
رونی صبحِ بهارست گریبانِ ترا  
هر قدر شکوه که در حوصله گرد آمده بود  
گوئی گردید به مستی خمِ چوگانِ ترا  
جذبه زخمِ دلم کارگر افتاد، مباد  
عطر غره‌ها کند مغز نمکدانِ ترا  
ندمد بوی کباب از نفسی غیر و خوشم  
می شناسم اثرِ گرمی پنهانِ ترا  
راحتِ دائمی ذوقِ طلب را نازم  
گرد نمناک بود سایه بیابانِ ترا  
چشمِ آغشته به خونِ بین و ز خلوت به درآی  
اینگه ابرِ شفق آلوده گلستانِ ترا

آنی از بزمِ رقیب و سرِ راحت میرم  
 تا رنایم دل از سازِ بهشیمانِ ترا  
 چه شده از سبلی سنگِ شمش کرد کبود  
 سبزه زارِ استنم طُرفِ خیابانِ ترا  
 فرصت باد که سر در سرِ کارتِ کردیم  
 آفتاب لبِ بسایم شبستانِ ترا  
 هر حجابی که دهد روی به هنگامِ شوق  
 پرده ساز بود زمزمه سنجانِ ترا  
 فارغش ساخته از حسرتِ بیکانِ غالب  
 حق بود بر جگرِ ویش تو دندانِ ترا

(قبل از ۲۹ شهریور ۱۲۸۳/۶۲۸ جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳)

«۱۲۸۳»

نعمت در بوته دانش گدازد مغزِ خامان را  
 لبت تنگِ شکر سازد دهانِ تلخکامان را  
 قضا در کارها اندازد هر کس نگه دارد  
 به قطعِ وادی علم می گمارد تیز گمان را  
 ز هستی پاک شو، گر مردِ راهی کاندینِ وادی  
 گرانیهست رختِ رهرو آلوده دامن را

دساج فتنه می نازد به سامان رسیدنها  
 طلوع نقشه گردد راه باشد خوش خرامان را  
 ای رسوائی ارباب تقوی جلوه سر کن  
 کتانه ماهتابی سازه شاهم نیکامان را  
 به عرض ناز خویش راز ما بیتاب تر دارد  
 عنان از برق باشد در رهش زین ستامان را  
 خرایم و رضایش در خرایبهای ما باشد  
 ز چشم بد نگه دارد خدا ما دوستکامان را  
 بسا افتاده سرمست و بسا افتاده در طاعت  
 تودائی تا به لطف از خاک برداری کدامان را  
 ز قاتل مرده زخمی گلم در جیب جان ریزد  
 نشاط انگیز باشد بوی خون خونین مشامان را  
 جهان را خامی و غاسبت آن مغرور و این عاجز  
 یا غالب ز خامیان بگذر و بگذار عیان را

◆◆◆◆◆

نگویم نازه دارم شیوه جادو بیان را  
ولے درخویش بینم کارگر جادوی آنان را  
همانا پیشکار بخت ناسازم به تنهایی  
ستوه آورده ام از چاره جوئی سهربانان را  
ندارد حاجت لعل و کهر حسن خدادادت  
عبث در آب و آتش راندهای بازارگانان را  
چه بے برگست جان دادن به زخمی زان دم خمیر  
هلاکستم فراخی های عیشی سخت جانان را  
عوض دارد، گر آزار دلم آزرد می خواهم  
به قتل خویش دست و ساعد نازک میانان را  
سراخ فتنه های زهرسوز از خویشی گیرم  
رگ اندیشه نبضی کار باشد کار دانان را  
به لفظ عشق صدوه کوه و دریا در میان گفتن  
بیاورید تا پیشش برسد انسانه خوانان را  
نیستی برگ رز زر گشت و گل کبریت احمر تند  
کند پائیز گیوئی کیمیاگر باغبانان را  
مرنج از ناروانی بے نیازی عالمی دارد  
حکایتها بود با خویشین سر بیزبانان را  
نگیرد دیگران را حق به جرمی کز یکم بخشد  
سرت کردم، شفهی روز محشر دستانان را

نداده قدرم تا درمآئد کس بدان غالب  
سرت خیزد از تقلیدِ پیران نوحوانان را

(قبل از ۹۲۲ شمسر، ۱۸۶۱ء / جمادی الثانی  
۱۲۵۳هـ)

\*\*\*

اے خداوندِ خردمند و جهان داورِ دانا  
وے به نیرویِ خرد بر همه کردار توانا  
اے به رکنار و به دیدار ز زیبایی و خوبی  
سروِ نوحاسته آسا . به ناکسته مانا  
به ادا پایه فزایا به نظر علقه کشایا  
به کرم ابر عطایا به غضب برق ستانا  
به نگه خسته نوازا به سخن بذله طرازا  
به قلم عالیه سایا به نفسِ عطر فشانا  
ته نشانِ کلبِ علی خان که توئی یوسفِ ثانی  
تَبُود ثانی و هستای تو در دهر همانا  
دائم از حال و مآلم خبرے داشته باشی  
سرفروستِ ازلی گرچه ندارد خطِ خوانا  
دستم چرخ تو بینی و نسوزی به عتابش  
به عداو صاعقه ریزا ، به محب قبض رسانا

جانشین تو کند نام ترا زنده به گیتی  
 باد فردوسی برین جای تو فردوس مکتبا  
 غالب از غم چه خروشی، به تو زیاست خموشی  
 با کریم همه دان هیچ مگو هیچدانا

(مارچ ۱۸۶۶ء، قبل از ۲۹ مارچ/ذی قعدہ  
 ۱۲۸۲ھ قبل از ۱۲ ذی قعدہ)

\*\*\*

جز دفع غم ز باد نبودست کام ما  
 گزنی چراغِ روزِ سیاه است جام ما  
 در خلوتش گذر نبود بادِ راه مگر  
 صرصر به خاکِ راه رساند پیام ما  
 لبِ بادِ صبحِ عطری ازان پیرهن بیار  
 نسکن ز بوی گل نپذیرد مشام ما  
 هر بار دانه پیرھیا انگیم و سور  
 آمد به دام و دانه رباید ز دام ما  
 گفتمی چو حالِ دل شنود، سپریان شود  
 مشکل که پیشِ دوست توان بُرد نام ما  
 از ما به ما پیام و هم از ما به ما سلام  
 رنجِ دلِ مباد پیام و سلام ما  
 مقصود ما ز دهرِ غیر آئینه نیستی است  
 یا رب که هیچ دوست مبادا به کام ما

غالب ، بہ قولِ حضرت حافظ زلیخا عشق  
 "قوت است بر چویندہ عالم دوام ما"

(یادداشتی مقطع : ۱۸۶۱ء قبل از ۱۶ ستمبر)

(۱۸۶۸ء قبل از ۱۱ ربیع الاول)

مقطع : الحاقہ در سال ۱۸۳۷ء/۱۲۸۵ء

\*\*\*

خیز و پیراہہ روی را سرِ راہے دریاب  
 شورش افرا نگید حوصلہ کاہے دریاب  
 عالم آئینہ رازاست، چہ پیدا چہ نہان  
 تاب اندیشہ نداری، بہ نگاہے دریاب  
 گر بہ معنی تری، جلوۂ صورت چہ کمست  
 خم زلف و شکنِ طرفِ کلاہے دریاب  
 غمِ اسرد گیم سوخت، کجائی، امے شوق  
 قسم را بہ ہرافشائی آہے دریاب  
 بر توانائی ناز تو گواہیم ز عجز  
 تابِ یجادہ بہ جذبِ پر کاہے دریاب  
 تا چہا آینہ حسرت دیدار تو اہم  
 جلوہ پر خود شکن و مارا بہ نگاہے دریاب  
 تو در آغوشی و دست و دلم از کار شدہ  
 نشدہ بے دلو و رسن بر سرِ چاہے دریاب



داغِ ناکسِ حسرت بود آئینه وصل  
 شب روشن طلی، روزِ سایه دریا  
 فرصت از کف رفته و وقت غنیمت پندار  
 - نیست گر صبح بهارے، شب سایه دریا  
 غالب و کشمکشِ بیم و امیدش عیسات  
 یا به تیغِ پکشی و یا به نگاهِ دریا

(قبل از ۲۹ ستمبر ۱۸۳۷ء / ۲۸ جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳ء)

### ۶۳۳۳۳

گر بس از جور به انصاف گراید، چه عجب  
 از حیا روی به ما گر ننماید، چه عجب  
 بودش از شگوه خطر، ورنه سرے داشت به من  
 به مزارم اگر از مهر بیاید، چه عجب  
 رسمِ پیمان به میان آمده خود را نازم  
 گفته باشد که زبستی چه کشاید، چه عجب  
 شیوه ها دارد و من معتقدِ خوی و تم  
 شوئم از رنجشِ او گر بفزاید، چه عجب  
 چون کشد مے، کشدم رشک که در برده جام  
 از لب خویش اگر بوسه رباید، چه عجب

طره درهم و پیراهن چاکش نگرید  
 اگر از ناز بخود هم نگراید ، چه عجب  
 مرز مبرم شمرد و ز بی تعلیم ولیب  
 به وفا یشکیم گر بستاید ، چه عجب  
 کار با مطرب زمره نهادے دارم  
 گر لبم ناله به هنجار سرايد ، چه عجب  
 آنکه چون برق یکجای نگیرد آرام  
 گداهش در دل اگر دیر نیاید ، چه عجب  
 با چنین شرم که از هستی خویشش باشد  
 غالب از رخ بهر دوست نساید ، چه عجب

(قبل از ۹ شهریور ۱۸۳۷/۲۸ جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳ هـ)



۱۸۳۷/۵۱

از اندۀ نایافت قلی میکنم امشب  
 گر برده هستیست که شق میکنم امشب  
 هان آینه بگذار که عکسم نظربند  
 نظاره بکثانی حق میکنم امشب  
 آتش به قهاده شده آب از تب مغزم  
 از تب نبود اینکه عرق میکنم امشب  
 جان برلیم اندازد دریاکشیم نیست  
 از می طلب سدر رقی میکنم امشب  
 از عربی مو چشمه خون باز کشادم  
 آرایش بستر ز شفق میکنم امشب  
 می می چکد از لعل لیش در طلب قتل  
 مشی ز کواکب به طبق میکنم امشب  
 نازم سخنش را و نهام دهنش را  
 خوش تفرقه در باطل و حق میکنم امشب  
 عرصست که قانون طرب رفته ز یادم  
 آموخته را باز سبق میکنم امشب  
 غالب، نبود شیوه من قافیه بندی  
 ظلمت که بر کلک و ورق میکنم امشب

+++ ۹۰۰ +++

سحر دمه و گل در دیدنت ، مخسب  
 جهان جهان گلِ نظاره دیدنت ، مخسب  
 شام را به شمع گلی نوازش گن  
 نسیم غمناک سا در وزیدنت ، مخسب  
 ز خویش حسن طلب یون و در صیوحی کوش  
 می شبانه ز لب در چکیدنت ، مخسب  
 ستاره سحری سزده سنج دیدار است  
 بین که چشم فلک در پریدنت ، مخسب  
 نو محو خواب و سحر در تأسف از انجم  
 به پشت دست به دندان گزیدنت ، مخسب  
 نفس ز ناله به سنبل درودنت ، بخیز  
 ز خون دل مزه دولاله چیدنت ، مخسب  
 نشاط گوش بر آواز یافتنت ، بیا  
 بیاله چشم برآه کشیدنت ، مخسب  
 نشان زندقگی دل دویدنت ، مایست  
 جلای آینه چشم دیدنت ، مخسب  
 ز دهنه سود حریفان کشودنت ، بپند  
 ز دل مراد عزیزان تویدنت ، مخسب

به ذکر مرگ شیء زنده داشتن ذوق است  
گرت فسانه غالب شنیدنت ، محسب

(قبل از ۲۹ شهریور ۱۲۸۳/۲۸ جمادی الثانی  
۱۲۵۳ هـ)

بجای آوردیم

حق جلوه گر ز طرز بیان محسب است  
آری کلام حق به زبان محسب است  
آئینه دار پر تو مهر است ماهتاب  
شان حق آشکار ز شان محسب است  
بیرضا هر آینه در ترکش حق است  
اما کشاد آن ز کسان محسب است  
دانی ، اگر به معنی لولاک واری  
خود هر چه از حق است از آن محسب است  
هر کس نسیم بدانچه عزیز است میخورد  
سوگند کرد کار به بیان محسب است  
واعظ ، حدیث سایه طوبی فرو گذار  
کاینجا سخن ز سرو روان محسب است  
بنگر دو نیمه گشتن ماه تمام را  
کان نیمه چینی ز بیان محسب است

و در خود ز نقشِ مهرِ نبوت سخن رود  
 آن نیز نامور ز نشانِ محمّدست  
 غالب ثنائیِ خواجه<sup>۴</sup> به یزدان گذاشتیم  
 کلان ذاتِ پاک مرتبه دانِ محمّدست<sup>۵</sup>

(قبل از ۱۸۶۶-۱۸۶۷/۱۲۸۲-۱۲۸۳)

### ++(۵۱)++

گلشن به فضایِ چمنِ سینه ما نیست  
 هردل که نه زخمی خورد از تیغِ تو، و نیست  
 می سوزم و می ترسم از آسیبِ زدنش  
 آوخ که در آتش اثرِ آبِ بقا نیست  
 عمریست که می میرم و مردن نتوانم  
 در کشورِ پیداد تو فرمانِ قضا نیست  
 هفت اختر و نه چرخ خود آخر به چه کارند  
 بر قتلِ من این عریده ها بار روا نیست  
 عمرم سپری گشت و همان بر سرِ جووست  
 گویند بتانِ را که وفا نیست، چرا نیست  
 جنت نکند چاره افسردگیِ دل  
 تعمیر به الهامه ویرانی ما نیست

باخصم زیون غیرِ ترحم چه توان کرد  
 من خاسی نائیر اگر قاله رسا نیست  
 لریاد ز زخمی که نمک سود نیابد  
 هنگامه بیفزای که برشی بهترا نیست  
 گر مهر و گر کین همه از دوت قبولست  
 اندیشه جز آئینه تصویر نما نیست  
 مینای می از تند این می بگدازد  
 پیغام غمت درخور تحویل صبا نیست  
 هر مرحله از دهر سراپست لای را  
 کز نقشی کف پای کسی بوسه ربا نیست  
 او ناز دل بی هوس ما نیستید  
 دلتنگ شد و گفت درین خانه هوا نیست  
 برگشتنِ مرگانِ تو از روی عتاب است  
 کاتدر دلم از تنگی جا یک مژه جا نیست  
 درپوزه راحت نتوان کرد ز مرهم  
 غالب همه تن خسته یارست گدا نیست



## +K512++

بسکه درین داوری بے اثر افتاده است  
 اشک نو گوئی مرا از نظر افتاده است  
 عکسِ تنش را در آب لرزه بود هم ز موج  
 بیم نگاهِ خودش کارگر افتاده است  
 ناله ندانده که من شعله زیان می کشم  
 هرچه ز دل جسته است در جگر افتاده است  
 خاطرِ بلبل بجوی ، قطرهٔ شبنم مگویی  
 کز پسی گوشِ گل ناله تر افتاده است  
 هرچه ز سرمایه کجاست در هوس افزوده ایم  
 هرچه ز اندیشه خاست در خطر افتاده است  
 از تکیه سرخوشت کام تنها میکند  
 آئینهٔ ساده دل دیده ور افتاده است  
 او دلی از ما گذاخت وین نفسش گرم ساخت  
 نالهٔ ما از تکه شوخ سر افتاده است  
 خونِ هوس پیشگان خوش نبود ریختن  
 تیغ ادا پاره بد گهر افتاده است  
 رشکِ دهانت گذاشت غنچهٔ گل چون شکفت  
 دید که از روی کار برده بر افتاده است  
 نه به فرو ماندگی داد فروماندگان  
 سایه در افتادگی و قی هر افتاده است

بستی دل دیده را محرم اسرار کرد  
 بیخودی پرده دار پرده در افتاده است  
 آن همه آزادگی وین همه دلدادگی  
 حیف که غالب ز خویشی بیخبر افتاده است

(قبل از ۲۹ شهریور ۱۲۸۳/۱۸۶۵-۶۸ جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳ هـ)

#### ۴۴۵۳۴۴

در گرد ناله وادی دل روزگار کیست  
 خونی که می دود به شرابین سپاه کیست  
 حسن تو در حجاب ز شرم گناه کیست  
 جا بر کوشه تنگ ز جوشی نگاه کیست  
 مست و رخ کشاده به گلزار میروید  
 خون در دل بهار ز تأثیر آه کیست  
 ما باتو آشنا و تو بیگانه ز ما  
 آخر تو و خدا که جهانیه گواه کیست  
 سو برتابد این همه بیچ و خم و شکن  
 زلف تو روزنامه بخت سپاه کیست  
 زینسان که سر بر گل و ریحان و منبسط  
 طرف چمن نمونه طرف کلاه کیست

رشک آیدم به روشنی دیده های خلق  
 دانسته ام که از اثرِ تگرورِ آبِ کیست  
 با من به خوابِ ناز و من از رشکِ بدگمان  
 تا عسره خیالِ عدو جلوه گاهِ کیست  
 بیخود به وقتِ ذبح تپیدن گناه من  
 دانسته دشنه تیز نکردن گناهِ کیست  
 غالب حسابِ زندگی از سر گرفته است  
 جانای به من بگو که غمت عمرِ کجاست

(قبل از ۲۹ سپتامبر ۱۸۳۷/۲۸ جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳ هـ)



در قایم از خیال که دل جلوه گاهِ کیست  
 دالجم ز انتظار که چشمش بر لبِ کیست  
 از ناله خیمه‌ی دلِ سختی در آتشم  
 کاین سنگ بر سر ز هجوم نگاهِ کیست  
 چشمس بر آب از طس سهرِ بری و نه سب  
 من در گمان که از اثرِ دودِ آبِ کیست  
 ظالم تو و شکایتِ عشقِ این چه ماجراست  
 بارے بمن بگو که دلت دادخواه کیست

در خود گم است جلوہ یوقِ عتابِ تو  
 این نیرگی بہ طالعِ شبتِ گیاهِ کیست  
 نیرنگِ عشقِ شوکتِ رعنائیِ تو بُرد  
 در طالعِ تو گردشِ چشمِ سیاہِ کیست  
 گوید ز عجزِ چون تو خدا ناشناسِ حیف  
 با چون خودے کہ داوڑ گیتی گواہِ کیست  
 با اینہمہ شکستِ درستیِ اذایِ اوست  
 رنگِ رختِ نمونہٗ طربِ کلاہِ کیست  
 باتو بہ ہندِ حرفِ بہ تلخیِ گناہِ من  
 با من بہ عشقِ غلبہٗ بہ دعویِ گناہِ کیست  
 غالب کتون کہ قبلہٗ او کویِ دلبرےست  
 کے میرسد بدین کہ در شے سجدہ گاہِ کیست

(نیل از ۲۹ ستمبر ۱۸۳۷ء/ ۲۸ جمادی الثانی

(۱۸۵۳ء)



یاد از عدو نیارم و اینهم ز دور بینی ست  
 کاندردلم گذشتن بادوست همشینی ست

در عالم خرابی از خیل متعمانم  
 سلیم به رخت شوئی برقم به خوشه چینی ست

میرم، ولی برسم کز فردا بدگمانی  
 داند که جان سپردن از عافیت گزینی ست

در پناه دیر مستم، آرے ز سخت جانی ست  
 در غمزه زود رنجی، آرے ز نازنینی ست

من سویی او بینم، داند ز بے حیالی ست  
 او سویی من نبیند، دانم ز شرمگینی ست

ذوقی ست در ادایت، قاصد تو و خدایت  
 در جیب من پنهان خلدے که آستینی ست

زین خونچکان نواها دریا ب ماجر اها  
 هنگامه ام اسیری، اندیشه ام حزنی ست

درد شکست دل را رام صدا نخواهم  
 ساز شکایت من تارش ز سویی چینی ست

نازم بزودیایی نازد به گوش و گردن  
 چندانکه ابر نیسان در گوهر آفرینی ست

موزم دمی که یارم یاد آورد که غالب  
در خاطرنی گذشتن پانچیر همنشین ست

(قبل از ۱۸۲۹/۵ تا ۱۸۳۰/۵)

++++++

لب شیرین تو جان نمکست  
وین که گفتم به زبان نمکست  
در نهاد نمک از رشک لب  
هست شورے که لغان نمکست  
ای شده لطف و عتاب همه ناز  
ناز در عهد تو کان نمکست  
ناز سرمایه دیگر ز تو یافت  
نمک خوان تو خوان نمکست  
شورها صریح لغانم کردند  
نمک از حسرتیان نمکست  
زخم ما بنیه مرهم دارد  
زمین سفیدی که نشان نمکست  
گر نمک سود گنی زخم دلم  
سود زخمت و زبان نمکست

گفتی الماس فشاندم ، تو و حق  
 نازشی من به گمان نمکست  
 نطقی من مایه من بس غالب  
 خود نمک گوهر گمان نمکست

(بین ۵۱۸۳۲/۵۱۲۵۷ و ۵۱۸۳۵/۵۱۲۶۱)

### ++۵۷++

چه فتنه ها که در اندازۀ گمان تو نیست  
 قیامت دل دیرسپریان تو نیست  
 لرزش آشتی ده این ظفر مبارک باد  
 دل . ستم زده در بند امتحان تو نیست  
 مگر ز بارۀ سنگم که ریزد دم تیغ  
 بگش ، مترس که در سود من زبان تو نیست  
 دلم به عهد و قائی فریفت نامه سبار  
 خوشت و علم تو، گرچه از زبان تو نیست  
 شکسته رنگ تو از عشق خوش تعاشائیست  
 بهار دهر به رنگینی خزان تو نیست  
 نسیان هست مرا آنرا که بر نیامده است  
 و گونه سوی به بازیکی میان تو نیست

ز حق سرنج و در آبرو زخشم چین مکن  
 خستست رسم وفا، گرچه در زمان تو نیست  
 روان فدای تو نام که پردۀ ناصح  
 ز هم لطافت ذوقی که در بیان تو نیست  
 عتاب و مهر تماشاگران حوصله اند  
 به هیچ عریده اندیشه رازدان تو نیست  
 دل از خوشی لعلت امیدوار چراست  
 چه گفته به زبان که در دهان تو نیست  
 گمان زیست بود بر منت ز بے دردی  
 بد است مرگه ولی بدتر از گمان تو نیست  
 عیار آتشی سوزان گرفته ام صدف  
 به سینه قلابی داغ غم نهان تو نیست  
 تغافل تو دلیل تجاehl التادست  
 تو و خدای تو، غالب ز بندگان تو نیست؟

(قبل از ۱۸۲۹/۱۲۳۰-۳۵ هـ)

بیت ۳ : "نامه یوت" بجای "نامه بهار"

(کل رعنا)

آیات ۱۸، ۹ : اضافه در سال ۱۸۳۷/۱۲۳۷

۱۲۵۳ هـ



## ++(۵۸)++

ایکه گفتی غم درونِ سینه جاقتر است، هست  
خامشیم اما اگر دانی که حق با ما است، هست

این سخن حق بود و گاهی بر زبانِ ما نزلت  
چون تو خود گفتی که خویان را دل از خوار است، هست

دیده نا دل خون شدن کز غم روایت میکنی  
گر بگویم کاین نخستین موجِ آن دریا است، هست

دهدی آخر کاتقام خستگان چون میکنند  
آنکه میگفتیم ما کاسروز را فردا است، هست

هم وفا هم خواهش ما هیچ پرشی عیب نیست  
آنکه میگفتی که خواهش در وفا بیجا است، هست

باری از خود گو که چونی در زمنِ برسی برسی  
بخت ناساز است، آری، یارِ برِ پرواست، هست

خویِ یارت را تو دانی، ورنه از حسن و جمال  
زلفِ عنبر پوست، دارد، عارضِ زیبا است، هست

صبر وانکه از تو، پندارم نه حیل آدمیست  
وین که میگوئی، به ظاهر گرم استفاست، هست

با چنین عشقی که طوفانِ بلا سخوانیش  
چون بینی کان شگوه دلبری برجا است، هست

رهگذارت را دل و جان همچنان فرشی است، هان  
جلوه گاهت را ز جان بازان همان خواهی است، هست

نظم و نثر شورش انگیزے کہ سیاہ بخواہ  
ایکہ میگوئی کہ غالب در سخن یکتاست، هست

(بین ۱۸۳۷ء/۱۲۵۲-۵۳ء و ۱۸۳۸ء/۱۲۵۳-۵۴ء)  
(۱۲۵۳-۵۴ء)

### ++۵۹۳++

سینہ بکشودیم و خلقے دید کاینجا آشت  
بعد ازین گویند آتش را کہ گویا آشت

انتظار جملوہ سانی کجایم میگرد  
مے بہ ساغر آب حیوان و بہ مینا آشت

گر بہ ات در عشق از ناگہر دود آہ است  
اشک در چشم تو آب و درد ما آشت

ایکہ میگوئی تجلی گاہ نازش دور نیست  
میر مثنے از رخ و ذوق تماشا آشت

ہے تکلف در ہلا بودن بہ از ہم ہلاست  
نہر دریا سلسیل و روی دریا آشت

پردہ از رخ برگرفت و ہے سہا پہا سوختم  
یادہ ہاداست آتش اورا و مارا آشت

هم بدین نسبت ز شوخی در دلت جا کرد ما بم  
 فاش گوئیم از تو سنگت آنچه از ما آشتست  
 گویه دارم که تا نعت الشریع آست و بس  
 ناله دارم که تا اوج لریا آشتست  
 پاک خور امروز و زنتار از بی فردا نه  
 در شریعت داده امروز آب و فردا آشتست  
 راز بدخویان نهفتن بر تپايد بیضی ازین  
 پرده دار سوز و ساز ماست هرجا آشتست  
 گشته ام غالب طرفه با مشرب عرفی که گفت  
 روی دریا سلسبیل و فقر دریا آشتست

(قبل از ۲۹ شهریور ۱۲۵۳/ ۲۸ جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳ هـ)

+++++۶+++++

به خود رسیدن از ناز بسکه دشوارست  
 چو ما به دام تمنای خود گرفتارست  
 تمام زحمت ، از هستم چه می برسی  
 ز جسم لایع خویشم به پیرهن خارست  
 صلائی نعل ده و جانفشانی ما بین  
 برای گشتن عشاق وعده بسیارست  
 ستم کشی سرناسوس جوی خویشتم  
 که تا ز جیب برآمد ، به بند دستارست  
 به شب حکایت قلم ز غیر می شنود  
 هنوز فتنه به ذوق فسانه بیدارست  
 به قامت من از آوار گیت برهنی  
 که خار رهگذرش بود و جاده اش تارست  
 یا که فصل بهارست و گل به سخن چمن  
 کشاده روی تو از شاهدان بازارست  
 غم شنیدن و لغتی به خود فرو رفتن  
 خوشا فریب نرحم چه حاده پرکارست  
 لسانت هستی من در تصویر کمرش  
 چو نعل که هنوزش وجود در تارست  
 ز آفرینش عالم غرض جز آدم نیست  
 بگیرد مضطرب ما دور هفت پرکارست

نگاه خیره شد از بر نورخش غالب  
 تو گوئی آینه ما صواب دیدارست

(قبل از ۱۸۲۹/۵۱۳۳۰-۳۵)

++++

مسموم وادی امکان ز بس جگر تانست  
 گدا ز زهره خاکست ، هر کجا آبت  
 مرنج باز شب تار و یا به بزم نشاط  
 که بنده بر سر میثای پاده میثابت  
 به خواب آمدنش جز شمع طریقی نیست  
 خدا نخواسته باشد به غیر همخوابست  
 ز وضع روزن دیوار میتوان دانست  
 که چشم غمگده ما به راه سیلابست  
 ز ناله کار به اشک اوتاده دل خون باد  
 ز شرم بی اثریها فغان ما آبت  
 ز وهم فتنی خیالی کشیده ورنه  
 وجود خلق چو عتقا به دهر نایابست  
 نگه ز سعله حسنت چه طرف بر بندد  
 چنین که طاعت ما را به تاز سبایست

به عرضِ دعویِ همطرحی تو حیوان را  
 نگه در آینه همچون خُصی به گودا هست  
 زمین ز نقشِ سیمِ توسنی تو ساغر زار  
 هوا ز گردِ رهِت شیشه می نایست  
 قوی قتاده چو نسبت ادب مجو غالب  
 ندیده که سویِ قبله پستِ محراب است

(قبل از ۲۹ شهریور ۱۲۸۳/۲۸ جمادی الثانی  
 ۱۲۵۲ هـ)

«۶۶۶۶۶۶»

گردِ روِ خویش از لُقمِ باز ندانست  
 ننگش ز خرام آمد و پرواز ندانست  
 ز انسان غمِ ما خورد که رسوائی ما را  
 خصم از اثرِ حمزه شمساز ندانست  
 فریاد که با اینهمه خون خوردنم از غم  
 بکرم به دلش کرد گذر، راز ندانست  
 نازم نگه شرم که دلبا ز میان بُرد  
 ز انسان که خود آن چشمِ فسونساز ندانست

یکچند بهم ساخته تا کام گذشتیم  
 من عشوه نه پذیرفتم و او ناز ندانست  
 از شاخ گل افشانه و زخارا گهر انگشت  
 آئیندما در خور پرداز ندانست  
 گریم که بر د سوجه خون خوابگش را  
 در ناله مرا دوست ز آواز ندانست  
 مدم که ز اقبال نویسنده ارم داد  
 اندوه نگاه خلط انداز ندانست  
 مخمور مکالمات به خلد و ستر آویخت  
 مشتاق عطا شعله ز گل باز ندانست  
 غالب سخن از هند برون بر که کس اینجا  
 سنگ از پیکر و شعبده ز اعجاز ندانست

(قبل از ۲۹ ستمبر ۱۸۳۷ء / ۲۸ جمادی الثانی

۱۲۵۳ء)

۴۴۶۳۴۴۴

هر ذره      سحرِ جلوهٔ حسنِ یسگانه ایست  
 گویی      طلسمِ شجعت      آئینهٔ خانه ایست  
 حیرت      به دهر      می سرویا می برد مرا  
 چون گوهر از وجودِ خودم آب و دانه ایست  
 ناچار      با تعاضلی صیاد      ساختم  
 پشداشتم      که حلقهٔ دام      آشیانه ایست  
 با بستهٔ نورِ خیال ،      چو واری  
 هر عالمی      ز عالمِ دیگور      فسانه ایست  
 خود داریم      به فصلِ بهاران      عنانِ کینت  
 گلگونِ شوق را      رگِ گل      نازبانه ایست  
 هر سنگ      عینِ ثابتۀ آهگینه  
 هر برگِ ناک      قلیِ درِ شیرهٔ خانه ایست  
 هر ذره      در طریقی و فای تو      منزلی  
 هر قطره      از محیطِ خیالت      کرانه ایست  
 در پردهٔ تو      چند      کشم      نازِ عالمی  
 داغم      ز      روزگار      و غراقت      بهانه ایست  
 وحشت چو شاهدان      به نظرِ جلوه میگرد  
 گردِ ره و هوا      سر زلفی و شانه ایست



غالب      دگر ز مشاء آوارگی      میرمن  
گفتم کہ جیبہ را      دوس آستانہ ایست

(قبل از ۲۹ ستمبر ۱۸۶۷ء/ ۲۸ جمادی الثانی  
۱۲۵۳ھ)

### میرمن میرمن

ہرچہ فلک نخواستست، هیچکس از فلک نخواست  
ظرفِ فقیہ مے نجست، بادۂ ما گزرک نخواست  
خرقہ بہ موجہ تاب خورد نشنہ ز دجلہ آب خورد  
زحمتِ هیچیک نداد، راحتِ هیچیک نخواست  
جہ ز علم مے خبر، علم ز جہ مے نیاز  
ہم محکِ تو زوندید، ہم زہنِ محک نخواست  
شحنۂ دہر ہر ملا ہرچہ گوشت، پس نداد  
کاتبِ بخت ز رخِ ظاہرچہ نوشت، حک نخواست  
خونِ جگر بجای مے، مستیِ ما قلعِ تداست  
نالۂ دل نوائی نے، راضیِ ما شجک نخواست  
زاہد و ورزنیِ سجد، آہ ز دعویِ وجود  
تا نرد اہرنِ رہش، بدرقۂ ملک نخواست  
بخت و جدلِ بجایِ مان، میکند جویِ کاندراں  
کس نفس از جملِ نرد، کس سخن از قدک نخواست

گشته در انتظارِ بسور دیده‌ی پیر و سفید  
 در ره شوقِ عمری دیده ز مردمکِ نخواست  
 حسن چه کام دل دهد، چون طلب از حریفِ نیست  
 خست نگاه، گر جگر خسته ز لب نمکِ نخواست  
 خرقه‌خوش است در برم، پرده چنین خشن خوش است  
 عشق به‌خارِ خارِ غم به‌ره‌نم تنکِ نخواست  
 رند هزار شیوه را طاعتِ حق گران نبود  
 لیک صدم به‌مسجده در ناصیه مشترکِ نخواست  
 سهل شمرد و سرسری تا تو ز عجزِ نشیری  
 غالب اگر به داوری دادِ خود از ملکِ نخواست

(بین ۱۸۳۲/۱۲۵۷ و ۱۸۳۵/۱۲۶۱ هـ)

**◆ ◆ ◆**

ما لا غریبم ، گر کمربند نازکست  
 فرقیست درمیانه که بسیار نازکست  
 دارم دلے ز آبله نازک نهاد تر  
 آهسته پانهم که سرخار نازکست  
 از جنبش نسیم فرو ریزدے ز هم  
 ما را چو برگ گل درو دیوار نازکست  
 با ناله ام ز سنگدلیهای خود ستاز  
 محافل قماش طاقبت کبهار نازکست  
 زحمت کشید و آن سزه برگشت همچنان  
 ما سخت جان و لذت آزار نازکست  
 رسوائی \* سباد خود آوائی ترا  
 محگل برمن که گوشه دستار نازکست  
 ترسم تپش ز بند برون انگند مرا  
 تاب کشید کاکی خمیدار نازکست  
 از جلوه نا گداختن و روناختن  
 آینه را بین که چه مقدار نازکست  
 میرنجد از تحمل ما بر جفای خویش  
 هان شکوه که خاطر دلدار نازکست

از ناتوانی چگر و معده پاک نیست  
غالب، دل و دماغ تو بسیار فاؤکست

(قبل از ۲۹ ستمبر ۱۸۳۶ء، ۲۸ جمادی الثانی  
۱۲۵۳ھ)

++(۶۶)++

اشب آتشِ رونے گرم زندخوانیاست  
کز لبش نوا مردم در غرو نشانیاست  
تا در آب افتاده عکسِ لبِ دلجویش  
چشمه همچو آئینه لاریخ از روانیاست  
در کشاکشِ ضعیف نگشاید روان از تن  
این که من نمی میرم هم ز ناتوانیاست  
از خمیدنِ پنجم روی بر نفا باشد  
تا چها دینِ پیری حسرتِ جوانیاست  
گشته دلِ خویشم کز شمعگران بکسر  
دید دلفریبها گفت مهربانیاست  
سوی من نگه دارد چین نگنده در ابرو  
با گران رکابها خوش سبک عنانیاست  
دائم از سرِ خاکم رخ نهفته بگذشتن  
هان و هان! خدا دشمن! این چه بد گمانیاست

شوخیش در آئینه سحر آن دهن دارد  
 چشم سحر برداؤش بیاب تکتہ دانہاست  
 باعدو عتابتے وز منش حجابستے  
 وہ چہ دلربائیہا، ھے چہ جانستائیہاست  
 با چین تہیاستی بہر چہ بود از ہستی  
 کارما ز سرمستی آستین فشائیہاست  
 اے کہ اندرین وادی مژدہ از ہما دادی  
 بر سرم ز آزادی سایہ را گرائیہاست  
 ذوق فکر غالب را بُردہ زانجمن بیرون  
 باظہوری و صائب محبوب مزائیہاست

(قبل از ۱۸۵۹ء/۱۲۳۳ھ)



غالب زبان بریده و آکنده گوش نیست  
اما دماغ گفتم و شنودنی نمائده است

(قبل از ۱۸۲۹/۱۲۰۳-۱۲۰۴/۱۲۰۵م)

+++++۶۸۳++++

بلبل دلت به ناله خونین به بند نیست  
آسوده زنی که یار تو مشکل پسند نیست  
اندازه گیر ذوق غم ، در مذاق من  
تلخاب گریه را نمکی زهرخند نیست  
عهد وفا ز سویی تو نالستوار بود  
بشکستی و ترا به شکستن گزند نیست  
از دوست میل قرب به گشتن غیبت است  
گر نیغ در کمان به نشاط کند نیست  
بر یاد تو کدام بریخوان بخور سوخت  
گو شرمسار دعوت ناسودمند نیست  
آن لا به های سهرلرا را محل نمائند  
برخوان خود این نگار که مارا مهند نیست

بخود بزمِ سایه طوسی غنوده اند  
 شیکری رهروانِ تمنا بلند نیست  
 هنگامه دلگشمت، نویدم به خلد چیست  
 اندیشه یغنی است، نیازم به پند نیست  
 مے نوش و تکیه بر کرمِ کردگار کن  
 خطِ پیاله را رقمِ چوَن و چند نیست  
 غالب، من و خدا که سرانجام برشکال  
 غیر از شراب و انبه و برفاق و قند نیست

(بن ۶۱۸۳۷ و ۶۱۸۳۸)

++۶۹۸++

منع ما از یاد عظمی احتیاجی بیش نیست  
 محاسب! افتد انکود آبی بیش نیست  
 رنج و راحت برطرف، شاهد پرستانیم ما  
 دوزخ از سرگرمی نازش عتایی بیش نیست  
 خارج از هنگامه سرتا سر به بیکاری گذشت  
 رشته غیر خطیر مدحی عتایی بیش نیست  
 قطره و موج و کف و گرداب جیغونست و بی  
 این من و مائی که میباید عتایی بیش نیست



خویش را صورت پرستان هرزه رسوا کرده اند  
جلوه می‌نامند و در معنی ظایریش نیست

شوخی اندیشه خویشست سر تا پای ما  
قاو و بود هستی ما بیج و تازی نیست

زخم دل لب تشنه شور تبسم‌های تست  
این نمکدانها به چشم ما چراغی نیست

نامدیر از پیشگاه نیاز مکتوب مرا  
باسخه آورده است ، اما جوابی نیست

جلوه کن ، منت مبد ، از دره کمتر نیستم  
حسن با این تابناکی آفتابی نیست

چند و نگین نکتة دلکش ، تکلف بر طرف ،  
دیده‌ام دیوان غالب ، انفعالی نیست

(قبل از ۱۲۹۵/۱۲۳۰ تا ۱۳۰۵/۱۳۴۰)

\*\*\*۷۰\*\*\*

لذتِ عشقم ز فیضِ بینوائی حاصلست  
آنچنان تنگست دست من که بنداری دلاست

هم به قدرِ جوشی دریا نتواند ست موج  
تیغِ سیراب از روانیهای خونِ بسلست

وای لبِ کمرِ دل ز تابِ تشنگی نگذاردم  
سیگارانِ مست و من مخمور و ساقی غافلست

در خمِ بندِ تغافل نالم از پیدادِ عمر  
برده سازِ لغانم پشتِ چشمِ قاتلست

بسکه ضبطِ مشی غم فرسود اعضای مرا  
رازِ دل از همنشینانم نهفتن مشکلمست

شهریِ دل نیست گر حسرت، مرا اینجا از چه رو  
چشمِ اهلِ دل زباندانِ نگاهِ سائلست

با همه نزدیکی از وے کامِ دل نتوان گرفت  
تشنه ما بر کنارِ آبِ جو پدرِ گریست

در نوردِ گمشدگی از آگهی وایانده ایم  
هیچ و تابِ ره نشانِ دوریِ سر منزلست

عقل در اثباتِ وحدت خیره میگردد چرا  
هر چه جز هستیست هیچ و هر چه جز حق باطلست

با همان عینِ خودیم انا خود از وهمِ دنی  
در میانِ ما و غالبِ ما و غالبِ حائلست

(قبل از ۱۸۴۹ء/۱۲۳۰-۳۱ء)

### ۷۱

هم وعده و هم متع ز بخشش چه حساب است  
جان نیست، مگر نتوان داد، سراپست

درمژده ز جویِ عمل و کاغذِ زمره  
چیزے که به دبستگی اوزد می‌نابست

لهراسپ! کجا رفتی و پرویز! کجانی  
آتشکده ویرانه و میخانه خرابست

از جلوه به هنگامه شکیا نتوان شد  
لب تشنه دیدارِ ترا خنک سرابست

با اینهمه دشوار پسندی چه کند کسی  
تا برده برانداخته در بندِ حجابست

دوشینه به سستی که می‌کشد لبش را؟  
کامروز به پیمانۀ می در شکرآبست



رنگ دریا دیده عشق روانست هنوز  
 تا چشما های درین راه به فرسودن رفت  
 باخت از بسکه زلیخا به تماشا می‌نو رنگ  
 از حیا بر در زندان به گِل اندودن رفت  
 بر تنک ما یکم رحم که یک عمر گناه  
 هم به تاراج سبکدستی بخشودن رفت  
 داغِ نردستی اشکم که ز اغیردن دل  
 هر چه در گریه می‌زودیم در اغیزدن رفت  
 بُست و شو مشغله شوخی ابر کرم است  
 دزم آن خرقه که با داغِ نبالودن رفت  
 مدعی خواست رود بر اثرِ من غالب  
 هر چه زو بود به سودایِ چو من بودن رفت

(قبل از ۹۹۰ شمیر ۱۲۳۷/۱۰۰۰ میلادی - جمادی الثانی -)

(۸۱۲۵۳)

﴿۷۳﴾

لکه به چشم نهان و زجبه چین پیداست  
 شکوفی تو ز انداز مهر و کین پیداست  
 نظاره غرضِ جمالت ز نو بهار گرفت  
 شگوه صاحبِ خرمین زخوشه چین پیداست  
 رسید تیغِ توام بر سر و ز سینه گذشت  
 زه شگفتگی دل که از جبین پیداست  
 به جرم دیده خونجبار کشته ما را  
 ترا ز دامن و ما را ز آستین پیداست  
 زه لطافتِ بردازِ سحرِ ابر بهار  
 که هر چه در دل پیداست از زمین پیداست  
 قهقهه رگِ جان سرسبز گداخته شد  
 ز بسج و تابِ نفسهای آتشین پیداست  
 نفسِ گداختنِ جلوه در هوای قدش  
 ز خوی فشانی آن رویِ نازنین پیداست  
 عیارِ قنطریه پیشینیان ز ما خیزد  
 صفای باده ازین دردِ ته نشین پیداست  
 زه شگوه تو کاندر طرازِ صورتِ تو  
 ز خود برآمدنِ صورتِ آفرین پیداست

نهادِ نرم ز شیرینی سخن غالب  
 بسایِ سوم ز اجزایِ الکین بیداست

(قبل از ۲۹ ستمبر ۱۸۳۷ء/۲۸ جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳ء)

\*\*\*

گر بار نیست سایه خود از بید بوده است  
 بارے بگو کہ از تو چہ امید بوده است  
 شادم ز دردِ دل کہ بہ مغزشکیب ریخت  
 نومید نیے کہ راحتِ جاوید بوده است  
 غلامِ ہم از نہادِ خود آزار می‌کشد  
 بر فرقِ ارۃ آرد تشدید بوده است  
 شبہا مکنند ز رویِ تو در پوزۃ خیا  
 مہ کلسۂ گدائیِ خورشید بوده است  
 تلخست تلخ رشکِ تماشایِ خویش  
 شادم کہ دل ز وصلِ تو نومید بوده است  
 در سایۂ روزہ طرہ پریشان چہ می‌روی  
 مے خور کہ در زمانہ شبِ عید بوده است

از رشکِ خوشنوائی ساز خیالِ من  
 مغرورِ بنی زناخنِ ناهید بوده است  
 هرگونه حسرتی که ز آقام می کشیم  
 دُرِ تیه پیالهٔ اسید بوده است  
 حق را ز خلق جو که نوازشِ دید را  
 آئینهٔ خانه سکنتِ توحید بوده است  
 نادان! حریفِ مستیِ غالب شو که او  
 دودی کشی پیالهٔ جمشید بوده است

(قبل از ۱۸۲۹/۵۱۳۴-۳۵)

\*\*\*۷۵\*\*\*

یار در عهدِ شایم به کنار آمد و رفت  
 صبحِ عیدے که در ایامِ بهار آمد و رفت  
 نالهٔ نفسِ باختهٔ پیرویِ شیوهٔ کیست  
 تند بادے که به تاراجِ غبار آمد و رفت  
 سجد گردانِ اثرهایِ وجودست خیال  
 هر چه گل کرد نو گوئی به شمار آمد و رفت



طالعِ سعدی ما بین که کماندار ز پی  
 باره برائشِ خونِ شکار آمد و رفت  
 شادی و غم همه سرگشته‌تر از یکدیگر اند  
 روز روشن به وداع شبِ تار آمد و رفت  
 هرزه مشتاق و بی‌جاده شناسان بردار  
 ای که در راه سخن چون تو هزار آمد و رفت  
 برقِ تعالی سراپای تو میخواست کشید  
 طرزِ رفتارِ ترا آینه دار آمد و رفت  
 هله غافل ز بهاران چه طمع داشته  
 گیر کاسِ سال به رنگینی بار آمد و رفت  
 به فریبِ اثرِ جلوهٔ قاتل عهد یار  
 جان به پروانگیِ شمعِ مزار آمد و رفت  
 غالباً عینِ حزیشت به هنجارِ بروز  
 موجِ این بحر مکرر به کنار آمد و رفت

+++++۷۶+++++

اخترے خوشتر ازینم به جهان میبایست  
 خردِ پیر مرا بهتِ جوان میبایست  
 به زمینے کہ به آهنگِ عزل بنشینم  
 خاکِ گلیوی و هوا مشکِ نشان میبایست  
 بر تپام به سہو بادہ ز دور آوردن  
 خانہ من به سرکویِ سفان میبایست  
 به گرایشِ خوشم، اما به نعایش خوارم  
 برسے چند ز یارم به زبان میبایست  
 تاپِ مہرم نکند خستہ دلی دروہ شوق  
 رویِ گرمے ز رفیقان به میان میبایست  
 نوسہ تابہ در اندیشہ میبہامت ہے  
 برس و جونے ز عزیزان به گمان میبایست  
 سازِ ہستی گنم و دل به فسوسم گیرد  
 ہم در اندیشہ خدنگم به نشان میبایست  
 یا تمنای من از خلدِ برین نکشے  
 یا خود امید گمے در خورِ آن میبایست  
 تا تنگ ماہ بہ درپوزہ خود آرا نشود  
 نرغِ پیرامہ گفتار گران میبایست

قد و انقباس گرم در نظرسنه غالب  
در غم دهر در بزم به قنار سیاحت

(بن ۲۹ شعبان ۱۲۸۳/۴ جمادی الثانی  
۱۲۵۳ و ۲۱ جنوری ۱۲۸۳/۴ شوال  
۱۲۵۳)

### ۷۷۷

از فرنگ آمده در شهر فراوان شده است  
جرعه را دین عوض آرید می ارزان شده است  
چشم بد دور چه خوش می نیم امشب که به روز  
نفس سوخته در سینه پریشان شده است  
در دلش جوئی و دردیر و حرم نشناسی  
تا چه روداد که در زاویه پنهان شده است  
لب گزند بخود و با خود شکر آبی دارد  
تا چه گفت که از گفته پشیمان شده است  
داغم از سور و نظر بازی شوقش به شکر  
کش بود بویه بدان پای که مزگان شده است  
گفتم البته ز من شاد به مردن گردی  
گفت دشوار که مردن به تو آسان شده است  
درد روغن به چراغ و کیدر می به ابله  
تا خورد از شب چه بچاماند که مسمان شده است

شاهد و می ز میان رفته و شادم به سخن  
کشته‌ام بید درین باغ که ویران شده است

شهرتم گر به مثل مانده گردد ، یعنی  
که بر آن مانده خورشید نمکدان شده است

غالب آورده تروشنه ست که از سستی قرب  
هم بدان وحی که آورده غزلخوان شده است

(بین ۱۸۳۲/۱۸۵۷ و ۱۸۳۵/۱۸۶۱)

\*\*\*VA\*\*\*

فغان که بری عتاب تو آنچنانم سوخت  
که راز در دل و مغز اندر استخوانم سوخت

به ذوق خلوت ناز تو خواب گشت تنم  
قضا به عیبده در چشم پاسبانم سوخت

شاید که به آتش سوخت ابراهیم<sup>۳</sup>  
بین که می شوز و شعله میتوانم سوخت

شرار آتش زود گشت در نهادم بود  
که هم به داغستان شیوه دلیبرانم سوخت

عیار جلوه نازش گرفتهن اوزانی  
 هزار بار به تقرب امتحانم سوخت

مرا دمیدن گل در گمان نكشد امروز  
 كه باز بر سر شاخ گل آشیانم سوخت

ز گل فروش نمانم كز اهلی بازار است  
 تپاك گرمی رفتار باغبانم سوخت

چد مایه گرم برون آمدی ز خلوت غیر  
 كه شگوه در دل و پیغاره بر زبانم سوخت

چو وارید فلک كلب در ستاعم نیست  
 ز جوش گرمی بازار دمن دكانم سوخت

نفسی گداختگیهای شوق را لازم  
 چه شمعها به سرا پرده بیانم سوخت

نوید آمدنت رشك از قفا دارد  
 شكفته روئی گلپای بوستانم سوخت

كسی درین كف خاکسرم مباد اباز  
 چه شد گر آتشی همسایه خانانم سوخت

مگر پیام هتابی رسیده است از دوست  
 شكسته رنگی بازاران را ز دامنم سوخت

خبر دهید به قاتل كه هجر می گشدم  
 ز خاستاب چه مات بزم كتانم سوخت

سخن چه عطری شرر بر دماغ زد غالب  
که تاب عطسه اندیشه سخن جهانم سوخت

(قبل از ۲۹ شهریور ۱۲۸۳/۶۱ جمادی الثانی  
۱۲۵۳ هـ)

### ++<٧٩>++

گفتم به روزگار سخنور چو من بیست  
گفتند اندراین که تو گفتی سخن بیست  
معنی غریب مدعی و خانه زاد ماست  
هر جا خلق نادر و اندر یمن بیست  
مشکین غزاله ها که نبینی به هیچ دشت  
در مرغزار های خُشا و ختن بیست  
در صفحه نبودم همه آنچه در دلت  
در بزم کمتر است گل و در چمن بیست  
لیلی به دشت قیس رسیدت ناگهان  
در کاروان جماره محمل فگن بیست  
باید به غم نخوردن عاشق معاف داشت  
آنرا که دل زبون و نشناختن بیست

زور شراب جملوه بت کم سمرده ایم  
 اما نظر به حوصله بر زمین بیست  
 گر در هوای قریب تو بشیم دل، مرغ  
 خود فاکشوده جای در آن انجمن بیست  
 تأثیر آه و ناله مسلم، ولی مری  
 ما را هنوز عریده با خویش بیست  
 غالب، بخورد چرخ قریب، از هزار بار  
 گفتیم به روزگار مخمور چون بیست

(بن ۲۹ شهریور ۱۲۸۳/۲۸ جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳ و ۲۱ جنوری ۱۲۸۳/۲۳ شوال  
 ۱۲۵۳)

### بیت ۸۰

چو صبح من ز سیاهی به شام رساند است  
 چه گوئیم که ز شب چند وقت با چند است  
 به رنج از بی راحت نگاهداشته اند  
 ز حکمت که پای شکسته در بند است  
 دراز دستی من چاکه از فکند، چه عیب  
 ز بیش دلی ورع با هزار پیوند است  
 نه گفته که به تلخی بساز و بند پذیر  
 برو که باد ما تلخ تر ازین بند است

و جود او همه حسنت و عفتیم همه عشق  
 به بخت دشمن و اقبال دوست سرگند است  
 نگاه مهر به دل سرنداده چشمه نوش  
 هنوز عیش به اندازه شکر خند است  
 ز بیم آنکه میادا بمیرم از شادی  
 نگوید ارچه به مرگ من آرزویند است  
 شمار کجروی دوست در نظر دارم  
 درین مورد ندانم که آسان چند است  
 اگر نه بهر من از بهر خود عزیزم دار  
 که بنده خوبی او خوبی خداوند است  
 نه آن بود که ولا خواهد از جهان غالب  
 بدیشکه پرسد و گویند هست خرسند است

(قبل از ۲۲ جولائی ۱۸۳۳ء رجب  
 ۱۲۶۰)



++K138++

ساخت ز راستی به غیر ترکِ فسونگری گرفت  
 زهره به طالعِ عدو شیوه مشتری گرفت  
 شه به گدا کجا رسد، زآنکه چو فتنه روی داد  
 خانم دست دیو بُرد کشورِ دل پری گرفت  
 ترکِ مرا زگیر و دار شغلِ غرض بود نه سود  
 قره اگر نیافت صید خورده به لاهیری گرفت  
 آمد و ازوه غرور بوسه به خلونم نداد  
 ولت و در انجمن ز غیر مزدِ نواگری گرفت  
 اینکه دلت ز غصه سوخت، شکوه نه درخورِ ولایت  
 ور سزد آنکه سرکنی، گیر که سرسری گرفت  
 جاده شناسی کویِ خصم بودم و دوست راه جوی  
 منکرِ ذوقِ همی خورده به دهری گرفت  
 مستیِ مرغِ صبحدم بر رخ گل به بوی تست  
 هرنه ز شرم باغبان جیبه گل توی گرفت  
 رای زدم که با رخم هم به رقم ز دل رود  
 نامه چو پستخشن به بال مرغِ سیگبری گرفت  
 غالب اگر به بزم شعر دیر رسیده، دور نیست  
 کش به فراقِ حسرتی دل ز سخنوری گرفت

۴۸۲۴۴۴

دل بردن ازین شیوه عیانست و عیان نیست  
 دانی که مرا بر تو گمانست و گمان نیست  
 در عرضی هست بیگانه اندیشه لایم  
 با تا سرم انداز یانست و بیان نیست  
 فرمان تو بر جان من و کار من از تو  
 می برده به هر پرده روانست و روان نیست  
 نازم به فری که دهی اهل نظر را  
 کز بوسه یاس به دهانست و دهان نیست  
 داغیم ز گلشن که بهارست و بقا هیچ  
 شادیم به گلشن که خزانست و خزان نیست  
 سرمایه هر قطره که گم گشت به دریا  
 سود هست که مانا به زیانست و زیان نیست  
 در هر مره بر هم زدن این خلق جدیدست  
 نظاره سگاله که همانست و همان نیست  
 در شاخ بود سوچ گل از جوش بهاران  
 چون باده به مینا که نهانست و نهان نیست  
 ناکس ز آئینونیدی ظاهر نشود کسی  
 چون سنگ سپره که گرانست و گران نیست  
 بهلو بشکاید و بیند دلم را  
 تا چند بگویم که چنانست و چنان نیست

غالب، هله نظارگی خویش توان بود  
زین برده برون آکه چنانست و چنان نیست

(قبل از ۲۹ ستمبر ۱۸۳۷ء/۲۸ جمادی الثانی  
۱۲۵۳هـ)

### ++۸۳++

دل بُرد و حق آنست که دلبر نتوان گفت  
بیداد توان دید و سنگبر نتوان گفت  
در رزم گهش ناخج و خنجر نتوان برد  
در بزم گهش باده و سحر نتوان گفت  
رخشندگی ساعد و کردن نتوان جست  
زیبندگی باره و برگو نتوان گفت  
پوشنه دهد باده و سامی نتوان خواند  
همواره تیراند بت و آزر نتوان گفت  
از حوصله یاری مطلب صافه تیزاست  
سروانه شود اینجا ز سمندر نتوان گفت  
هنگامه سر آمد، چه زنی دم ز نظم  
کو خود شمع رفت به محشر نتوان گفت

در گرم روی سایه و سرچشمه نجوییم  
 با ما سخن از طوبی و کتور نتوان گفت  
 آن راز که در سینه نهانست نه وعظ است  
 بردار توان گفت و به منبر نتوان گفت  
 کار می عجب افتاد بدین شیفته سارا  
 مومن نبود غالب و کافر نتوان گفت

(نسخه ۱۸۳۵/۶۱۲۹۱ و ۱۸۹۰/۶۱۲۷۷)

### \*\*\*

اندوده به داغی دوسه برگانه فروریخت  
 چون برگ شقائق جگر از ناله فروریخت  
 آتشکده خوی تو نازم که ز طرفش  
 رنسم شرر و داغ گل ولاله فروریخت  
 بر سادۀ دلالت به وقفا جلوه همی داد  
 بهادرتو آب از رخ دلالت فروریخت  
 گفتم ز که برسم خیر عمر گذشته  
 صافی به قدح بادۀ ده ساله فروریخت

بے سہی نگہ مستی آن چشمِ فسونگر  
 خورم به سیه مستی دلبالہ فرو ریخت  
 مشاطہ به آرایشی آن حسنِ خداداد  
 گل درچمن و کند به شکالہ فرو ریخت  
 باموچِ خراش سخن ازباده مگوئید  
 کلبِ رخ این جوهرِ سیالہ فرو ریخت  
 چون انجم و خورشید ز برقِ دم گرم  
 شیرازہ جمعیتِ تیخالہ فرو ریخت  
 رشکِ خطِ روی تو گر افشرد بدین رنگ  
 بینی کہ مہ از دائرہٴ حالہ فرو ریخت  
 درقالبِ ملاً اثرش پرده کشا شد  
 خاکِ کہ لقا در تنِ گوسالہ فرو ریخت  
 دزدیدہ سر اہلِ سخن از بیم تو غالب  
 گوشی رگِ اہر قلمت ژالہ فرو ریخت

(قبل از ۲۹ شعبان ۱۲۵۷ و ۲۸ جمادی الثانی

۱۲۵۳)



نامرادی بود نوعی آبرو غالب، درین  
در هلاک خویش کوشیدیم و کوشیدن نداشت

(بین ۲۹ شهریور ۱۲۸۳/۶ تا جمادی الثانی  
۱۲۵۳/۵ تا ۲۱ جنوری ۱۲۸۳/۶ شوال  
۱۲۵۳/۵)

+++++۸۶++++

بین که در گل و بلبل جلوه گر برای تو کیست  
میوش دهنه ز حق طالب رضای تو کیست  
چه ناکسی که ز درد فراق مبتلای  
نمی رسی که درین برده هنوای تو کیست  
کلید بستگی نیست غم به جوش اے دل  
نو گر چنین نگهداری گره کشای تو کیست  
شکایتی نفروشی و عشوه نخواری  
نو آشنای کنه خواهی و آشنای تو کیست  
ترا که موجه گل تا کمر بود دریا  
که حرق خون به در بوستان برای تو کیست  
هلا به صورت زلف تو رو به ما آورد  
به بند خصمی دهریم، مبتلای تو کیست  
تراست جلوه فراوان درین بساط، ولی  
هریاب بادیه سیخواره آشنای تو کیست

ز وارثانِ شهیدان، هراس، یعنی چه  
 تو کیست دستِ قضا گشته ادایِ تو کیست  
 به انتظارِ تو در پاسِ وقتِ خویشتم  
 فریبِ خورده نیرنگِ وعده‌هایِ تو کیست  
 زلالِ لعلِ تو سیرابیِ هوسناکان  
 یکے بین که جگر تشنه جفایِ تو کیست  
 ترا ز اهلِ هوس هر یکے به جایِ من است  
 تو و خدایِ تو، شاهم، مرا به جایِ تو کیست  
 فرشته ۱ معنی "من رنگ"، نمی فهمم  
 به من بگوی که غالب بگو، خدایِ تو کیست

(قبل از ۲۹ شهریور ۱۳۳۷/۲۸ جمادی الثانی  
 ۱۳۵۳ هـ)



۸۷

به وادئی که دران خضر را عصا خفتست  
 بسینه می سپرم ره اگرچه با خفتست  
 بدین نیاز که بااست ناز می‌رسم  
 گدا به سایه دیوار پادشا خفتست  
 به صبح حشر چنین خسته روسیه خیزد  
 که دوشکایت درد و غم دوا خفتست  
 خروشی حلقه زندان ز نازنین پسرست  
 که سر به زانوی زاهد به بوریا خفتست  
 هوا مخالف و تسب تار و بحر طوفان خیز  
 گسته لشکر کشتی و ناخدا خفتست  
 غمت به شهر شبخون زنان به تنگه خلی  
 عسی به خانه و شه درخرم سرا خفتست  
 دلم به سبزه و سجاده و ردا لرزد  
 که دزد مرحله بیدار و پارسا خفتست  
 درازی شب و بیداری من اینهمه نیست  
 ز بخت من خبر آرید تا کجا خفتست  
 بین ز دور و مجو لرب شه که منظر را  
 درچه باز و به دروازه اژدها خفتست  
 برای خفتن من هر که بشکوده داند  
 که میر قافله در کاروانسرا خفتست

دگر ز این راه و توب کعبه چه حظ  
 مرا که نامه ز رفتار سائلد و با خفتست  
 به خواب چون خودم آمده دل میان غالب  
 که بسته نمراله به خون خفته است تا خفتست

(بین ۵۱۸۳۶/۵۱۲۵۷ و ۵۱۸۳۵/۵۱۲۶۱)

++888++

گشته را رشک گشته دگرت  
 من و زخمی که سردل از جگرت  
 رسد اجزای روزگار ز هم  
 روز و شب در قفای یکدگرت  
 مستی انداز لغزشی دارد  
 حیف پانجه که آتش ز سرت  
 ناله را مایه او کرد اثر  
 دل سختش دکان شیشه گرت  
 دوستان دشمنند و ورنه مدام  
 شیخ او سحر و خون ما در دست  
 پرده عیب جو دریده او  
 نه کب کب لکم ز دشمنه نیز گرت

عقل و دین برده، دل و جان نیز  
 آنچه از ما نبرده خیرست  
 سه حریر و گدا پلاش برود  
 آنچه من قطع کرده ام نظرت  
 منت از دل نمیتوان برداشت  
 شکم ایزد که ناله پی ارم  
 قفس و دام را گشاید نیست  
 ریختن در نهادهای و برست  
 ویزد آن برگ و این گل افشاند  
 هم خزان هم بهار درگذشت  
 کم خود گیر و بیش شو غالب  
 قطره از ترکیب خویشتن گهرست

(بیل از ۲۹ شهریور ۱۳۳۱/۶/۲ جمادی الثانی)

(۸۱۳۵۳)

۱۸۹۳

خند را زنده سخن بیفته گمانم هست  
 اندرین دیر کهن میکند آشنایم هست  
 خسروی بناده درین دور اگر میخواهی  
 پیشی با آی که نه جرعه از جامی هست  
 نامه از سوز دروتم به رقم سوخته شد  
 فاصد از دم زند از حوصله بیغایم هست  
 حقد و آزادی جاوید هما را نیازم  
 کش پیر سو کشته از تنگی دامی هست  
 گفته اند از تو که بر سادہ دلان بخشائی  
 بخته کاری ست که ما را طبع خاص هست  
 که رخ آرائی و گد زلف سپه تاب دهی  
 یاد ناری که مرا تیره برانجامی هست  
 بے نو گو زیسته ام، سختی این درد بستج  
 بگذر از مرگ که وابسته به تنگی هست  
 کیست در کعبه که رطلی ز نینم بخشد  
 و در گروگان طلبده جامه احرامی هست  
 می صافی ز فرونگه آید و شاهد ز تار  
 ما ندانیم که بغدادی و بسطامی هست  
 بردی نازک دلدار گروانی سکند  
 خواستی ما که جگر گونه اصرامی هست



گیرم که رسم عتیق من آورده‌ام به دهر  
ظلم آنرا بدله دلی حق ناشناسی کیست  
صحن چمن نمونه بزم طواغی تو  
بادِ حجر علاقه ربطِ حواسی کیست  
غالب، بت مرا نگه ناز لحظ نیست  
تا با منشی مضایقه چندین به پاسی کیست

(قبل از ۳۹ شعبان ۱۲۳۷ هـ/۲۰ جولای ۱۸۵۳)  
۱۵۱۲۵۳

### ۹۱

آنکه بے پرده بعد داغِ نمایانم سوخت  
دیده پوشید و گمان کرد که پنهانم سوخت  
نه بدرجسته شرار و نه بجا مانده رباد  
سوختم، لیک ندانم به چه عنوانم سوخت  
سینه از اشک جدا، دیده جدا میسوزد  
این رگِ امیر شرریار پریشانم سوخت  
حاجت افتاد به روزم ز سیاهی به چراغ  
دل به بیروقتی سهر دوشانم سوخت

سودم از ارزشم افزون بود آن خار و خشم  
 کز بی‌پشه توان در چمنستانم سوخت  
 کافر عشقم و دوزخ نبود در خورم  
 غیرت گرمی هنگامه صحنانم سوخت  
 باهم از گرمی رفتار نمی‌سوخت به راه  
 در قدم سوختن خار یابانم سوخت  
 نالندانی به فسون تو دوا آتش رفتن  
 خود به داغ تو دل دیربشانم سوخت  
 کردم از سنگ جگر، تا نشوم خسته عشق  
 هم بدان سنگ بهم خوردن بیکانم سوخت  
 دیگر از خانه کفر چه گویم غالب  
 من که رختندگی جوهر ایمانم سوخت

(بین ۲۱ جنوری ۱۸۳۸/۲۲ شوال ۱۲۵۳ هـ)

و ۳ جولائی ۱۸۳۸/۱۱ ربیع الثانی

(۱۲۵۳ هـ)

۴۴۹۲۵۴۴

در بذلِ لالی و رقمِ دستِ کریمست  
 نے نے نہی کلکم رگِ مژگانِ یتیمست  
 رشحِ کفِ جم می چکد از مغزِ سفالم  
 سیرابیِ نظمم اتیرِ لیطی حکیمست  
 از آتشی لہراسِ نشانِ میدہد امروز  
 سوزے کہ بہ خاکم ز نو در عظمِ ریمست  
 از حرفِ من اندیشہ گلستانِ خلیست  
 از رویِ تو آئینہ کفِ دستِ کلیمست  
 چشم و نگہت گردشِ جانے ز نبذست  
 کلک و ورتم تابِ سپیلے بر ادبست  
 در جُشنِ مائندِ تو نظارہ زبولست  
 در زادنِ ہتایِ من اندیشہ عقیمست  
 ذوقِ طلبت جنبشی اجزایِ بہارست  
 شورِ نفسم رعشۂ اعضایِ نیمست  
 در نطقِ سیحادم ، از خصم چہ پاکست  
 در ناز ز خود می می، از غیر چہ یمست  
 بے پردہ ستم کن، رُخت از بادہ دو رنگست  
 بے صرفہ بتالم، دلم از غصہ دولیمست



بختم ندهد کام دل غمزه غالب  
گوئی لب پاست که در بوسه نیست

(قبل از ۲۹ شهریور ۱۲۸۳/۶/۲۸ جمادی الثانی  
۱۲۵۳هـ)

\*\*\*۹۳\*\*\*

در بند تو چشم از دو جهان دوخته هست  
هش دار که شمای تو آموخته هست  
افغان مرا به هشی ساخته نیست  
در زمزمه بوی جگر سوخته هست  
در دیده ز رخ پرده بر انداخته نیست  
در مینه دوسد عریده اندوخته هست  
زانسوی به سیدان وفا ناخته نیست  
زین سو عوج جانگیری ناخته هست  
در راه تو این قید افراخته نیست  
در بزم عشاقش رخ افروخته هست  
در قاب مرو، غالب اگر پیچیده گردد  
در کوی تو گوئی سگ با سوخته هست

(قبل از ۲۹ شهریور ۱۲۸۳/۶/۲۸ جمادی الثانی  
۱۲۵۳هـ)



باسم که عاشقم سخن از تنگ و نام چیست  
در اسرار خاص حجت دستور عام چیست

مستم زخون دل که دو چشمم ازان پرست  
گوئی بخور شراب و نبینی به جام چیست

ہا دوست ہر کہ بادۂ خلوت خورد مدام  
داند کہ حور و کوثر و دارالسلام چیست

دلخستہ نعیم و بزدل سے دوايِ ما  
باختگانِ حدیثِ حلال و حرام چیست

در روز تیره از شب تارم نمائند بیم  
چون صبح نیست خود چه شناسم که شام چیست

با خیلِ سوزِ میری از ره خوشی است فال  
قاصدِ بگو کز آن لبِ توشیح پیام چیست

گفتی قفسِ خویش است توان بال و پر کشود  
بارے علاجِ خصمتگی بند دامِ چیت

از کلمه کرام نصیب است خاک را  
تا از فنک نصیب کاس کرام چیست

نیکی ز تست از تو نخواهیم مزدگار  
ور خود بدیم کار توایم انتقام چیست

غالب اگر نه خرقه و مصحف بهم فروخت  
برسد چرا که سرخ می لعلی فام چیست

(ص ۵۸۸/۴۶ و ۵۸۵/۴۱ و ۵۸۶/۴۲)

### \*\*\*۹۵\*\*\*

گل را بدجرم غریبه رنگ و بو گرفت  
وای سخن بدعاشق آرزوم جو گرفت  
لطف خدای ذوق نشاطش نپسندد  
کافر دلے که باستم دوست خو گرفت  
چون اصل کار در نظر همتش نبود  
بچاره خورده بروی جستجو گرفت  
در خلوتی کشود خیالم و دعا  
کز تنگی بساط نفس در گلو گرفت  
شرمشده نوازش گردون نعماندم  
گر چاک دوخت، جامه به مزد رفو گرفت  
باخوشتن چه مایه نظر باز بوده است  
کزین دل مرا به هزار آرزو گرفت  
گفتم خود از شاعره بخشایش آورد  
خوش باد حال دوست که عالم نکو گرفت

از یک سیوست پاده و نسبت جدا جداست  
 جمشید جام برزد و قلندر کندو گرفت  
 فرمان روا نه گشت مسلمان به هیچ عصر  
 گرفت رفت مغ ز میکنه، ترما فرو گرفت  
 ایمان اگر به خوف و رجا کردم استوار  
 اخلاص در نمود و قائم دو رو گرفت  
 هرقشده در نشاط و سماع آورد مرا  
 گوئی فلک به عریده هنجار او گرفت  
 رضوان چو شهد و شجر به غالب حواله کرد  
 بیچاره باز داد و می مشک بو گرفت

(لعل از ۲۹ شهریور ۱۲۸۱/۵۱ جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳ هـ)

++۹۹++

عیارِ طرفِ مزارم به بیج و تابی هست  
 هنوز در رگ اندیشه اضطرابی هست  
 به بانگِ صور سر از خاک بر نمی دارم  
 هنوز در نظرم چشم نیمخوابی هست  
 ز سردیِ نفسی نامه بر توان دانست  
 که نارسیده پیام مرا جوابی هست  
 بهره جان به غلط دادم و نهانستم  
 که یار دیر پندم و زود یابی هست  
 نظرفروز اداها به دشمن ارزانی  
 به من سوار اگر داغ حینه تابی هست  
 ز صوری نمکِ بریشی نهانی هست  
 اگر مرا جگر تشنه عشای هست  
 خود اولین لعل می بنوش و ساقی شو  
 که آخر از طرفِ تست، گر حجابی هست  
 مگر دهم جگر تشنه را دل به دوغ  
 نشان دهد به راهش، اگر سرابی هست  
 ز سرد مهری ایام نیستیم نشوند  
 که در خرابه ما روی آتایی هست  
 بهار هند بود برشکال، هان غالب  
 درین خزان کده هم موسم شرابی هست

۴۹۷/۴۹۸

تا بسویم نظیر لطفِ جویِ ناسین است  
 سبزِ ام کلین و خارِ گل و خاکِ چمنست  
 ای که تا نام تو آرایشِ عنوان بخشید  
 صلحِ نام به شادابی برگِ سمنست  
 کلکم از تازگیِ مدحِ تو دربارهٔ خویش  
 تارِجِ آینهٔ الله تَبَّاتَا حَسَنُ ست  
 گهراشتانیِ مدحِ تو به جنبشِ آورد  
 خامهٔ ام را که کلیدِ درِ گنجِ سختست  
 هر دم از رایِ منیرِ تو کفّ کسبِ ضیا  
 مهرِ تابان که فروزندهٔ این العجنت  
 به خیالِ تو به سحابِ شکویم که مگر  
 عکسِ رویِ تو درین آینهٔ پرتو نگشت  
 راست گفتارم و یزدان نیستند جز راست  
 حرفِ نازِ راستِ سرودنِ روشِ اهرمنست  
 آنچنان گشته یکسِ دل به زیانم که مرا  
 میتوان گفت که لختهٔ زدلِ اندر دهنت  
 راستی اینکه دمِ مهر و وقایِ تو به دل  
 با هم آمیخته مانندی روان با بدنست  
 دوری از دیده اگر روی دهد دور نه  
 زانکه پیوسته ترا در دلِ زارم وطنست

داورا گرچه همایم به همایون سخی  
 لیک در دهر مرا طالع زاغ و زغنست  
 جز به اندوه دل و رنج تم نغزاید  
 ناله هر چند ز اندوه دل و رنج نغست  
 سینه می‌موزد ازان اشک که در دامن نیست  
 به جگر می‌خلد آن خار که در پیر هفتست  
 یکسپه‌ای من از صورتِ عالم دریاب  
 مرده‌ام بر سر راه و کفِ خاکم گفتست  
 حیف باشد که دلم مرده و پرش نکنی  
 به جهان پرشی مانعزده رسم کهنست  
 چشم دارم که فرستی به جواب غزلیم  
 آن رضا نامه که از لطف تو مطلوب منست  
 غالب خسته به جان جای بر آن در دارد  
 گر به تن معتکف گوشه بیت العزاست

۱۱۹۸۹۸۹۱۱

نه مرزہ همچو نے از مغز استخوان خالیست  
 که جای ناله زارے درین میان خالیست  
 روم به کعبه زکوی تو و ز حق خجلم  
 ز سجدہ جیبہ و از ہوشم زبان خالیست  
 هجوم گل بہ گلستان ہلاک شولم کرد  
 کہ جانمانندہ و جای تو همچنان خالیست  
 گریستم ، نگرستی ، بہ خون تہم کامروز  
 زہارۂ چگرم چشم خونچکان خالیست  
 نہ شاہدے بہ تماشا نہ بدلے بہ نوا  
 زخچہ گلبن و از بلبل آشیان خالیست  
 کنم بہ جنبش دل تیشہ از بڑی لبریز  
 سرم ز بادِ نسون سنجی زبان خالیست  
 گوش بدیدن من گریہ رونداد ، چہ جرم  
 نہاد آتشی شوق من از دخان خالیست  
 یو از سہاس ادای تو دقتے دارم  
 کہ یکسر از رقم پریشی نہان خالیست  
 امام شہر بہ مسجد اگر رهم ندد  
 نہ جای من بہ نیایش گہ مغان خالیست



خرابِ ذوقِ بیروذوشی کیستم غالب  
که چون هلالِ سراپایم از میانِ خالیت

(قبل از ۲۹ ستمبر ۱۸۳۷ء/۲۸ جمادی الثانی  
۱۲۵۳ء)

### ++99++

زمن گستی و پیوند مشکل افتادست  
مرا بگیر به خونے کہ در دل افتادست  
رسد دمی کہ خجالت کشم ز گرمی دوست  
ز خصم داغم و اندیشه باطل افتادست  
به قدرِ ذوقِ تبیدن به گشته جا بخشد  
سخن به محکمہ در کیشی قابل افتادست  
شکافے از جگرِ ذوقِ نم بیرون ندهد  
به وادئے کہ مرا بار در گل افتادست  
درین روش به چه امید دل نوان بستن  
میاند من و او شوق حائل افتادست  
به ترکیبِ گویہ برم دھشت اثر ز دلش  
کہ خود ز تیرویِ ناله خافل افتادست  
به صبر کم نیم، اسا عیارِ ابوسی  
به قدرِ آنکہ گرفتند، کامل افتادست

چرد نهنک و سمندر در آب و آتش من  
 تم به قلم و کشتی به ساحل افتادست  
 به روی صید تو از ذوق استخوان تنش  
 هما ز تیزی پرواز بسمل افتادست  
 چو اندر آینه با خویش لایه ساز شوی  
 ز خود بجوی که ما را چه درد دل افتادست  
 حریف ما همه بی بذله می خورد غالب  
 مگر ز خلوت و اعط به محفل افتادست

(بین ۲۹ دسمبر ۱۸۳۷ء/ ۲۸ جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳ھ و ۲۱ جنوری ۱۸۳۸ء  
 ۲۲ شوال ۱۲۵۳ھ)

### ۱۰۰

ایمنیم از مرگ تا تیغ جراحت بار هست  
 روزی ناخورده ما در جهان بسیار هست  
 ما و خاک رهگذر بر فرق عریان ریختن  
 گل کسے جوید که او را گوشه دستار هست  
 باره امیدوار شیم ، تکلف بر طرف  
 با همه بی التفاتی دودمند آزار هست  
 بر سر کوی تو با سپرم به جنگ آرد می  
 این هجوم ذره کاند در روزی دیوار هست

در خموشی تابشی رویِ عریض کاشِ نگر  
 تا چها هتکله سرگرمی گفتار هست  
 بی‌نواهی بین که گر در کلبه‌ام باشد چراغ  
 بخت را نازم که بامن دولتِ بیدار هست  
 در پرستش ستم و دو کلمه‌جویی استوار  
 پادشاه را بنده کم خدمتِ پر خوار هست  
 رازِ دیدنها مجوی و از شنیدنها سگوی  
 نقشها در خانه و آهنگها در تار هست  
 گر نموداریمت نقشی سجده بر سیمای دروغ  
 و نشانندیمت دوشِ خسته زنار هست  
 دور باش از ریزه‌های استخوانم ای هما  
 کاین بساطِ دعوتِ مرغابی آتشِ خوار هست  
 کهنه نخلِ تازه از صرصر ز پا افتاده ام  
 خاکم از کاوی هنوزم ریشه در گلزار هست  
 باد برد آن گنجِ باد آورد و غالب را هنوز  
 ناله‌ی الماسِ پاش و چشمِ گوهر بار هست

(بین ۲۹ شهریور ۱۲۸۳۷/۶۸ جمادی‌الثانی)

۱۲۸۵۳ و ۲۱ جدوری ۱۲۸۳۸/

۲۳ شوال ۱۲۸۵۳)

++(۱۰۱)++

چشمم از ابر اشکیار ترست  
 از عرو جبهه چهار تو منم  
 گریه کرد از نوب و زارم گشت  
 نگه از تیغ آیدار ترست  
 می بر انگیزدش به گشتن من  
 دهن از دوت مشکبار ترست  
 دی مگر مست بوده کامروز  
 شکرم از شکوه ناگوار ترست  
 ای که خوی تو همچو روی تو نیست  
 دیده از دل اسیدوار ترست  
 نو بدولت رسیده را نگریه  
 خطش از زلف مشکبار ترست  
 طفلی و پردلیر می شکنی  
 آه عهدی که استوار ترست  
 همه عجز و نیاز می خواهند  
 زار تر هر که حق گزار ترست  
 خسته از راه دور می آیم  
 با ز این باره فگار ترست  
 شکوه از خوی دوت نتوان کرد  
 باد تند سازگار ترست

میرسد، گیر به خویشتن نازد  
غالب از خویش خاکسارترست

(بین ۲۹ ستمبر ۱۸۳۷ء تا ۲۸ جمادی الثانی  
۱۲۵۳ء و ۲۱ جنوری ۱۸۳۸ء  
۲۳ شوال ۱۲۵۳ء)

﴿۱۰۲﴾

ظہور بخشش حق را ذریعہ ہے سببست  
و گرنہ شرم گنہ در شمار ہے ادیبست  
ز گیر و دار چہ غم، چون بد عالمیکہ منم  
هنوز قصہ حلاج حرف زبیر لبست  
رسوز دین نشناسم دوست و معذورم  
نہاد من عجبی و طریق من عربیبست  
نشاط جہم طلب از آسمان نہ شوکت جہم  
قدح بیافش ز باقوت، بادہ گر غریبست  
بہ التفات تیرزم، در آرزو چہ نزاع  
نشاط خاطر مفلس ز کعبہ طلبیبست  
بود بہ طالع ما آفتاب تحت الارض  
فروع صبح ازل دوشراب نبشیبست

نه هم بیالگی زاعبدان      بلایم بود  
 خوشست گر می بیفش      خلافِ شرع نیست  
 هرآنچه درنگری، جز به جنس مائل نیست  
 عیارِ بیکسی ما      شرافتِ نسبت  
 کسیکه از تو فریب وفا خورد، داند  
 که بیوفائی گِل      دوشمارِ بوالعجبست  
 میانِ غالب و واعظ      نزاع شد سانی  
 یا به لایه که هجرانِ قوتِ غضبست

(بن ۲۹ شهریور ۱۲۸۳/۶ جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳ و ۲۱ جنوری ۱۲۸۳/۶  
 ۲۲ شوال ۱۲۵۳)

### +++ (۱۰۳) +++

نشاطِ معنویان از شراپخانه تست  
 قسومِ بایلیان فصلی از قسافه تست  
 به جام و آینه حرفِ جم و سکندر چیست  
 که هرچه رفت به هر عهد، در زمانه تست  
 فریبِ حسنِ شان بیشکنش اسیرِ توایم  
 اگر خطمت، و گر خال، دام و دانه تست  
 هم از احاطه تست اینکه در جهان ما را  
 قدم به شکله و سر بر آستانه تست

سپهر را تو به تاراج ما گماشته  
 نه هر چه دزد ز ما بُرد در خزانه تست؟  
 مرا چه جرم، گر اندیشه آسمان بیاعت  
 نه تیزگسی توسن ز تازیانه تست  
 کمان زجرخ و خدنگ از پلا و پر ز قضا  
 خدنگ خورده این صید که نشانه تست  
 سحابی جود تو فرست آفرینش را  
 درین فریضه دوگیتی همان دوگانه تست  
 تو ای که محو سخن گسترانِ ییشنی  
 باش منکر غالب که در زمانه تست

\*\*\*

منع ز صہبا چرا بادہ روان پرواست  
خوف ز عمیان عبت ، خواجہ شاعر است  
پرتو میر و مہ است نور بہ چشم اندرون  
گرچہ بود در قدح ، اصل مے از کونراست  
عہد جوانی گذشت ، توبہ نکردم هنوز  
بادہ بہ پیران سری نیک بہ من درخور است  
اے بہ من آویزشہ ، پارہ از جای گرد  
تا نقد پر زمین بادہ کہ در ساغر است  
ہند بہ هنگام دے خوش بود آب و ہواش  
ورنہ بود گل ، ز گل سہل گل خوشتر است  
ایکہ ز نظارہ حسنِ بستان مانعی  
چشم تو گر بستہ اند ، رو کہ دو گوشم کراست  
خستہ بارِ خودم ، باغ و بہارِ خودم  
ہر مرۂ خولشان شاخ گلِ احمر است  
صبح رسید از ہوا مرغِ ہمایون ہما  
گفت کہ مکتوب تو در خور این شہر است  
گفتم اگر خوش کنی ورنہ کنی حرف من  
بالِ تو از بہر دوست مروحہ را درخور است  
وہ بہ سوی جانورہ میروی البتہ رو  
سایہ بہ فرقی لکن آنکہ ہمایون فراست



نامہ من سوی دوست خانِ جهان خان پر  
 آنکہ ز پہلوی دوست نامی و نام آواست  
 خود ز کتب نامہ پر نامہ ستاند یہ مہر  
 آنکہ مہان را مہ است، آنکہ سران را سر است  
 ابر بہاوش بخوان، بحرِ روانی بدان  
 مجتہم الدولہ را دست و دلے دیگر است  
 آن شہِ خویان چرا ناز ز افسر کشد  
 خود کلمہ از لہجہی پر سراو افسراست  
 نامہ کہ ہے نامِ اوست طائر ہے بال و پر  
 شعر کہ ہے مدحِ اوست شاہد ہے زبورا است  
 مدحِ چہین شہ نشان سہل شمارد ہی  
 غالب وحشی نگر کش چہ ہوا دوسراست

(نہن ۱۸۶۱ء/۱۲۶۶-۶۸ء و ۱۸۶۵ء)

(قبل از ۲۹ اپریل/۲ ذوالحجہ ۱۲۸۱ء)



نشان ز غفلتِ غالب که کارش از سستی  
ز دست رفته و داند که پا خدا انداخت

(نسخه ۱۸۶۱/۷۷۶-۷۷۷ و ۱۸۶۲/۷۷۷-۷۷۸)  
(نسخه ۱۸۶۲/۷۷۷-۷۷۸)

### ۱۰۶

محو خودم، لیک، نه چون س، درین چه بحث  
او چون خودم نداشته دشمن، درین چه بحث  
افسانه گوشت غیر، چه سحر انگیز بر او  
غم برتابد این همه گفتن، درین چه بحث  
جیغون و نال نیست، دلست از خدا پترس  
گر نیست خون دیده به دامن، درین چه بحث  
بیچاره بین که جان به شکر خنده داده است  
خوشانش از روند به شیون، درین چه بحث  
بے پرده شو ز غصه و الزام ده مرا  
گفتم که گل خوشست به گلشن، درین چه بحث  
مژگان به دل ز ذوقِ نگه میرود فرو  
بے رشته نیست جنبشِ سوزن، درین چه بحث  
بت را به جلوه دیده و برجای مانده است  
گر بحث میکنم به برهن، درین چه بحث



از خود به ذوقِ زمزمه میتوان گفت  
 چندین هزار برده سرودن چه احتیاج  
 در دستِ دیگرست سفید و سیاه ما  
 با روز و شب به عرینه بودن چه احتیاج  
 قالب کشوده، سزه در دل دوده است  
 بوسه لب ترا به ریودن چه احتیاج  
 بشکن در آتش و تب و تباهم تقاره کن  
 غنایه سرا به کشودن چه احتیاج  
 آن شکن که در نگاه کسان محشم شوی  
 بر خویش هم ز خویش فزودن چه احتیاج  
 خواب است وجهی هست آواره بینشان  
 محور رخ ترا به غنودن چه احتیاج  
 تاپِ مسموم فشنده گر ایست غالباً  
 کشت امید را به درودن چه احتیاج

﴿ ۸۰ ۱ ﴾

جلوه بخوانیم آتش شو ، دواي ما مسنج  
 دستگاه خویش بین و مددای ما مسنج  
 گر خودت میری بجند ، کام مشتاقان بده  
 ورنه نیروی نضا اقدر رضای ما مسنج  
 همنشین دارو ده و دل در خدای پاک بند  
 میروی از کز ، درد بی دواي ما مسنج  
 مرگ ما را تا که تمهید شکایت کرده است  
 رنج و اقدوس که دارد از برای ما مسنج  
 ای که نعتی ما بُری ، بندارم از ما بود  
 دستمزد او چه داری ، خونبهای ما مسنج  
 خویش را شیرین شعردی ، خصم را پرویز گیر  
 سرگشت کوهکن با ماجرایی ما مسنج  
 آه از شرم تو و ناکامی ما ، زود باش  
 در تنهایی بایه مهر و وفاي ما مسنج  
 زاری ما در غم دل دید و شادی مرگ شد  
 مردن دشمن ز تأثیر دهای ما مسنج  
 کلبه محواست ، عیب بی زوال ما مهتر  
 دیده ها کوراست ، جنی ناروای ما مسنج

درگفتار زین برده ، چون دسباز غالب نیستی  
مدعی عتجار خود گیر و نوای ما مستیج

(قبل از ۲۹ شهریور ۱۲۴۷/۶۱ جمادی الثانی  
۱۲۵۳هـ)

۱۰۹

دو برده شکایت ز تو داریم و بیان هیچ  
زخم دل ما جمله دهانست و زبان هیچ  
ای حسن گراز راست فرنجی ، سخن هت  
ناز اینهمه یعنی چه ، کمر هیچ و دهان هیچ  
درواه تو هر موج غبار هست روانی  
دلنگ نگر دم ز هر افشاندن جان هیچ  
برگریه بیفزود ، ز دل ، هر چه فروریخت  
در عشق بود تفرقه سود و زبان هیچ  
تن بر روی خلق فزون شد ز رهاخت  
جز گرمی افطار ندارد رمضان هیچ  
دنیا طبعان عربده مفت است ، بجوشید  
آزادی ما هیچ و گرفتاری تان هیچ  
بیمانه رنگی ست درین یزم به گردش  
هستی همه طوفان بهارست ، خزان هیچ

عالم همه مرآتِ وجودست ، عدم چیست  
تا کار کند چشم ، محیطست و کران هیچ  
در پردهٔ رسوائی منصور نوائے ست  
رازت نشودیم ازین خلوتیان هیچ  
غالب ز گرفتاریِ اوهام برون آی  
باقه جهان هیچ و بد و نیک جهان هیچ

(قبل از ۲۹ شهریور ۱۲۸۳/۶ تا جمادی الثانی  
۱۲۵۳ هـ)

### \*\*\* (۱۱۰) \*\*\*

ایکه نبوی هرچه نبود ، دوتماشایش هیچ  
نیست غیر از سیمای عالم ، بهسودایش هیچ  
موجه از دریا ، شعاع از مهر ، حیرانی چراست  
محرواصلی مدعا باشد و بر اجزایش هیچ  
آسمان و همست از برجیس و کیوانش مگوی  
نقش ما هیچست بر پنهان و پیدایش هیچ  
آخر از سینا به جاء و پایه افزون نیستی  
بندگی ساقی شو و گردن ز ایندیش هیچ



صورتی باید که باشد نغز و زینا ، روزگار  
 گو به اکسوش مپوش و گو به دیارش مپیچ  
 نامه عنوانش به نام تست ، زانو تازه است  
 داغ غم دارد سوادش ، بر سراپایش مپیچ  
 دل از آن تست و نعمتهای الوانش تراست  
 سخت درهم چون ساطع خوان بهمایش مپیچ  
 اے هوس کارت زگستاخی به بیرحمی کشید  
 نازکهای میانش بین ، به بالایش مپیچ  
 بیش ازین گم بود ، اینهم التفانی بوده است  
 این قدر بر خود زرنجشهای بجایش مپیچ  
 نعتی غالب همچین بر جا گذار ، آخر شبست  
 خیز و در کعبی برنید گوهر آرایش مپیچ

(قبل از ۲۹ سپتامبر ۱۸۳۷/۱۲۸۱ جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳ هـ)

++111++

بادِ برنو خورشید و ایامِ دمِ صبح  
مفتِ آنان که در آینه به باغِ دمِ صبح

آفتابیم بهم دشمن و عذرِ اے شمع  
ما هلاکِ پرشامیم و نو داغِ دمِ صبح

بعدِ آنان که قریب اند به ما ثوبِ ماست  
آخرِ کلفتِ شبهاست فراغِ دمِ صبح

زین سس جلوه خور جای چراغان گیرد  
شبِ اندیشه ز ما بافت سراغِ دمِ صبح

همی ازین یادِ بهار این همه سرست نبود  
شبنمِ ماست که ترکرده دماغِ دمِ صبح

سخنِ ما ز لطافت همه سرخوشی می است  
که فرو ریخته از طرفِ ایامِ دمِ صبح

ذوقِ سنی ز هم آهنگی بلبل خیزد  
مفکن آواز بر آوازِ کلاغِ دمِ صبح

حقِ آن گرمی هنگامه که دارم بشناس  
ایکه در بزمِ نو مانم به چراغِ دمِ صبح

بوی گلِ گر نه نویدِ کرم داشت ، چه داشت  
اے به شب کرده تراوشِ جناحِ دمِ صبح

غالب، امروز به وقتی که صبحی زده ام  
چند ام این گل اندیشه زباغ دم صبح

(قبل از ۲۹ دسمبر ۱۸۳۱ء / ۲۸ جمادی الثانی  
۱۲۵۳هـ)

### ۱۱۲

آه به عشق ناتج حیر کنیم طرح  
در گنبد سبزه مگر در کنیم طرح  
در فصل دے کہ گشته جهان زمهریر ازو  
بشین کہ آب گردش ساغر کنیم طرح  
تا چند نشوی تو و ما حسب حال خویش  
السانہ های غیر مکتور کنیم طرح  
ما را زبون مگیر، گر ازها در آمدهیم  
از ما عجب مدار، گر از سر کنیم طرح  
هونے به چرخ دادن گردون بر آوریم  
عیشے به داغ کنون اختر کنیم طرح  
خود را به شاعری پرستیم زین پس  
در راه عشق جادہ دیگر کنیم طرح  
رخ شوق پرده نشینی نشان دھیم  
در زخم رشک روزنه در کنیم طرح

از تار و پیود تاله      تقای دهم ساز  
وزدود سینه      زلف معنبر کنیم طرح

برگه حلل ز شعله و آذر بهم نیم  
پیرایه از شراره و اشکر کنیم طرح

از زخم و داغ لاله و گل دو نظر کشیم  
از کوه و دشت حجله و منظر کنیم طرح

از سوز و ساز محرم و مطرب کنیم جمع  
از خار و خار و بالشی و پستری کنیم طرح

آئینی برهمن به نهایت رسالده ایم  
غالب یا که خیره آرز کنیم طرح

(قبل از ۲۹ شهریور ۱۳۰۱/۱۲/۲ جمادی الثانی  
۱۳۵۳هـ)



طوطیان در شکر آیند به غالب، مکاراست  
نهی از نطق به تاراجِ شکرها گستاخ

(قبل از ۲۹ شهریور ۱۲۸۳/۶۲ جمادی الثانی  
۱۲۵۳ هـ)

### بیت ۱۱۹

تا بشوید نهاد ما ز رخ  
گشت گرمابه ساز از دوزخ  
تا چه بخشد در جهانِ دگر  
کششگانی ترا چمنِ یوزخ  
و که از کشتزارِ امیدم  
بهره سور نیز بُردِ مصلح  
دلیم اجزای ناله را مدفن  
دوت اشخامی بقعه را مصلح  
از دل آرم بساط من آتشی  
از تو گویم بوات من بر یخ  
هرس ما و دانه از یک دست  
نفسی ما و دام از یک نخ

مرگ در خوردِ صفتِ فلک است  
 به شکایت چه میزنیم تلخ  
 سور چون ساز میزبانی کرد  
 به سلیمان رسید پایِ ملخ  
 باتو شد هم سخنِ پیام‌گزار  
 چه شکویم به ارزشِ پاسخ  
 در سخن کار هر قیاس مکن  
 توش گردد توش، نه تلخ تلخ  
 قاصدِ من به راه مرده و من  
 همچنان در شماره فرسخ  
 مرگِ غالب دلت به درد آورد  
 خویش را گشت و هرزه گشت آوغ

(قبل از ۲۹ شهریور ۱۲۸۳/۲۸ جمادی‌الثانی  
 ۱۲۵۳)

﴿۱۵۸﴾

دگر فریب بهارم سپر چشون ندهد  
گشت و جامه آبی که بوی خون ندهد

گسسته تار ایدم، دگر به خلوت انس  
به زخمه گله سازم نوا برون ندهد

ز قاتلے بهابسم که تیغ و خنجر را  
به حکم وسوسه زهراب به شگون ندهد

بدان پریست نیازم که بهر تسخیرش  
ز بهر دل به زبان رغبت فسون ندهد

چون، مگوه ادبش نیست، بلکه خود دار است  
که فن به همدمی عقلی ذوقش ندهد

کفلی هوشی خودم وقت به بزم حبیب  
به شرط آنکه ز یک التزم فزون ندهد

به بوی گنج گزیدم خرابه، ورنه چشون  
به روزه ذوق دلاویزی سکون ندهد

شریک کار نیلورود تاب سختی کار  
جواب ناله با غمیر به ستون ندهد

به من گرای و وفا جو که ساده برهنم  
به سنگ هر که دهد دل، به غمزه چون ندهد



ترا به حربه چه حاجت، نه آن بود غالب  
که جان به لذت آویزشی درون نهد

(بین ۲۹ شهریور ۱۲۵۳/۶ و ۲۸ جمادی الثانی  
۱۲۵۳ و ۲۱ جنوری ۱۲۵۸/۷  
۲۳ شوال ۱۲۵۳/۸)

### ۱۹۹

نگاهش از به سرِ نامه وفا ریزد  
سوادِ دفعه ز کاغذ جو توتیا ریزد  
به فرق ما اگرش ناگهان گذار اند  
چو کرد سایه ز بال و پرهما ریزد  
خوشا بریدنِ راه وفا که در هر کام  
چین ز پای به اندازِ نقشِ پا ریزد  
ز ناله ریخت جگر پاره‌های داغ آلود  
چو برگِ لاله که در گلشن از هوا ریزد  
تسلیست به بالینِ گشتگانِ خودت  
که گل به جیبِ تمنایِ خویشها ریزد  
دماغ ما ز بلا میرسد، مگر سالی  
گداز زهره ما در امان ما ریزد  
خوش آنکه عجزِ ششِ بر سرِ عتاب آرد  
خسک به پیرهنِ شعله جفا ریزد

بهشتِ خویش توانی شدن، اگر داری  
 دلے کہ خون شود و رنگِ مدعا ریزد  
 به روزِ وصل در آشوشم آنچنان به فشار  
 کہ بے من از لبِ من شکوہ تو وا ریزد  
 به چاره دردِ تو اکسیر بے نیازِ بهاست  
 کہ دلِ گدازد و در قالبِ دوا ریزد  
 به رویِ عقدِ کاوم به شکلی برگِ خزان  
 ز لرزه ناخنی دستِ گره کشا ریزد  
 بخارِ شوق به خونابهٔ امید سرشت  
 دمی کہ خواست قضا طرح این بنا ریزد  
 شہاب و زہد چہ ناقدردانی هستیت  
 بلا به جانِ جوانانِ پارسا ریزد  
 بہ سجدہ بر درِ یار اوتیم، تا غالب  
 خطِ جبین چو غبار از جبین ما ریزد

(قبل از ۱۲۳۳-۳۵/۱۸۲۹ هجری قمری)  
 ایات ۳، ۵، ۱۰، ۱۱، ۱۲ اشعار سال  
 (۱۲۵۳-۵۴/۱۸۳۸ هجری قمری)

++۱۷++

به بند پرستی حالم نمی توان افتاد  
 توان شناخت ز بندے که بر زبان افتاد  
 فلان من دلی خلق آب کرد، ورنه هنوز  
 نگفته ام که مرا کار با فلان افتاد  
 من آن نیم که بتاسم کنند دلجوئی  
 خوسم ز بخت که دلدار بدگیاں افتاد  
 ز شکسیر به دل خون افتاد ناگه و من  
 به خون تیم که چه افتاد تا چنان افتاد  
 هم از تصرفیشایی زلیخا بود  
 به چاه یوسف اگر راه کاروان افتاد  
 حدیث می به دف و چنگ در میان دارم  
 کنون که کار به شیخ نهفته دان افتاد  
 فرو نیادم، از بسکه بخوده به طلب  
 هزاربار گذارم بر آشیان افتاد  
 به کوی بار ز با اتم و کتم فریاد  
 بدان دروغ که داند ناگهان افتاد  
 شب ارجه باتو به دعوی نمانائی داشت  
 به روز طشت به از بام آسمان افتاد  
 نفس شراره فشانست و نطفی شعله درو  
 ز حرف خوی که باز آتشم به جان افتاد

حریم و تو زبان دانی من نه غالب  
به بند پریشی عالم نمی توان افتاد

(نسخه ۱۸۳۲/۴۱، ۱۸۳۵/۴۱ و ۱۸۳۶/۴۱)

### +++۱۱۸+++

غم چو بهیم در افتد ، رو که مراد میدهد  
دانه ذخیره میکنند که به باد میدهد  
آخر منزل نخست خوی تو راه میزند  
اول منزل دیگر بوی تو زاد میدهد  
ای که به دیده نم زنت ، و می که به سینه غم زنت  
نازنی غم که هم زنت خاطر شاد میدهد  
شوخی دلکشانت هر گز نبان می نهد  
سخنی یسوا دلت رزق جیاد میدهد  
بست عثای خود گند میانی ما ، نه بست می  
دانه زیاد می پرد ، بسکه زیاد میدهد  
دوست ز رفته بگذرد ، لیک غبار ما هنوز  
در رهش از قرون سری مانشی باد میدهد  
آنچه به من نیشته ، نیست ز نامه پیر نبان  
شوخی نامه در کفلی ، نامه کشاد میدهد

میدهم به خلد جا ، رحم کجاست اے خدا  
 آب و هوای این قضا کوی که باد میدهد؟  
 خوبه جفا گرفته را تازه کند خراش دل  
 ورنه بهانه جوی من چیست که داد میدهد  
 تو منی کلک غالباً مصرع فیضش عنایت  
 صبح چو ترک مست من شیشه کشاد میدهد

(بن ۲۹ ستمبر ۱۸۳۷ء / ۲۸ جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳ هـ و ۲۱ جنوری ۱۸۳۸ء /  
 ۲۳ شوال ۱۲۵۳ هـ)

### ۱۱۹

دل اسباب طرب گم کرده در بند غم نان شد  
 زراعتگاه دهقان میشود چون باغ ویران شد  
 گرفتم کز تغافل طاعت ما باج بگیرد  
 حریف یک نگاه بے محابای تو نتوان شد  
 تو گستردی به صحرا دام و از رشک گرفتاری  
 کف خاکم برنگ فبری بسمل بر افشان شد  
 جنون کردیم و مجنون شهره گشتیم از خردمندی  
 برون دادیم را ز غم به عنوانی که پنهان شد  
 بدین رنگست گر کیفیت مردن، خوتا حسرت  
 لب از ذوق کف پای تو عشرتخانه جان شد

سراپا زحمت خویشیم، از هستی چه می برسی  
نفسی بر دل دم شمشیر و دل در سینه بیکان شد  
فراغت برنشاید همت مشکل بستد من  
زدشواری به جان می التدم کارے که آسان شد  
چه برسی و چه حیرانی که هنگام تماشایت  
نگاه از بخودبها دست و پا گم کرد و مرگان شد  
زما گرمست این هنگامه، بنگر شور هستی را  
قیامت میدهد از پرده خاکے که انسان شد  
نشاط انگیزی انداز سعی چاک را نازم  
به پیرامن نمی گنجد گریبانے که دامن شد  
شبِ غربت همانا شیوه غمخوارئی دارد  
که هم در مانم صبح وطن زلفش پریشان شد  
قضا از ذوق معنی شیرۀ میریخت در جانها  
لحے از لای بالایش چکید و آب حیوان شد  
دلَم سوزت نهان دارد، ولی در سینه کویها  
چراغے جسته از چشمش، اگر داغے نمایان شد  
جو اسکندر ز نادانی حلاک آب حیوانی  
خویشا سوخن که هر کس غوطه زد دروے کش جان شد  
خدا را لے جان، کرد دلش گردیدنی دارد  
دریغا آبروی دیر، گر غالب مسلمان شد

۱۲۰

دالم از پرده دل رو به قفا می آید  
 نا بینم که ازین پرده چها می آید  
 همچو رازے که به مستی ز دل آید بیرون  
 در بهاران همه بویت ز صبا می آید  
 جلوه اے داغ که ذولم زانک میخیزد  
 مژده اے درد که نگم زدوا می آید  
 سود غایت زدگیهای غمت را نازم  
 که نفس می رود و آه رسا می آید  
 زیستم بر تو و زین تنگ نگشتم خود را  
 جان ندای تو، میا کز تو حیا می آید  
 دعوی گمشدگی محض رسوائیست  
 کز بی سور به ویرانه سا می آید  
 راز از سینه به مضروب نریزم بیرون  
 ساز عاشق ز شکستن به صدا می آید  
 برگیه گل پرده سازاست تمنای ترا  
 بو که دریافته باشی، چه نوا می آید  
 دردم الشردن اندام تو چون ما میخواست  
 خنده بر تنگی آهوشی قبا می آید  
 رفته در حسرت قشای قدمی عمر به سر  
 جاده را که به سر منزل ما می آید





نگهدار خود را و ز آینه بگذر  
 نگار تو بروی خود هم ندارد  
 سخن نیست در لطف این قطره غالب  
 بهشته بود هند کدام ندارد

(قبل از ۲۹ شهریور ۱۲۵۱/۵۱/۲ هجری القامی  
 ۱۲۵۳ هـ)

### ♦♦۱۲۲♦♦

سزده صبح درین تیره شبانم دادند  
 شمع کشتند و ز خورشید نشام دادند  
 رخ کشوند و لب هرزه مرایم بستند  
 دل ربودند و دو چشم نگوانم دادند  
 سوخت آتشکده، ز آتش نفسم بخشیدند  
 ریخت بتخانه، ز نایبوس نعانم دادند  
 گهر از رایت شاهانِ عجم برچسبوندند  
 بهد عوضی خایه گنجینه‌فشانم دادند  
 انسیر از تارک ترکانِ پشگی بردند  
 بهد سخن نامه قبر کیانم دادند

گوهر از تاج گسستند و به دانش بستند  
 هر چه بردند به بیداه به نهادم دادند  
 هر چه در جزیره ز گهران می تاب آوردند  
 به شب جمعه ماه رمضانم دادند  
 هر چه از دستگیر پارس به بقا بردند  
 تا بنالسم، هم از آنجمله زبانم دادند  
 دل ز غم مرده و من زنده، همانا این مرگ  
 بود از زنده به نامم که اسانم دادند  
 هم ز آغاز به خوف و خطورستم غالب  
 طالع از قوس و شمار از سرطانم دادند

(این ۲۹ ستمبر ۱۸۳۷/۲۸ جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳ و ۲۱ جنوری ۱۸۳۸/  
 ۲۳ شوال ۱۲۵۳)

447724

تا گفتم دودِ شکایت ز بیان برخیزد  
 بزن آتش که شنیدن ز میان برخیزد  
 می رس از من و خلقی بگمانست ز تو  
 بسجاسا شو و بشین که گمان برخیزد  
 گر دهم شرح عثمانی که بدلهای داری  
 دود از کارگاهِ شیشه گران برخیزد  
 با عدت سرو چو شمع است که ناگه بیکبار  
 بپخود از جا ز هجومِ حلقان برخیزد  
 به چه گیرند عیارِ هوس و عشقِ دگر  
 رسم بیداد مبادا ز جهان برخیزد  
 گشته دعوتِ پیدایی خویشیم همه  
 وای گر برده ازیں رازِ نهان برخیزد  
 ز بهار از تعبِ دوزخ جاوید منرس  
 خوش بهارست کزو بیمِ خزان برخیزد  
 ناله برخاست دمِ جستن از آتش ز سبند  
 کو شگر می که چو ما از سرجان برخیزد  
 جزوے از عالم و از همه عالم بپشم  
 همچو موئی که بتان را ز میان برخیزد  
 عمرها چرخ بگردد که جگر سوخته  
 چون من از دودِ آذر نفسان برخیزد

گر دم شرح ستمهای عزیزان غالب  
 رسم امید همانا ز جهان برخیزد

(قبل از ۱۸۲۹/۳۵-۱۸۳۳)

### ۱۲۴۴

گریم سخی، گرچه شنیدن نشناسد  
 صبحیست شبم را که دیدن نشناسد  
 از بند چه بگشاید و از دام چه خیزد  
 مانیم و شرابی که رسیدن نشناسد  
 گو عروجه شکایت کند از بی‌بروایی  
 مانیم و سرشکے که چکیدن نشناسد  
 سالی چه شگرفی کند و باد چه تندی  
 خون باد دماغے که رسیدن نشناسد  
 ما لذت دیدار ز پیغام گرفتیم  
 مشتاقی تو دیدن ز شنیدن نشناسد  
 بے برده شو از ناز و سندیس که ما را  
 چون آینه چشمه‌ست که دیدن نشناسد  
 بنم چه بلا بر سر حب و کفن آورد  
 دینے که بجز جامه درین نشناسد

پیوسته روان از سرِ خونِ جگرستم  
 رنگیست زخم را که بریدن نشناسد  
 شوقم می گنگون به سبزه میزند امشب  
 پیمانه ز ساقی طلبیدن نشناسد  
 با لذت اندوه تو در ساخته غالب  
 گونی همه دل گشت و تپدن نشناسد

(قبل از ۱۸۲۹/۱۲۳۸-۳۵)

### «۱۲۵»

مردم ز نشاطم دل آزاد بچند  
 تا کیست درین برده که بی باد بچند  
 برهم زدنِ کارِ من آسان تر از است  
 کز بادِ سحر طره شمشاد بچند  
 خواهم ز تو آزدگی غیر و چو بینم  
 عرقِ حسدِ خاطرِ ناشاد بچند  
 مردم به دم و دالم ازان مید که در دام  
 لخته ای مشغولی صیاد بچند  
 هان شیخ پریشان می گنگون به قدح ریز  
 تا در نظرت بالِ پریراد بچند

برقی به فشار آرم و ایرے به تراوش  
 زان دشمنه که اندر کفِ جلاَد  
 از رشک به خون غلطم و از ذوق برقصم  
 زان تیشه که در پنجه فرهاد  
 اے آنکه در اصلاح تو هرگز ندمد سود  
 چون طبع کجاست را رگِ بیداد  
 هر پیوه که گیرد دل آگه بکردد  
 هر چاره که در خاطر استاد  
 وصل تو به نیروی دعا نیست ازین بعد  
 خون باد زبائے که به او داد  
 غالب قلت برده کشای دم عیست<sup>۳</sup>  
 چون هر روشی طرح خداداد

(لیل از ۲۹ جمعی ۱۳۷۱/۵/۲۸ جلدی الثانی)

(۱۳۵۳)

۱۲۶۳۴۴

خوبان نه آن کنند که کسی را زیان رسد  
 دل بُرد تا دگر چه آزان دلستان رسد  
 دارد خبر دروغ و من از سادگی هنوز  
 سجم همی که دوست مگر ناگهان رسد  
 مقصود ما ز دیر و حرم چیز حبیب نیست  
 هرجا کنیم سجده بدان آستان رسد  
 دودی کشان به میکده درهم فاده اند  
 نازم به خوارگی که به من زین میان رسد  
 گم شد نشان من ، چو رسیدم به کنج دیر  
 مانند آن جدا که به گوشِ گران رسد  
 در دام بهیِ دانه نیفتم ، مگر قفس  
 چندان کنی بلند که تا آفتاب رسد  
 راهی که تا منست ، همانا نه ایمنست  
 خون میخورم که چون بخورم می چسان رسد  
 رستم سویی وی و سژه اندر جگر خلیه  
 زان بیشتر که سینه به نوکِ ستان رسد  
 تیرِ نخست را غلط انداز گفته ام  
 ای وای گر نه تیرِ دگر بر نشان رسد  
 امیدِ غلبه نیست به کیشِ مغان در آیی  
 می گر به جز به دست نداد، ارمغان رسد

خوارم نه آنچنان که دگر مزده وصال  
 باور کنم، اگر همه از آسمان رسد  
 صاحبقرانِ ثانی اگر در جیان نماند  
 گفتار من به ثانی صاحبقران رسد  
 چون نیست ثابِ برقِ تجلی کلمه<sup>۴</sup> را  
 کے در سخن به غالب آتش بیان رسد

(صن ۵۱۸۳۵/۵۱۸۳۶ و ۵۱۸۳۶/۵۱۸۳۷)  
 (۵۱۸۳۷-۳۸)

++(۱۲۷)++

عاشق چو گفتیش که برو، زود می‌رود  
 لازم به خواجگی غضب آلود می‌رود  
 امشب به بزم دوت کسے نام ما بُرد  
 گوئی سخن ز طالعِ مسعود می‌رود  
 از ناله ام مریخ که آخر شد دست کار  
 شمع خسوشم و ز سرم دود می‌رود  
 شادم به بزم وعظ که زایش اگر چه نیست  
 بطریقه حدیثِ پنگ و لی و هود می‌رود



فردوس جویِ عمر به وسواس داده را  
 سرمایه نیز در هوس سود میرود  
 نفوت نگر که می خلد اندر دلش ز رشک  
 حرفی که در پرستش معبود میرود  
 ما هم به لایح و لایه تسلی شویم کاش  
 نادان ز بزمِ دوست چه خوشنود میرود  
 رشک و بنا نگر که به دعوی گیه رضا  
 هر کس چگونه در پی مقصود میرود  
 فرزند زبیر تیغ پدر می نهد گلو  
 گهر خود پدر در آتش نمرود میرود  
 غالب، خوشست فرصتِ موهوم و فکرِ عیش  
 تلاطمی که است در جراین بود میرود

(قبل از ۲۹ شهریور ۱۲۸۳/۲ جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳ هـ)

﴿ ۲۸ ﴾

دالمست کز شهادتم امیدِ حور بود  
 بر گشتم ز دین دمِ بسلِ ضرور بود  
 رفت آنکه ما ز حسن مدارا طمع کنیم  
 سر رسته در کفِ آرنی گویِ طور بود  
 سجرم مسیح زنده انا الحق سرای را  
 معشوقه خود نمای و نکپیان غیور بود  
 سالک نگفته ایم که منزل شناس نیست  
 بے جاده مانند راه از آن رو که دور بود  
 نازم به استیاز که بگذشتن از گاه  
 بادِ یگوان ز عفو و به ما از غرور بود  
 اے آنکه از غرور به هیچم نمی خری  
 زان پایه بازگویی که بیش از ظهور بود  
 دردِ دلم به حشر ز شدت نهفته ماند  
 خونِ بادِ ناله که هم آهنگِ صور بود  
 دل از تو بود و تو بی الزام ما ز ما  
 بُردی نخست آنچه ز جنسِ شعور بود  
 قطعِ پیام کردی و دانستم آشتیست  
 دلّاله خویشروی و دلم نا صبور بود

دادی ملایِ جلوه و غالبِ کتابه کرد  
کو بخشی آن گدا که ز غوغا نفور بود

(این ۴۹ مسموع ۱۸۳۷/۲۸ جمادی الثانی  
۱۲۵۳ هـ و ۲۱ جنوری ۱۸۳۸/۲۳  
شوال ۱۲۵۳ هـ)

### ++(۱۲۹)++

ز گرمیِ تگمتِ خونِ دل به جوش آمد  
ز شادیِ مستیِ سینه در خروش آمد  
به جان نوید که شرم از میانِ هم رفت  
به عیشِ مزده که وقتِ وداع هوش آمد  
خیالِ یار در آغوشم آنچنان بقشد  
که شرمِ استیم از شکوهِ هایِ دوش آمد  
به آستینِ بفتان و به نیغِ خوش بردار  
که جانِ غیار تن و سر و بالِ دوش آمد  
اندایِ شیوهٔ رحمت که در لباسِ بهار  
به عذرخواهیِ وندانِ باده نوش آمد  
ز وصلِ یار قناعت کنون به پیغامیست  
خزانِ چشم رسید و بهارِ گوش آمد  
زمامِ حوصله نگراف و کوهکنِ جان داد  
چه نرمِ شانِه گشت و چه سختِ کوش آمد

شهادت چشم تو گشتم که خوش سخن گونه است  
 هلاکت طویر لبم شو که بر خورش آمد  
 ترا جمال و مرا مایه سخن بازیست  
 بهار زینت دکان گل فروش آمد  
 مهر من وجه سواد سفینه ها غالب  
 سخن به مرگ سخن رس سیاه پوش آمد

(قبل از ۱۸۲۹/۳۵-۳۶ تا ۳۷)

### ♦♦۱۳۰♦♦

به عشق از دوجهان بی نیاز باید بود  
 مجاز سوژ حقیقت گذار باید بود  
 به جیب حوصله نقد نشاط باید ریخت  
 به جان شگوه تغافل طراز باید بود  
 چو لب ز هرزه نوایان شوق نتوان شد  
 چو دل ز پرده سرایان راز باید بود  
 چو بزم عشرتیان تازه رو توان جوید  
 چو شمع خلوتیان جان گذار باید بود  
 کمر نهفته به تاراج خویش باید بست  
 شریک مصلحت معی ناز باید بود

چو شوق بال کشاید ، توان به خود بالید  
 چو نیاز جلوه گر آید ، نیاز باید بود  
 به سخن میگویم سر مست میتوان گردید  
 به کنج صومعه وقف نماز باید بود  
 به خون تسبیح فوق لکه نتوان زیست  
 شهید آن سزه های دراز باید بود  
 نیکه ز دیده بیدار جو که سائل را  
 به گریه طالب درهای باز باید بود  
 چه هر ز راحت آزادگی خوری غالب  
 ترا به این همه یابرگ و ساز باید بود

(تجلی از ۱۸۲۹ تا ۱۳۳۰ هـ)

﴿ ۱۳۱ ﴾

نفس از بیم خویشت رفته پیچیده را ماند  
 نگاه از تاب رویت سوی آتش دیده را ماند  
 ز جوشی دل هنوزش ریشه در آبست پنداری  
 به سزکن قطره خون غنچه ناچیده را ماند  
 ز بی کز لاله و گل حسرت ناز تو می جوشد  
 خیابان محشر دلهای خون گردیده را ماند  
 خوشا دلدادۀ چشم خودش بودن در آئینه  
 ز سرگرمی نگاه صیاد آهو دیده را ماند  
 غبار از جاده تا اوج سپهر ساده میباید  
 ز جوشی وحشتم صحرا دل زنجیده را ماند  
 به هر جا می خراسی، جلوات دریاست پنداری  
 دل از آئینه داربهای شوق دیده را ماند  
 چه غم ز افتاد گیاه، چون روان بالاست اندوه  
 تن از مستی به کویت جان آرامیده را ماند  
 بهار از رنگ و بو در پیشگاه جلوه نازش  
 گدایان نثار از رهگذر برچیده را ماند  
 زلبش برده از راه وفا، بنگر که در چشم  
 غبار راه او سزکن بر گردیده را ماند

جهان دودیت از سودا که بیگردد آتش غالب؟  
 تو کوئی کبید گردون سرشوریده را ماند

(قبل از ۹ سپتامبر ۱۸۳۷/۵۱/۲ جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳هـ)

### +++۱۳۲+++

شادم به خیالت که ز قایم بدر آورد  
 از کشمکش حسرت خواهم بدر آورد  
 فریاد که شوق تو به کاشانه زد آتش  
 وانگاه بی بردن آیم بدر آورد  
 رسوائی من خواست مگر کاینهمه سرمست  
 دور فلک از بزم شرابم بدر آورد  
 انگشته به جیخون فلک از وادی و شادم  
 کز بیج و خم سوچ سراپم بدر آورد  
 جان بر سر مکتوب تو از شوق نشانند  
 از عهدۀ تحریر جوابم بدر آورد  
 نازم به نگاه که ز سرمستی انداز  
 از تفرقه مهر و عتابم بدر آورد

ساقی نگهے تا بشتاسم ز چه جامست  
 آن باد که از بندِ حجام بدر آورد  
 نازم به گرانمایگی سعی تحیر  
 کز مرشدِ امین دیر خرامم بدر آورد  
 آن کشتی اشکسته ز موجم که تباهی  
 افکند در آتش، گر از آهم بدر آورد  
 غالب، ز عزیزانِ وطن بوده‌ام، اما  
 آوارگی از فردِ حسابم بدر آورد

(قبل از ۲۹ شعبان ۱۲۵۳ هـ / جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳ هـ)

++﴿۱۳۳﴾++

گرسنه به که برآید ز ناله جانیش و لوزد  
 از آنکه در رسد از راه میهمانش و لوزد  
 نفس به گردِ دل از مهر می‌تپد به فراقت  
 چو طائرے که بسوزانی آشیانش و لوزد  
 منم به وصل به گنجینه راه یالته دزدے  
 که در ضمیر بود بیم پاسبانش و لوزد  
 دگر به کام خود اے دل چه بهره برد توانی  
 ز سادے که زنی بوسه بر دهانش و لوزد



نترسد از زگیستن خدا نخواستند باشد  
 چرا رسد سر آن طره بر میانش و لوزد  
 ز شور ناله دلدار و اضطراب روانم  
 چو رانطمی که ز کف در رود عنانش و لوزد  
 ز جنبش سوز مانی دم نکه به سستی  
 که بی اراده جهد نبر از کمانش و لوزد  
 ز شیخ وجد به ذوق تشایخ نغمه نیایی  
 مگر به دل گذرد مرگ ناگهانش و لوزد  
 نغان ز خجلت صراف کم عیار که ناگه  
 بر آورند زیر قلب از دکانش و لوزد  
 گر از فشاندن جان شور نیست در سپر غالب  
 چرا به مجده نهد سر بر آستانش و لوزد

(قبل از ۲۹ شهریور ۱۲۸۱/۵۱/۲۸ جمادی الثانی)

(۱۲۵۳\*)

++م ۱۳++

آنان کہ وصلِ یار ہی آرزو کنند  
 باید کہ خویش را بگنازند و او کنند  
 وقتست کز روانی سے ساقیانِ بزم  
 پیمانہ را حساب لبِ آجرو کنند  
 مینالی از نئے کہ بہ ناخن شکستہ اند  
 اے وائے، ناخنِ بہ دلت گر فرو کنند  
 دیوانہ وجہِ رشتہ ندارد، مگر همان  
 تارے کشد ز جیب کہ چاکے رفو کنند  
 خونِ ہزار سادہ بہ گردن گرفتہ اند  
 آنان کہ گتہ اند نکویانِ نکو کنند  
 لبِ تشنہ جویِ آبِ تماردِ سراب را  
 می زبند از بہ ہستی اشیا غلو کنند  
 از بس بہ شوقِ رویِ تو مستِ لوبہار  
 بویِ سے آہد، از دھنِ غنچہ بو کنند  
 پیمانہ را بہ ساقمِ صہبا نشانہ نیست  
 اے وائے، گر، ز خاکِ وجودِ میو کنند  
 آلودہ رہا نتوان بود غالباً  
 پاکست خرقۂ کہ بہ سے شست و شو کنند

4517034

چون گویم از تو بر دل شیدا چه میرود  
بشکر بر آینه ز خارا چه میرود  
خواهیده است تا که به کویت رسیده است  
گر سرود به راه تو، از پا چه میرود  
گوئی مباد در شکن طره خون شود  
دل زان تست از گریه ما چه میرود  
یداست بر نیازی عشق از فانی ما  
گر زورق شکست، ز دریا چه میرود  
آینه خانه است چهارم ز انتظار  
او جانب چمن به تماشا چه میرود  
گر جلوه رخ تو به ساحل ندیده ایم  
چندین به ذوق باده دل از جا چه میرود  
با ما که محو لذت ییاد گشته ایم  
دیگر سخن ز سیر و مدارا چه میرود  
یک ره اگر به وادی مجنون مکنند گذار  
از ساریان نایه لایلا چه میرود  
ای شرم باز داشته از جلوه سازیت  
از پشت پا بر آینه آیا چه میرود

هفت آسمان به گردش و ما درمیانه ایم  
غالب، دگر مهرس که بر ما چه می‌رود

(البیل از ۲۹، مقیم ۲۸، ۲۸/۵، جغادی القانی  
۱۲۵۳هـ)

### ۱۳۶

نه از شرمست کز چشم و آسان بر نمی‌آید  
نگاهش با درازبهای می‌رکان بر نمی‌آید  
ازین غم‌مندگی کز بند طاسان بر نمی‌آید  
سرشوریده ما از گریه‌چان بر نمی‌آید  
گر از رسوائی ناز تو پروا نیست عاشق را  
چرا دل خون نمی‌گردد چرا جان بر نمی‌آید  
به بزم سوختن دود از چراغان بر نمی‌خیزد  
به باغ خون شدن بر از گلستان بر نمی‌آید  
سرت گردم، زن تیغ و دره بر روی دل بکشا  
دلم تنگست، کار از زخم بی‌کان بر نمی‌آید  
شگفتن عرض بی‌تابی ست، هان، ای غنچه، میدانم  
دلت با ناله صرخه بحر خوان بر نمی‌آید  
همان خون کردن و از دیده بیرون ریختن دارد  
دل به کز عهده غم‌های پنهان بر نمی‌آید  
مگر آتش نفس دیوانه مُرد از اسیرات  
که دود از روزن دیوار زندان بر نمی‌آید

چه گیرانست کلین تیار ز مو باریکتر دارد  
 کسے از دام این نازک میانان بر نمی آید  
 معجز آسودگی گوی مرد راهی کاندین وادی  
 چو خار از با برآید ، پا ز دامن بر نمی آید  
 سرم پیشی که یارب شکوه اندوه دلتنگی  
 نفس ، چند آنکه میانم ، پریشان بر نمی آید  
 به دوستی خلق نعمتم عبرت صاحب دلان باشد  
 به پای خود کسے از کوی جانان بر نمی آید  
 برآو از بزم بحث ای جذبه توحید غالب و  
 که ترکیب مادی ما با قیام بر نمی آید

(قبل از ۲۹ شعبیر ۱۲۸۳/۲۸ جمادی الثانی)

(۵۱۳۵۳)

۱۳۷۲ھ

چہ عیش از وعدہ جون باور ز عنوانم نمی آید  
 بہ نوعی گفت می آیم کہ میدانم نمی آید  
 بہ ویرانی خوشم، لیکن جہان جون بر تو ویرانست  
 اگر ہاشم بہ چین، یاد از بیایاتم نمی آید  
 گذشتہ زانکہ بر زخم دل صد بارہ خون گرید  
 خود او را خندہ بر چاکب گریانم نمی آید  
 روش نگستہ و در سایہ دیوار نشستہ  
 بہ کوشش رشک بر سپرد رخسانم نمی آید  
 دعای خیر شد در حق من نفرین بہ جان کردن  
 ز نفرین بسکہ میرنجدہ بہ لب جانم نمی آید  
 ازل بدخو، ندانم، چون دہد دلالہ دریدا  
 نویدے کز نوازشہای ہنہانم نمی آید  
 بہ راہ کعبہ زادم نیست، شادم کز سبکیاری  
 بہ رفتن پای برخار مغیلانم نمی آید  
 دلش خواہد کہ تنہا سوی من رو آورد، لیکن  
 فریب ہرہان، دانم، ز نادانم نمی آید  
 دیرم، شاعرم، رنم، ندیمم، شیوہا دارم  
 گرفتہم رحم بر فریاد و افغانم نمی آید  
 شود برہم، ولی نرسد، پندارد کہ در خوابم  
 شے کاوا ز نالیدن ز زندانم نمی آید

ندامم بناده غالب، گر سرکاهش - پراهمی  
 ییسی مست، دانی کز شبستانم نمی آید

(بین ۵۱۸۳۲/۵۱۲۵۷ و ۵۱۸۳۵/۵۱۲۶۱)

### ۱۳۸۴

چون بیوئی به زمین، چرخ زمین تو شود  
 خوش بهشته ست که کس راه نشین تو شود

لیم از نام تو آن مایه پرستی که اگر  
 بوسه بر غنچه زخم، غنچه نگین تو شود

چون به سنجید که نه آنست، بکاهد از شرم  
 ماه بکچند ببالد که جبین تو شود

صد قیامت بگدازد و بهم آیزند  
 تا خمیر دل هنگامه گزین تو شود

تاب هنگامه درد آرم و گویم هیات  
 چه کنم تا غم حجر تو یقین تو شود

به سخن بیجم و اندوه گسارش گودم  
 برم از غیر دل را که حزن تو شود

جلوه جز در دل آگاه سرایت نکند  
 من در آتش غم از هر که قرین تو شود

چشم و دل باخته ام، دادِ هنر خواهد داد  
 آنکه چون من همه دانی همه دین تو شود  
 کفر و دین چیست جز آلاشی بنهار وجود  
 پاک شو پاک که هم کفر تو دین تو شود  
 دوزخ نافرست هست نجات غالب  
 آه ازان دم که دم باز بسین تو شود

(قبل از ۲۹ شهریور ۱۲۸۷/۲۸ جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳هـ)

۱۳۹هـ

دیگر از گریه به دل رسم لغزان باد آمد  
 رگب پیمانه زدم شیشه به فریاد آمد  
 دل در آفر و خشن مست دامن نکشید  
 شادم از آه که هم آتش و هم باد آمد  
 تا ندانی جگر سنگ کشود هدرست  
 تیشه داند که چها بر سر فرهاد آمد  
 داغم از گرسنی شوی تو که صد ره به دلم  
 همچو چنان بر اثر شکوه پیمداد آمد



خیز و درساتم ما سرمد فروشوی ز چشم  
وقتِ مشاطگی حسنِ خداداد آمد  
رفته بودی دگ از جا به سخن سازی غیر  
منت از بخت که خاموشی ما یاد آمد  
خشک و تر سوزی این شعله تماشا دارد  
عشق یکرنگ کنی بنده و آزاد آمد  
دید پر رفته و از قسم کرد آزاد  
رحم در طیفِ ظالم ستم ایجاد آمد  
بر در یار چه غوغاست، عزیزان، بروید  
خونبها سزد سبک دستی جلاد آمد  
داده خونین نفسی درسِ خیالم غالب  
ونگ بر روی من از سبلی استاد آمد

(قبل از ۲۹ شهریور ۱۳۰۷/۵۱/۲۲ جمادی الثانی)

(۱۲۵۳)

++++ م ۱۰۰۰ +++++

دوش کز گردشی بختم گله ابروی تو بود  
 چشم سوی فلک و روی سخن سوی تو بود  
 آنچه شب شمع گمان کردی و رختی به عتاب  
 تقسم پرده کشای ابر خوی تو بود  
 چرخ کج باخت بهمن ، در خم دام تو فگند  
 نعل وازون بدلا حلقه کیسوی تو بود  
 دوست دارم گرمی را که به کارم زده اند  
 کاین همانست که پیوسته در ابروی تو بود  
 چه عجب ، صانع اگر نقش دهانت گم کرد  
 کسو خود از حیرت باین رخ نیکوی تو بود  
 شب ، چه دانی ، ز تو در بزم به خوابان چه گذشت  
 خاصه بر صد نقشه که به بهلوی تو بود  
 مردن و جان به تمنای شهادت دادن  
 هم ز اندیشه آزدن بازوی تو بود  
 خلد را از نفسی شعله افتان میسوزم  
 تا ندانند حرمان که سر کوی تو بود  
 روشنی باد بهاری به گمانم افگند  
 کاین گل و گلچید بی فائده بوی تو بود  
 به کف باد میاد اینهمه رسوائی دل  
 کاسخبر از سرد گیسوان شکن سوی تو بود

هم ازان پیش که مشاطه بد آموز شود  
 نقشی هر شبود در آئینه زانوی تو بود  
 لاله و گل دمد از طرف سزارش بر سر گ  
 تا چها در دل غالب هوس روی تو بود

(قبل از ۲۹ - ستمبر ۱۸۳۷ء / جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳ء)

++(۱۴۱)++

گر چنین نیاز تو آباده یما ماند  
 به میکنند نرسد هر چه ز دارا ماند  
 دل و دینے به بهای تو فرستم حاشا  
 وام گیر آنچه ز بیعانه سودا ماند  
 هم به سودای تو خورشید برستم آری  
 دل ز مجنون برد آمو که به ایلا ماند  
 باوجود تو دم از جلوه گری نتوان زد  
 در گلستان تو طایس به عطا ماند  
 شکوة دوست ز دشمن نتوانم پوشیده  
 گر غم هجر چنین حوصله فرسا ماند  
 ساز آوازه بدنامی رهزن شد نیست  
 آه ازان خسته که از بویه به و وا ماند

بسته را که به فرمانِ خدا راه رود  
 نگذارند که در پیشِ زلفِ خدا ماند  
 سه به باغ از آن سرو شیخ کوفه طغی  
 سرو گفتند و بدان ماه سراپا ماند  
 بعد از شکوه به یک عذر تعلی فقوم  
 کاین چنین سهر ز سردی به مدارا ماند  
 در بعل دشنه لپان ساخته غالب امروز  
 مگذارید که مانده تنها ماند

(بین ۱۸۳۲/۶۱۲۵ و ۱۸۳۵/۶۱۲۵)

++(۱۴۲)++

در کلبه ما از جگر سوخته بود  
 با ما کله سجد و شامت به عدو برد  
 خواهم که برد ناله غبارم ز دل دوست  
 چون گریه تن زار سرا زان سر کو برد  
 همه رودش کوثر و حوران که دم مرگ  
 ذوقِ سی ناب و خوش روی نکو برد  
 بستند در جرعه آبِ به سکنند  
 در سوز گریه می کند صبا به کدو برد

دی رند به هنگامه خجیل کرد عس را  
 مے خورد و هم از میگله آیم به سب و برد  
 بر ما شمع تیار دل زار سر آید  
 دیوانه ما را صنم سلسله سو برد  
 ما را نبوده هستی و او را نبوده صبر  
 دهنی که ز ما شست، به خون که فرو برد؟  
 دلداری تو هم چون تو فریفته نگار است  
 در حلقه وفا یک دلم آورد و دور و برد  
 یک گریه پس از ضبط دوسد گریه رضاده  
 تاملخی آن زهر توانم ز گلو برد  
 نازد به تکوین ز گرفتاری غالب  
 کونی به گرو برد دلے را که از و برد

(بین ۲۹ ستمبر ۱۸۳۷ء / ۲۸ جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳ھ و ۲۱ جنوری ۱۸۳۸ء /  
 ۲۳ شوال ۱۲۵۳ھ)

۱۳۱۱

|       |                           |                    |               |
|-------|---------------------------|--------------------|---------------|
| ندادن | صدم من                    | روشن کار           | نداند         |
| نداند | بر هر که                  | کند رحم            | سر از بار     |
|       | بر دشمنه و خنجر           | نبود               | معتقد زخم     |
| نداند | دل های عزیزان             | به غم              | انکار         |
|       | پر تشنه لب                | بادیده             | سوزد          |
| نداند | اندوه چگر                 | تشنه دیدار         |               |
|       | گویم سخن از رنج و به راحت | کنندش طرح          |               |
| نداند | روز                       | سیه                | از سایه دیوار |
|       | دل را                     | به غم              | آتشکده راز    |
| نداند | دم را                     | به لب ناله         | شرور بار      |
|       | عنوان هوا داری            | احباب              | نچند          |
| نداند | بایان هوشیاری             | اغیار              |               |
|       | دشوار بود                 | سردن و دشوار تر    | از مرگ        |
| نداند | آفت                       | که من میرم و دشوار |               |
|       | دائم                      | که ندانست و ندانم  | که غم من      |
| نداند | خود کمتر                  | از انست            | که بسیار      |
|       | از ناکسی خویش             | چه مفید            | از عزیزم      |
| نداند | در صریحه                  | خوارم کند و خوار   |               |
|       | گردم                      | سر آوازه آزادگی    | خویش          |
| نداند | صد ره                     | نهم بند و گرفتار   |               |

فصلی ز دل آشوبی درسان بسرائید  
تا چند به خود بچم و شمعوار ندانده  
بیمانه بران رند حراست که غالب  
در بیکودی اندازه گفتار ندانده

(بن ۲۱ جنوری ۱۸۳۸ء/۲۲ شوال  
۱۲۵۳ء و ۴ جولائی ۱۸۳۸ء/۱۱  
ربیع الثانی ۱۲۵۳ء)

### ++عشق آید++

خوشم که گنبد چرخ کین فرو ریزد  
اگرچه خود همه بر لوق من فرو ریزد  
بریده ام و دوری که گر بيشانم  
بجای گرد روان از بدن فرو ریزد  
ز جوش شکوه پندار دوست می ترسم  
مباد سهرسکوت از دهن فرو ریزد  
دهد به مجلسیان باده و به توبت من  
به من نماید و در انجمن فرو ریزد  
مرا چه قدر به کوئی که نازنینان را  
غبار بادیه از پیرهن فرو ریزد  
ز خارخارچین کس چه نال می که خشک  
به رخت خواب گل و یاسمن فرو ریزد

ترا که عالم نازی به غمزه بستاید  
 کسیکه گل به کنار چمن فرو ریزد  
 مکن به بر خشم از شکوه منع کاین خونست  
 که خود ز زخم دم دوحتن فرو ریزد  
 بعین بساز و بدان غمزه می به جام میریز  
 که هوشم از سر و تابه ز تن فرو ریزد  
 به ذوقِ باده ز بس آب در دهن کرد  
 می نخورده مرا از دهن فرو ریزد  
 بترس از آنکه به محشر ز طوفان طوار  
 دل شکسته ام از هر شکن فرو ریزد  
 رواست غالب، اگر دُر قائلش کوئی  
 که از لیش ز روانی سخن فرو ریزد



++م ۱۱۱++

اگر به دل نه خند هر چه از نظر گذرد  
 زخمی روانی عمری که در سفر گذرد  
 به وصل لطف به اندازۀ تحسّل کن  
 که مرگ تشنه بود، آب چون ز سر گذرد  
 هلاکِ ناله خویشم که در دل شبها  
 دود به عریضه چندانگه از اثر گذرد  
 ازین آریب نگاهان حذر که ناوکِ شان  
 به هر دلی که رسد راست از جگر گذرد  
 نفس ز آبله های دلم برآرد سر  
 چنانکه رشته در آسودن از گهر گذرد  
 حریف شوخی اجزای ناله نیست شر  
 که آن برون جبه و این ز خار در گذرد  
 کند خندگی تو قطع خصومت من و غیر  
 مرا خود از دل و او را هم از نظر گذرد  
 زشعله خیزی دل بر مرا و ما چه عجب  
 که برق مرغ هوا را ز بال و پر گذرد  
 شکست ما به عدم نیز همچنان بیداست  
 به صورت سیرالقی که از گهر گذرد  
 خوشا گلی که به لورق بلند بالانست  
 دمد ز شاخ و ازین سبز کاخ و گذرد

دماغ محرمی دل رساندن آسان نیست  
 چها که بر سر عارا ز شیشه گو گذرد  
 حریف مبتی احباب نیستم غالب  
 خودم که کار من از سعی چاره گر گذرد

(قبل از ۲۹ شهریور ۱۲۸۳/ ۲۸ جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳ هـ)

+++++۱۴۹۶++++

شوخی چشم حبیب نشسته ایام شد  
 قسمت بخت رقیب گردش صد جام شد  
 تا تو به عزم حرم نایقه نگندی به راه  
 کعبه ز فوش سیاه مردمک احرام شد  
 بیج و خم دستگاه کرد لیزون حرصی جاء  
 ریشه چو آمد برون ، دانه ما دام شد  
 هست تفاوت همه هم ز طلب تا نیزد  
 لذت دیگر دهد ، بوسه چو دشنام شد  
 اینکه ترا خواستم لب ز مکیدن فگار  
 خود لبم اندر طلب خسته ایام شد

گر همه سپری، برو، و ر همه چشمت، بخت  
صبح امید مرا روز همه شام شد

ساده دلم درآمیده خشم تو گیرم به مهر  
بوسه شود در لیم هر چه زیغام شد

هیچو خسته کیش شور چهره کشائی کند  
صورت آغاز ما معنی انجام شد

دیگرم از روزگار شکوه چه درخور بود  
ناله شرر سبب شد اشک جگر نام شد

ای شده غالب ستای دشمنی بخت بین  
خود صفت دشمنست آنچه مرا نام شد

(قبل از ۲۹ شهریور ۱۲۸۷/۶ جمادی الثانی)

(۱۲۵۳ هـ)

++(۷۳۱)++

نیست و تیکه به ما کاشی از خم نرسد  
 نوبت سوزن ما به جبینم نرسد  
 دوری درد ز درمان نشانی، هشدار  
 کز نیدن دل افکار به سرم نرسد  
 می به زهاد مکن غرض که این جوهر ناب  
 بشو این نوم به شوره زمزم نرسد  
 خواجه فردوس به میراث تمنا دارد  
 وای کز دوروشی نسل به آدم نرسد  
 صل و مزد میخیش که درویشی عام  
 لاله از داغ و گل از چاک به شبنم نرسد  
 بهره از سرخونیم نیست، دماغ عالیت  
 باد که خرد بود از میکه جم، نرسد  
 هرچه بینی به جهان حلقه زنجیر است  
 هیچ جا نیست که این دائره با هم نرسد  
 ترخا لب لبباده کزین راهگذر  
 به کسان میرسد آنکس که به خود هم نرسد  
 هرکجا دهنه شوق تو جراحت یابد  
 جز خراشی به جگر گوشه ادهم نرسد  
 طوبی فیض تو هر جا گل و یار انشا الله  
 جز نسیم به بوستانه مریم نرسد

سوزد از تاپِ سوزِ دمِ گرم غالب  
دلِ نگرش تازگی از اشکِ دمام نرسد

(بن، ۱۸۳۲/۱۲۵۷ و ۱۸۳۵/۱۲۶۱)

### ۱۲۸

آزاد گشت سازم، اما جدا ندارد  
از هر چه درگشتم آوازه‌ها ندارد  
عشقست و نائوانی حسنت و سرگرانی  
جور و جفا تنایم مهر و وفا ندارد  
لاری کسبکه دل را با درد واگذارد  
کشت جهان سراسر داروگیا ندارد  
درهم فشار خود را تا درسد \* دماغی  
در بزم ما ز تنگی بیعانه جا ندارد  
ای بی‌زده سوره از جور با چه نالی  
در کیشِ روزگار آن گلِ خون بها ندارد  
صدور درین کشاکش بگذشته در ضمیرش  
رنجور عشق گوئی آه و سا ندارد  
هر مطلقه که ریزد از خامه ام، قفالیست  
چیز نغمه<sup>\*</sup> محبت سازم نوا ندارد

جان در غمت نشاندن سرگ از قفا ندارد  
 تن در بلا فگندن بیم بلا ندارد  
 برخویشتن بجنبش، گفتم، دگر تودانی  
 دارم دلے کہ دیگر تابِ جفا ندارد  
 گشتن، چنانکہ کوئی، نشناختست ما را  
 مے ناتمام لطفے کز شکوہ وا ندارد  
 مهرش ز پیدماغی ماناست باتغافل  
 یارب ستم میادا بر ما روا ندارد  
 چشمے سیاه دارد یعنی بہا نبیند  
 روی چو سیاه دارد، اما بہ ما ندارد  
 چون لعل تست غنچہ، اما سخن ندانند  
 چون چشم تست، تو گس، اما حیا ندارد  
 آہش گداز خاکے، بادش تف بخاری  
 دہلی بہ سرگ غالب آب و هوا ندارد

\*\*\* ۹۹ \*\*\*

شوقم ز بند برادر فریاد میزند  
 بر آتشی من آب دم از باد میزند  
 تا افکنی چه ولوله اندر نهاد ما  
 کانه از تو موج بریزاد میزند  
 از جوی شیر و عشرت خسرو نشان نمائند  
 غیرت هنوز طعنه به فرهاد میزند  
 هرگز مذاق درد اسیری نبوده است  
 با ناله که مرغ قفس زاد میزند  
 مستون کلوشی سزه و بیشتر نیم  
 دل موج خون ز درد خداداد میزند  
 خونی که دی به جییم ازو خار بود  
 امروز گل به دامن جلاّد میزند  
 اندر هوای شمع همانا ز بال و پر  
 پروانه دشنه در جگر باد میزند  
 زین بیش نیست قافله رنگ را درنگ  
 گل یک قدم به سایه شمشاد میزند  
 ذوقم به هر شراره که از داغ می جهد  
 دل را نوای دیر بماناد میزند  
 چون دید کز شکایت بیداد فارغم  
 بر زخم سینه ام نمک داد میزند

تا دستبرد آتشی سوزان دهد به یاد  
 سنگ از شرار خنده به پولاد میزند  
 غالب سرشک چشم تو عالم فرو گرفت  
 سوچیت دجله را که به بغداد میزند

(قبل از ۲۹ شهریور ۱۳۳۷/۴۸ جمادی الثانی  
 ۱۳۵۳هـ)

### ۱۵۰

باید ز من هر آینه پرهیز، گفته اند  
 آری دروغ مصحت آسیر گفته اند  
 فصلی هم از حکایت شیرین شمرده ایم  
 آن قصه شکر که به پرویز گفته اند  
 خون ریختن به کوی تو کرد از چشم ماست  
 مردم ترا برای چه خون ریز گفته اند  
 گویم ز سوز سینه و گوید که این همه  
 تا خود نگشته آتشی دل نیز گفته اند  
 نشگفت دل زیاد تو، گوئی دروغ بود  
 از نو بهار آنچه به پائیز گفته اند  
 انداخت خار در ره و انداز خوانده اند  
 انگیزت گرد گفته و انگیز گفته اند



گفتا سخن ز بے سوهایان نه زو کیست  
با قیس ره نوردی شیدیز گفته اند

قازے بہ حد مضائقہ ، مجزے بہ حد خوشی  
گھر از تو گفتم اند ز ما نیز گفتم اند

غالباً، ترا به دیر سلطان شمرده اند  
آری دروغ مصلحت آیز گفته اند

( $\frac{1}{2} \times 10^{-10} \text{ m} / \frac{1}{2} \times 10^{-10} \text{ m} = 1$ )

◆ ◆ ◆

صیحت : خوش بود      قلعے پر شراب زد  
باقوت یادہ      برقوا آفتاب زد

فرو برد  
به مغزینیه مینا

کافاق  
ز هجوم صحاب زد

ذوق می بخانه ز کردار باز داشت  
آه از خون دیو که را هم به آب زد

خاک کشتگان فریب وفاي کیمت  
کاندز هزار مرحله موج مراب زد

رنگی که در خیالی خود اندوختم ز دست  
 تا جلوه کرد چشمک یقی عتاب زد  
 گفتم گره ز کار دل و دیده باز کن  
 از جیبه ناآشوده به بند نقاب زد  
 گر هوش ما بساط ادای خرام نیست  
 نقشه توان به صفحه دیای خواب زد  
 تا دوهجوم ناله نفس باختم به کوه  
 سنگ از گداز خویتی برویم گلاب زد  
 امی لاله، بردای که سیه کرده ساز  
 داغ تو بر دماغ که بوی کباب زد  
 غم مشریان به چشمه حیوان نمی دهند  
 سوخته که دشنه در جگر از بیج و تاب زد  
 غالب، خمان ز جہل حکیمش گرفته اند  
 یدانش که طعنه بر اهل کتاب زد

++۱۵۲++

ننگِ فرهادم به نرسنگ از وفا دور افکند  
 عشقِ کاکر شغلِ جان دادن به مزدور افکند  
 شادم از دشمن که از رشکِ گدازم در دلش  
 نیست زخمی کز چکیدنِ طرحِ ناسور افکند  
 قریحه خواهم به قاتل کاستخوانِ سینه ام  
 قریحه فالی بنام زخمِ ما طور افکند  
 از شهیدنِ ویم کز بیمِ برقی خنجرش  
 لوزه در حور افتد و جام از کفِ حور افکند  
 شرم جویرِ خاصِ خاصِ اوست ، لیکن در جواب  
 چون فروماند ، سخن در رسمِ جمهور افکند  
 چون بجوید کام ، ما لخته برسناری کنم  
 خویش را بر رختِ خوابِ ناز رنجور افکند  
 و متیکار این جنبشِ خصلتِ کاندو سانی است  
 حلقه رغبت به گوشی خونِ منصور افکند  
 گر قضا سازد تلانی در خورِ عشرت کند  
 آه ازان خوابده کاندو جامِ قتلور افکند  
 گو مسلمان ، یکم بین زده هشت است ، آنکه او  
 اختلافی در میانِ قیامت و نور افکند

آمدم بر راه و غالب کرد دل سی گرددم  
لغزایی بانی که باز از جاده ام دور افتکند

(قبل از ۲۹ ستمبر ۱۳۳۷ء / ۱۶ جمادی الثانی  
۱۳۵۳ء)

### ۱۵۳۹

بدرہ بانقش پایِ خویشم از غیرت سرے باشد  
کہ رسم دوست جویان را بہ کوش و ہجرے باشد

نمی گیری بہ خونِ خلق بے پروا نگاہان را  
نوائد بود بیارب بعدِ معشرِ محشرے باشد

چہ گویم سوزِ دل با چون تو غم ناپدید بدستے  
مثالے وانمایم ، گر کباب و احگرے باشد

رسد سرِ رزم از خلدِ برین ناخواندہ مہمانے  
جسمِ من ، گر از داغِ بہشتی بیکرے باشد

نخواہد بود رسم آنجا بہ دیوانِ داوری بردن  
گرفتہ کشورِ سہر و وفارا داورے باشد

نوان سقلِ بہایِ تیغِ فہائل ہم ادا کردن  
اگر فساد را در دہر مُزدِ شترے باشد

سیکدم آن قدر کز بوسہ و دشنام خالی شد  
لپ یاراست و حرفے چند، گو بادیکرے باشد

(ق)

به ذوق لذتے کو خار و خارست پہلورا  
 بانم همچنین، گر ہم ز تیرین بسترے باشد  
 به جانے گر خود از کوہ است، دروے لرزہ اندازد  
 به چشمے گر خود از سام است، گردِ اشکرے باشد  
 ستایم حق شناسہایِ محبوبے کہ در محفل  
 دلش با چشمِ پر خون و لبش با ساغرے باشد  
 نبود از تیشہ پدا، سربہ سنگے میزدیم، لیکن  
 ستم باشد کہ در پیہودہ میری ہمسرے باشد  
 بیاید ہم زمن، آنجہ از ظہوری بانم غالب  
 اگر جادو بیانات را زمن واپس ترے باشد

(قبل از ۲۹ ستمبر ۱۸۵۳ء جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳ھ)

﴿ ۱۵ ﴾

دل نہ تنہا ز فراقِ تو نغان ساز دہد  
 رفتی عکسِ تو از آئینہ آواز دہد  
 مغزِ جان سوخت ز سودا و بہ کام تو هنوز  
 زہرِ رسوائیِ ما چاشنیِ راژ دہد

خاک خون باد که در معرض آثار وجود  
 زلف و رخ در کشد و سنبل و گل باز دهد  
 داغم از پرورش چرخ که در بزم امید  
 بر شمع که فروزد، به دم گاز دهد  
 دل چو بندستم از دوست، نشاط آغازد  
 شیشه سازه ست که تا بشکند آواز دهد  
 هائے پرکاری ساقی که به ارباب نظر  
 می به اندازه و بیعانه به انداز دهد  
 طُمرات مشک به دامن نسیم افشاند  
 جلوات گل به کف آینه پرداز دهد  
 معی زین بال فشانی جگرم سوخت دریغ  
 کاش آبی ز نسیم خجالت پرواز دهد  
 ای که برخوانی وصال تو قناعت کفرست  
 همان صلائی که مرا حوصله از دهد  
 من سراز پا نشنم بهر معنی و سیر  
 مردم انجام مرا جلوة آغاز دهد  
 پرده داران به نی و ساز فشارش دادند  
 ناله میخواست که شرح ستم ناز دهد  
 هر نسیمی که ز کوی تو به خاکم گذرد  
 پادم از ولوله عمر سبک ناز دهد

چون نازد سخن از مرحمتِ دهر به خویش  
که بر او عرفی و غالب به عوض باز دهد

(قبل از ۲۹ شعبان ۱۸۶۱ء / جمادی الثانی  
۱۲۵۳ھ)

### ++۱۵۵++

کو فنا تا همه آیشِ بخندار برد  
از صورِ جلوه و از آینه زنگار برد  
شب زخود رفتم و بر شعله کشودم آغوش  
کو بد آموز که پیغاره به دلدار برد  
گفته باشی که به هر حیلہ در آتش فگنشی  
خیر میخواست مرا بے تو به گلزار برد  
باز چسبیده لب از جوشِ خلوت با هم  
مرگ مشکل که ز ما لذتِ گفتار برد  
عشوه مرحمتِ چرخ بحر کاین عیار  
یوسف<sup>۴</sup> از چاه برآرد که به بازار برد  
شوق گستاخ و تو سرمست بدان رسوائی  
هان ادائی که دل و دست من از کار برد  
خونچکانست نسیم از اثرِ ناله من  
کیست کز سعیِ لطر بے به در یار برد

تونیائی به لبِ بام و به کوی تو مدام  
 دلمه ذوقِ نگه از روزی دیوار برد  
 ناز را آینه مائیم ، بر ما تا شوق  
 به تو از جانبِ ما مژده دیدار برد  
 مژغاتِ سفتِ دل و رفتِ نگاهِ تو فرو  
 کز ضمیرم گله سوزنتی خار برد  
 خاکِ از رهگذر دوست به فرم ریزند  
 تا ز دل حسرتِ آرایشِ دستار برد  
 میزند دم ز غیا غالب و تسکینش نیست  
 بو که توفیق ز گشتار به کردار برد

(قبل از ۲۹ شمس ۱۲۳۷/۱۶ جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳ء)

++۱۵۶++

چاک از جیم به دامن میرود  
 تا چه بر چاک از گریبان میرود  
 جوهرِ طبعم درخشانت ، لیک  
 روزم اندر ابر پنهان میرود  
 گو بود مشکل ، مرنجِ اے دل که کار  
 چون بود از دست ، آسان میرود



جز سخن کفری و ایمانی کجاست  
 خود سخن در کفر و ایمان می‌رود  
 هر شمع را شمع درخور است  
 بوی پیرامن به گنجان می‌رود  
 آید و از ذوق نشام که کیست  
 تا رود، پنداشتی جان می‌رود  
 می‌برد، اما نه یک جا می‌برد  
 می‌رود، اما برستان می‌رود  
 هر که بیند، در رهش گوید همی  
 قبیله آتش برستان می‌رود  
 اول ماه است و از شرم تو ماه  
 آخر شب از شبستان می‌رود  
 بگذر از دشمن، دلتی سخت سخت  
 آبروی تیر و پیکان می‌رود  
 کیست تا گوید بدان ایوان نشین  
 آنچه بر غالب ز دربان می‌رود

﴿۱۵۷﴾

نوسیدی ما گردشی ایام ندارد  
 روزی که سیه شد حرو و شام ندارد  
 بوسم لب دلدار و گزیدن نتوانم  
 نومست دلم ، حوصله کام ندارد  
 مفرت به طوبی حرم دوست نسیم  
 کز نکبت گل جاسه احرام ندارد  
 هر ذره خاکم ز تو و لسان به هوائیست  
 دیوانگی نسوق سرانجام ندارد  
 رو، تن به پلا ده که دگر بیم پلا نیست  
 مرغ قفسی کشمکش دام ندارد  
 قیامد خبر آورد و همان خشک دماغم  
 طوبی قدحش رطبه پیغام ندارد  
 بی نقشی وجود تو سراپای من از ضعف  
 چون بستی خواهم که اندام ندارد  
 گردید نشانها عذاب تیر پلا ها  
 آتشی عفا که بجز نام ندارد  
 بلبل به چمن بنگر و پروانه به محفل  
 شوقست که در وصل هم آرام ندارد  
 تلخست رگ ذوقی کبابی که بسوزد  
 زان رشک که سوز جگر خام ندارد

آہا بہ دلت و سولہ کسبِ ہوا نیست  
 یا آنکہ سرائی تو لبِ بام ندارد  
 بوسے کہ رہا ہند بہ مستی ز لبِ یار  
 تغزیت، ولے لذتِ دشنام ندارد  
 ہر راجعہ بہ اندازۂ ہر حوصلہ ریزند  
 میخانۂ تویقِ خم و جام ندارد  
 غالب کہ بہت از غزلِ مصرع استاد  
 "ہدام صفای گلِ ہدام ندارد"

(قبل از ۲۹ ستمبر ۱۸۳۷ء/ ۲۸ جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳ھ)

### ۱۵۸۳

چہ خیزد از سخنِ کز درونِ جان نبود  
 برینہ یاد زبانے کہ خونچکان نبود  
 حکیم ساقی و مے نشد و من ز بدخوئی  
 ز وطنِ یادہ بہ خشمِ آہم، از گران نبود  
 نگفتہ ام ستم از جانبِ خداست، ولے  
 خدا بہ عہد تو بر خلقِ مہربان نبود  
 ز نازکی نتواند نہفت را ز مرا  
 خیالِ بوسہ بر آن ہایِ بے نشان نبود

چو عشرتی که کشتد فاسق تنکاه  
 ز زخم خون به زبان لیس و روان نبود  
 ز خویش رفته ام و فرصتی طمع دارم  
 که بازگردم و جز دوست ارمغان نبود  
 زمام ناته دست نصیب شوقست  
 به سوی قیس گرایش ز ساریان نبود  
 فرو برد نفی سرد من جهنم را  
 اگر نشاط عطای تو در میان نبود  
 مرا که لب به طلب آشنا نخواست  
 روا مدار که شامد ضمیردان نبود  
 امید بلبوس و حسرت من افزون شد  
 ازین نوید که اندوه جاودان نبود  
 به التفات نگارم چه جای تهنیت است  
 دعا کنید که نروم ز امتحان نبود  
 عجب بود سرمد خوابی کسی غالب  
 مرا که بالش و بستر ز پرنیان نبود

﴿ ۱۵۹ ﴾

بستانِ شهر مَتم پیشه شهر یار اند  
 که در مَتم روشِ آسویِ روزگار اند  
 بودند دل به ادائے که کسی گمان نبرد  
 لغان ز برده نشینان که برده دار اند  
 به جنگ تاجه بود خویِ دلبران کاین نوم  
 در آتشی نمکِ زخمِ دلفکار اند  
 نه زرع و کشت شناسند، نمی حدیقه و باغ  
 ز بهر پادشاهِ هوا خواجه باد و بار اند  
 ز وعده گشته پشیمان و بهر دفعِ ملال  
 امیدوار به مرگِ امیدوار اند  
 ز رویِ خُوی و مینشِ نور دیده آتش  
 به رنگ و بویِ جگر گوشه بهار اند  
 تو سرمه بین و ورق در نورد و دم درکش  
 مبین که سحر نگاهان سیاهکار اند  
 ز دید و داد سزن، حرف خرد سالاند  
 به گردِ راه سینه، چشم، نمی سوار اند  
 ز چشم زخمِ بدین حیلہ کے رمی غالب  
 دگر مگو که چو من در جهان هزار اند

۱۶۰

دلستانان بچلند، ارچه جفا نیز کنند  
 از وفائی که نکردند حیا نیز کنند  
 چون بپسندد، بترسند و به یزدان گروند  
 رحم خود نیست که بر حال گدا نیز کنند  
 خسته تا جان ندهد، وعده دیدار دهند  
 عشوه خواهند که در کار قضا نیز کنند  
 خونی نا کاهی سی ساله هدر خواهد بود  
 سهر با ما اگر از بهر خدا نیز کنند  
 اندران روز که برشی رود از هر چه گذشت  
 کاش با ما سخن از حسرت ما نیز کنند  
 از درختان خزان دیده نباشم کابنها  
 ناز بر تازگی برگ و نوا نیز کنند  
 گر بود کوتاهی از عمر تو دانی و اجل  
 گفته کار به هنگام روا نیز کنند  
 نشوی رنجه ز رندان به محبوبی که این قوم  
 نفسی باد سحر غالیه ما نیز کنند  
 گشته باشی که ز ما خواهی دیدار خطاست  
 این خطائیست که در روز جزا نیز کنند

حلی غالب نگر و دلتِ سعدی که سرود  
خویرویانِ جفا پیشه و وفا نیز کنند

(سن ۱۸۳۲/۵۱۲۵۷ و ۱۸۳۵/۵۱۳۶۱)

\*\*\*۱۶۱\*\*\*

دماغِ اهلِ فنا نشئه پلا دارد  
به فرغم آره طلیعِ برِ عِصا دارد  
به وعده که خرام تو کرد نمناکم  
یا که شوقم از آوارگی عیا دارد  
کشایدِ هست ادای تو دلشینِ نیست  
اگر خدنگِ تو در دل نشست جا دارد  
ز من مترس که ناگه به پیشِ نازیِ حشر  
هجومِ ناله لبم را ز ناله وا دارد  
دلم فسرُد ، یغزا ، به وعده ذوقِ وصال  
چراغِ کشته همان شعله خویها دارد  
تیم ز رشک ، همانا به جستجویِ کسیست  
که خور ز تابِ خود آتش به زیرِ پا دارد  
بی عتاب همانا بهانه می طبلد  
شکایتی که ز ما نیست ، هم به ما دارد

خوش است دعوی آرایش سر و دستار  
 ز جلاوه کتبِ خائنه که نقشِ پا دارد  
 ز جور دستِ تپه ناله از نهادم جست  
 نغمه که برگ ندارد همان نوا دارد  
 ز سادگی رمد از حرفِ عشق و من به گمان  
 که دوست تجربه دارد، از کجا دارد  
 به خون تپیدنِ گلها نشانِ پیکرنگیست  
 چمن عزای شهیدانِ کربلا دارد  
 لغزان که رجم به آسویبار شد غالب  
 روا نداشت که بر ما مسموم روا دارد

(تبل از ۲۹ ستمبر ۱۳۳۷ء/۲۸ جمادی الثانی  
 ۱۳۵۳ء)



4974

نقاب دار که آیین رهزنی دارد  
جمالی یوسفی و قریبمنی دارد  
وفای غیر گرش دانشین شفت، چه غم  
خوشم ز دوست که با دوست دشمنی دارد  
چه ذوق رهروی آرا که خارخارے نیست  
سرو به کعبه، اگر راه امنی دارد  
به دافریبی من گرم بحث و سود نیست  
نگاه تو به زبان تو هفتی دارد  
به باده گرم بودم میل، شاعرم، نه فیه  
سخن چه ننگ ز آلوده دامنی دارد  
خوشم به بزم ز اکرام خویش و زین غافل  
که می نمانده و ساقی فروتنی دارد  
نباشدش سخن کشی نوان به کاغذ بُرد  
بُرو که خواجه گهرهای معدنی دارد  
بیاورید، گرایینجا بُود زماندانی  
خریبه لهر سخنهای گشتی دارد  
مبارکست رفیق، از چنین بُود غالب  
ضیای نیز ما چشم روشنی دارد

++۱۶۳++

ز رشکست اینکه در عشق آرزویِ مُردنم باشد  
 تو جانِ عالمی، حیفست گر جانِ درنم باشد  
 زه قسمت که ساز طالعِ عیشم کنند آنرا  
 اگر خود جزوی از گردون به کام دلتنم باشد  
 بیاسا ساعتی تا بر دمِ نیت گلو سایم  
 که از خود نیز در گشتن حلقه برگردنم باشد  
 ششام سعی بختِ خویش در نامهربانها  
 بلرزم بر گلستان، گر گلچین در دامنم باشد  
 تو داری دین و ایمان، پارس از دیو و فرنگش  
 چو نبود توشه راهی، چه پاک از رهزنم باشد  
 به ذوقِ عافیت یاران روند از خویش و چون من هم  
 خَلد در پای من خار می که در بیراهنم باشد  
 بدان تا بامن آویزد، چو حرفِ رنگ و بو گوید  
 دلم با او شمع، اسا زبانِ پاکشتم باشد  
 بدین آهنگهای هست نتوان غمِ بیرون دادن  
 مگر صور قیامت ساز شور شیونم باشد  
 به سودایت همان انداز از خود رفتنی دارم  
 اگر چون ناله زنجیر بند از آهنم باشد

به زورِ هندویشِ قارونِ خفتن از دونه‌ی خیزد  
 یا تا در سخنِ یحیی که غالبِ هفتم باشد

(قبل از ۱۹۰۷ سپتامبر ۱۸۳۷/۲۸ جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳هـ)

### ♦♦۱۶۴♦♦

حسودِ بهشتی ز یاد آن بتِ کشمیر بُرد  
 بیمِ صراط از نهاد آن دمِ شمیر بُرد  
 شهریورِ غمزه صبر و دل و دهنِ ربود  
 جان که ازو باز ماند، شعله تقدیر بُرد  
 ناله در ایوارِ شوق توشه راهی نداشت  
 بست به غارتِ کمر، فرصتِ تبکیر بُرد  
 شوقِ بلندی گرای پایه منصور جُست  
 حوصله نارسا به عصرِ شیر بُرد  
 زد ننگمت بر دلم، مخزنِ اسرار دِید  
 خواست کلیدش بُرد، طاقِ تقریر بُرد  
 جنبشِ ابرو نبود از به قلمِ ضرور  
 غمزه ز به طاقی دست به شمیر بُرد  
 روشنِ داشت عشق، چاشنی داشت سهر  
 آن خس از آتش گرفت، این شکر از شیر بُرد

خانه زنبور تند کلیه ام از دست چرخ  
 بسکه ز آب و گِلَم رغبت تعمیر برد  
 سردی میهر کسی آب رخ شعله ریخت  
 گرمی بیضی دلم عروقی تابش برد  
 عشق ز خاکِ دلت سرمه بینش گرفت  
 یاره در آمد هوس، نسخه اکسیر برد  
 باخودش افتاده کار، پاک ز غالب مدار  
 ذوقِ لغزش ز دل ورزشی تأثیر برد

(بین ربیع دوم ۱۸۳۸ء / ثلث اول ۱۲۵۷ هـ و  
 ۱۸۳۱ء / ۵۷-۱۲۵۹ هـ)

### ۱۶۵

تا چند بلبوس می و عاشق ستم کشد  
 کو لخته تا به داوری هم علم کشد  
 دل را به کارناز چه سرگرم کرده  
 یعنی به خویش هم کند و از توهم کشد  
 شکست و دایع دخلی مقدر، عتاب چیست  
 بگفتار در دلم سره، چندان که نم کشد  
 صیدت ز بیم جان نرمد، بلکه میرود  
 تا دشت را ز شوق در آغوشی رم کشد

دشوار نیست چاره عیشِ گریز پای  
 دور قدحِ جو سلسله گریز بهم کشد  
 آنی که تلمبِ جذبه ذوقِ نگینو  
 رنگ از گل و می از رز و صید از حرم کشد  
 شوقم که روشناسِ دلِ نازنین تست  
 که منتِ شوقین و نازِ تلم کشد  
 زلفت آنکه تا ز زحمتِ پشت و شکم رهد  
 هم رنجِ کارسازیِ پشت و شکم کشد  
 صیفا حلالِ زاهدِ شب زنده دار را  
 اما به شرطِ آنکه همان صیادم کشد  
 از نازکی به دهر مکرر نمی شود  
 نقشه که کلکِ غالبِ خونین رزم کشد

++۱۶۷++

ذوقش به وصل گریه زبانم ز کار بُرد  
لب در هجوم بوسه زبانش نگار بُرد  
تا خود به پرده رهندهد کامجوی را  
در پرده رخ نمود و دل از پردیدار بُرد  
گفتد حور و کوثر و دادند ذوقِ کار  
منعت نام شاهد و می آشکار بُرد  
نعلنی مرا بسوز، کم از برهن نیم  
نگب نسوختن نتوان در مزار بُرد  
گل چهره بر فروخت بدالسان که بارها  
بروانه را هوس به پیرشاخسار بُرد  
دادم به بوسه جان و خوشم گن بهانه جوی  
فرخشی دوچند کرد و شگرفی به کار بُرد  
می داد و بذله جست، مگر ابر و قلزم  
کاورد قطره و گهر شاهوار بُرد  
تا فتنه را ز گردش چشم سیاه گفت  
کینه که داشتم به دل از روزگار بُرد  
بشم ازان پیرس که برسی و اهل کوی  
گویند خسته زحمت خود زین دیار بُرد

نازم در پی صلح که غالب ز کوی تو  
نکام رفت و خاطر امیدوار برد

(بن ۲۹ شعبان ۱۲۸۳/۲۸ جمادی الثانی  
۱۲۵۳ و ۲۱ جنوری ۱۲۵۸/  
۲۳ شوال ۱۲۵۳)

### ++۱۶۷++

اگر داغ وجودم را در اکسیر نظر گیرد  
سرایای من از جوش بهاران پرده برگیرد  
به غرض هر گسستن کز نفس بانه زینابی  
خیالم الفت مرغوله سویان را ز سر گیرد  
دل از سودای مژگان که خوسه گردید کز سستی  
به ذوق رخنه از هر قطره ره بر نیشتر گیرد  
به چشم سدمی همچون چراغ روز می نورم  
چراغم گر به غرض از بر تو خورشید در گیرد  
رمش نظاره را از رقص بسمل در چمن پیچد  
غمش آئینه را از چهره عاشق به زر گیرد  
گم دروے، ز رشکست اینکه غمخوارے نمی خواهم  
که ترسم باید او را هر که از عالم خبر گیرد

سرت گوردم ، اگر پای نزاکت در میان نبود  
 تم از لاغری صدخزده بر روی کمر گیرد  
 نوردم نامه و دل بار بار از بدگمانی ها  
 نهد نقشی تو پیش روی و خود را نامه بر گیرد  
 خوشم ، گواستاری نیست همچون موج کارم را  
 که هر دم از شکست خود روانی بیشتر گیرد  
 محبت هر دلی را کز نزاکت سرگران یابد  
 سبک در دام ذوقی ناله سرخسحر گیرد  
 خوشا روزی که چون از مستی آویزم به دامانش  
 که از دستم کشد ، گاهم به روی چشم تر گیرد  
 زلفی نطق خویشم با نظیری همزمان غالب  
 چراغی را که دود می هست دوسر، زود دو گیر

(قبل از ۲۹ ستمبر ۱۸۳۷ء / ۲۸ جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳ھ)



++۱۶۸++

تسکست دلم ، حوصله واژ ندارد  
 آه از فی تیر تو که آواز ندارد  
 هر چند عدو در غم عشق تو به ساز است  
 دانی که چو ما طالع ناساز ندارد  
 دیگر من و اندوه نگاهم که تلف شد  
 گفتم که عدو حوصله از ندارد  
 در حسن به یک گونه ادا دل نتوان بست  
 لعنت سزه دارد ، اگر اعجاز ندارد  
 گستاخ زند غیر سخن باتو و شادم  
 مسکین سخنم از تو در آساز ندارد  
 تمکین بر همین دلم از کفر برگردانده  
 بتختانه بشی خانه بر انداز ندارد  
 ما ذره و او مهر ، همان جلوه همان دهد  
 آئینه ما حاجت بردار ندارد  
 هر دلتند از دوست دو انداز سپاس است  
 مانا که نگاه غلط انداز ندارد  
 بی حيله ز خوابان نتوان چشم ستم داشت  
 رحمت بر آن خسته که لغو ندارد  
 در عریده چشمک زند و لب گزد از ناز  
 تا بوسه لبم را ز طلب باز ندارد

باخویش به هر شیوه جداگانه دوجاواست  
 پروا . حریقان نظر باز ندارد  
 کیفیت عرفی طلب از طینت غالب  
 جام دگون باده شیراز ندارد

(قبل از ۲۹ شهریور ۱۲۳۷ خ/ ۲ جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳ م)

### بیت ۱۶۹

بم از زمزمه یاد تو خاسوش میاد  
 غیر لعلالی تو نقش وری هوش میاد  
 نگه کش به هزار آب نشویند ز اشک  
 محرم جلو آن صبح بناگوش میاد  
 هوس چادرنگل گر تو خاکم باشد  
 خاکم از نقش کفیهای تو گلبوش میاد  
 وعده گردیده و نای طره پریشانی را  
 یارب ، استب به دروازی خجل از دوش میاد  
 غیر گر دیده به دیدار تو محرم دارد  
 فارغ از اسبه محرومی آغوش میاد  
 گهری کش نظر از هست پاکان نبود  
 صرف پیرایه آن گردن و آن گوش میاد

هر کرا رخت تمیزی نبود - از لیم می  
 جای در حلقه رندان قدح نوش مباد  
 رعب و بادیه شوق سبک میرانند  
 بار سرنیز درین مرحله بر دوش مباد  
 مفتیان ، باده عزیزست ، سریزید به خاک  
 جوشد از پرده دگر خون سیاوش ، مباد  
 همه گر میوه فردوس به خوانت باشد  
 غالب ، آن اتیه بنگاله فراموش مباد

(قبل از ۲۹ شهریور ۱۲۸۳/۲۸ جمادی الثانی  
 ۱۲۵۲ هـ)

### ++(۱۷۰)++

هر ذره وا فلک به زمین بس میرسد  
 گر خاک راست دعوی ناموس ، میرسد  
 زان می که صاف آن به بتان وقف کرده اند  
 درد تب پاله به کاوس میرسد  
 زینسان که خوگرفته عاشق کشیت حسن  
 سر شمع را شکایت فانوس میرسد  
 خود پیش خود کفیل گرفتاری منست  
 مردم به پریشی دل مأیوس میرسد

بیرون میا ز خانه به هنگام نیروز  
 رشک آیدم که سایه به بابوس میرسد  
 ارباب جاه را ز رعوت گزیر نیست  
 کاین نشئه از شراب غم کوی میرسد  
 گفتم به وهم برستی عبرت برای چه  
 گفتم ز طوف دخمه کاوی میرسد  
 سجاده رهن می نذرت می فروش  
 کاین را نصب به خرقه سالوس میرسد  
 خون سوزن ز مغز رگ جان ندیده  
 دانی که از تراوشی کیموس میرسد  
 خشکست گر دماغ و روح غالباً، چه بیم  
 کز ذوق سودن کف افسوس میرسد

(قبل از ۲۹ شهریور ۱۲۵۱/۲۹ مرداد ۱۲۵۲)  
 (۱۲۵۳)

﴿ ۱۷۱ ﴾

دریغا که کام و لب از کار ماند  
 سخنهای ناگفته بسیار ماند  
 گدایم نهانخانه را که در وے  
 در از بستگی ها به دیوار ماند  
 جنون برده داراست ما را که ما را  
 ز آشفته گی سر به دستار ماند  
 نکه را بیه خیال طرفِ عذارش  
 به تمنّاجی رهرو آزار ماند  
 ادائیجیت او را که از دلبرانی  
 تپیدن ز شوقی به اظهار ماند  
 چه جویم مراد از شگرفی که او را  
 نشستن ز شنگی به رفتار ماند  
 در آئینه ما که نمایا ز بختیم  
 خطا عکسِ طوطی به زنگار ماند  
 گروهیست در دیر هستی که آن را  
 ز پیچش نفس ها به زنگار ماند  
 بجز عقده هم چه بردل شمارد  
 زبانی که در پیشِ گیتار ماند

ز تعیط سخن ماندم خامه غالب  
به نخلی کز آوردن بار ماند

(نیل از ۲۹ ستمبر ۱۸۳۷ء/ ۲۸ جمادی الثانی  
۱۲۵۳هـ)

۱۷۲

ترا گویند عاشق دشتی، آرمے چنین باشد  
ز شک غیر باید مرد، گر سپهر تو کین باشد  
ازان سرمایه خوبی به و صدم کام دل جستن  
بدان ماند که مورے خرمنے را در کمین باشد  
محبت هرچه با آن تیشه زن کرد از ستم نبود  
چنین افتد، چو عاشق سخت و شاعر نازنین باشد  
به روزے کش شیے یا مدعی باید بسر بردن  
به من ضائع کند گر حد نگاه خشمگین باشد  
نسوزد بر خودم دل، گر بسوزد برق خرمن را  
که دانم آنچه از من رفت حق خوشه چین باشد  
به پیر حافظه در روضه یکجا خوش توان بودن  
به شرط آنکه از ما باده و ز شیخ انگبین باشد  
جفاهای ترا آخر وفائی هست بندارم  
درین میخانه صاب سے به جام واپسین باشد

بری از شسته دل تا خون بریزی بیگانه را  
 تفرسی از خدا آئین بیای نه این باشد  
 چه رفت از زهره با هاروت ، خاکم در دهن بابا  
 تو مریم<sup>۲</sup> باشی و کار تو با روح الامین<sup>۳</sup> باشد  
 ازان گرددے کہ در آغش نشیند بر رخم غالب  
 چه خیزد، چون هم از من رخ، هم از من آستین باشد

(بین دیم دوم ۱۸۳۸/۵/ثالث اول ۱۲۵۳ هـ و  
 ۱۸۳۱/۲/۵۷-۱۲۵۶ هـ)

### ۱۷۳

از رشک کرد آنچه به من روزگار کرد  
 در خستگی نشاط مرا دید ، خوار کرد  
 در دل همه ز بیشنی من کینه داشت چرخ  
 چون دید کان نمائد نهان ، آشکار کرد  
 بد کرد چون سپهر به من ، گرچه من بدم  
 باید بدین حساب ز نیکان شعور کرد  
 لنگر گشت صومر و کشتی شکست موج  
 دانا خورد دریغ که نادان چه کار کرد  
 از بسکه در کشاکش از کار رفت دست  
 بنید مرا گمستی بنید استوار کرد

عمرے بہ تیرگی بسر آورده ام کہ مرگ  
 شادم بہ روشنائی شمع مزار کرد  
 تا منے بہ رشم من فتد از دست من بہ خاک  
 اقربا ذوق دست مرا دھشہ دار کرد

(ق)

کونہ نظر حکیم کہ گفتی ہر آئندہ  
 نشان لزون ز حوصلہ جبر اختیار کرد  
 نوسیدی از تو کفر و تورانی نہ بہ کفر  
 نوسیدیم دگر بہ تو اسیدوار کرد  
 غالب کہ چرخ را بہ نوا داشت در سماع  
 امشب شزل برود و سرا بہترار کرد



## ﴿۱۷﴾

به ذوقِ سرز مستی در قنایِ روان دارد  
 که بنداری کند بار همچون مار جان دارد  
 تنم سازِ تنانجست کز هر زخمه دودے  
 همارا مستِ آوازِ شکستِ استخوان دارد  
 هوایِ ساقی دارم که تپِ ذوقِ رفتارش  
 صراحی را چو طاقیانِ بسمل بر نشان دارد  
 بنازم سادگی، طفل است و خونریزی نمیداند  
 به گل چیدن همان ذوقِ شمارِ گشتگان دارد  
 دل از هم ریزد و حسرت اساسِ محکمی خواهد  
 لطم آذر بپزد و طاقیت تماشایِ برنیان دارد  
 برون مردم گدلم از موج دامن زیر کوه آمد  
 نم گردابِ طوفان تا چه رخنم را گران دارد  
 برنجد از دم تیغ تو صید و در میدانها  
 به امید تلافی چشم بر پشتِ گمان دارد  
 دلم در حلقه دام بلا میرقصم از شادی  
 عیاناً خویشی را در خمِ رقصِ گمان دارد  
 به گلهای بهشتم مژده نتوان داد در راهتی  
 من و خاک که از تشنگی کف پائی نشان دارد  
 به شرع آویز و حق میجو، کم از مجنون نه بارے  
 دلش با محملست، اما زیان با ساربان دارد

رسم زان ترکِ صید الکن که خواهم صرف من گردد  
گسسته‌هایِ بے اندازه کاندو عنان دارد  
خدا را وقتِ پریش نیست ، گفتم بگنر از غالب  
که هم جانِ بر لب و هم داستانها بر زبان دارد

(قبل از ۲۹ سپتامبر ۱۸۵۳ء / ۱۲ جمادی الثانی  
۱۲۵۳ء)

### ۱۷۵۵

صاحب‌دست و نامور ، عشقم به سامان خوش نکرد  
آشوبِ پیدا ننگِ او ، اندوهِ پنهان خوش نکرد  
دانست بے حس ناختم ، الماسِ زرد بر ریش من  
سنجید شستِ خود قوی ، در تیر پیکان خوش نکرد  
آن خود به بازی می برد ، وین را دوجو می شمرد  
بنمودش دین خنده زده ، آوردش جان ، خوش نکرد  
در نامه تا بشوشتش کز شهر پنهان میروم  
دل بست در مضمون ولی ، نامم به عنوان خوش نکرد  
دارم هوایِ آن بری کو بسکه لغز و سرکشست  
زافسون سحر تند ، ولی زهدِ پریخوان خوش نکرد  
فریاد زان شرمندگی کارند چون در محترم  
گویند اینک خیره سر کز دوست فرمان خوش نکرد

عامست لطفِ دلبران ، جز عام تشهد دل بر آن  
 عاشق، ز خاصانِش بدان، گردن به حرمان خوش نکرد  
 شرح از سلامتِ پیشگی عشقِ مجازی بر نتافت  
 زاهد به کنجِ صومعه غوغایِ سلطان خوش نکرد  
 بامن میاویز ای بندو فروزید آرزو را نکر  
 هر کس که شد صاحبِ نظر دین بزرگان خوش نکرد  
 گویند صانع توبه کرد از کفر، نادان بنده  
 کز خود فروشی‌های دین بخشش زبزدان خوش نکرد  
 غالب به فن گفتگو نازد بدین آرزوی که او  
 نتوشت دردِ یوان غزل نامِ مصطفی خان خوش نکرد

(قبل از ۱۸۲۹/۵-۱۲۳۴-۳۵ هـ)

### ++﴿۱۷۶﴾++

قدِ مشتاقان چه داند ، دردمایِ چندش بود  
 آنکه دایم کار با دل‌هایِ خرسندش بود  
 شاهدِ ما همشین آرای و رنگین محفل است  
 لاجرم در بندِ خویشست آنکه در بندش بود  
 در نگارینِ روضه فردوس ننگشاید دلش  
 آنکه در بندِ دروغِ راست مانده‌اش بود

آنکه از شنگی به خاموشی دل از ما میرد  
 وای، گر چون ما زبانی نکتہ پیوندش بود  
 در سم حق ناشناسی گزین از انصاف نیست  
 آنکه چندین تکیه بر حلم خداوندش بود  
 صبح دانی این همه نور عتاب از بهر چیست  
 نا جگہا نشنیده موج شکر خندش بود  
 لازم آن خود بین که ناید غیب خویشش در نظر  
 گر به خاک پره کنار دوست سوگندش بود  
 آنکه خواهد در صفی مردان بتای نام خویش  
 خون دشمن سرخ تو از خون فرزندش بود  
 باخترد گفتم نشان اعلیٰ معنی بازگوی  
 گفت گفتارے که با کردار پیوندش بود  
 غالباً زنهار بعد از ما به خون ما مگیر  
 قاتلی ما را که حاکم آرزو مندش بود

﴿۱۷۷﴾

بهر خواری بسکه سرگرم تلاشم کرده اند  
 باره نزدیکه در هر دورباشم کرده اند  
 ترسم از رسوائیتم آخر پیشانی کشند  
 رازم و این شاهدانِ مست نیاشم کرده اند  
 چرخ هر روزم غم فردا به خوردن میدهد  
 ناقص است فارغ از فکر معاشم کرده اند  
 غیر گشتی روشناس چشم گوهر بار هست  
 رازدانِ ناله الماس باشم کرده اند  
 هر چه از پی طاقتی، مراد نیاشم داده اند  
 هر چه از اندوه، صرف اتعاشم کرده اند  
 از غیبِ دلمت به دل دوزخ سرشتم خوانده اند  
 وز دم گفتم به تن میثاقیاشم کرده اند  
 هم به صحرای جنون همچون خطایم داده اند  
 هم به کوه پی ستون خارا تراشم کرده اند  
 چشم نبوم، از چه روخارم به عیب افشاده اند  
 دل نیاشم، تا چرا رزق خراشم کرده اند  
 از چه، غالب، خواجگیهای جهان ننگِ منست  
 گرنه با سلمان و بودر خواجه تاشم کرده اند

۱۷۸۰

کسی بامن چه در صورت برستی حرفِ دین گوید  
 ز آزر گفت، دانم، گر ز صورت آفرین گوید  
 دلم در کعبه از تنگی گرفت آواره خواهم  
 که بامن وسعت بتخانهای هند و چین گوید  
 به خشمم ناسزا میگوید و از لطفِ گفتارش  
 گمان دارم که حرفِ دانشی بعد ازین گوید  
 شناسد جایِ لحم، دل را و خود را دلربا داند  
 عجب دارد اگر دلدادۀ خود را همین گوید  
 چو خواهم داد از لحم در جواب لب فرو بندد  
 و گر گویم که جان خواهم به غم داد، آفرین گوید  
 رحمِ الهیاده بهر دانه سویی دام میاید  
 که حرفِ ذبح با همراز خویش اندر کمین گوید  
 ز بیثباتی برون اندازد از خویش آستین دوری  
 گویان آنچه دید از دست، گر با آستین گوید  
 دل از پهلوی برون آرم جیش جام خود انکار  
 و گر لخته پرافشانم سلیمانش نکین گوید  
 گذارد آنچه برق از خرمن اندر دست، بگذارم  
 که نرسم چون بچشم، کسی به طمّرم حوشه چین گوید

چرا راندند غالب را ازان در، رهروے باید  
که راز خلوت شه با گدایِ ره نشین گوید

(بین ۱۸۳۲/۷ و ۱۸۳۵/۴۱۶۱)

### ++۱۷۹++

من به ولما مردم و وقیب به در زد  
نیمه لبش انگین و نیمه تبر زد  
در نمکش بین و اعتماد نفوذش  
گر به می افکند، هم به زخم جگر زد  
کیست درین خانه کز خطوط شعاعی  
سحر نفس ریزه ها به روزی در زد  
دعوی او را بود دلیل بدیعی  
خنده دندان تما به حسن گهر زد  
غیرت پروانه هم به روز مبارک  
ناله چه آتش به بال مرغ سحر زد  
لشکر هوشم به زور می نشکست  
شمره ساقی تخت راه نظر زد  
زان بت لارک چه جای دعوی خونت  
دست وی و دامن که او به کمر زد

برگِ طرب ساختیم و بادہ گرفتیم  
 ہرچہ ز طبعِ زمانہ بیہدہ سر زد  
 شاخ چہ بالہ، گر اوسغانِ گل آورد  
 تاک چہ نازد، اگر صلائی نعر زد  
 کام نہ بخشیدہ، گنہ چہ شمار  
 غالب مسکین بہ التفات نیرزد

(پن ۲۹ ستمبر ۱۸۳۷ء/۲۸ جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳ھ/۳۱ جنوری ۱۸۳۸ء سوال  
 ۱۲۵۳ھ)

++(۱۸۰)++

غم من از نفسِ ہندگو چہ کم گردد  
 ہر آنشم چون گل و لالہ باد دم گردد  
 بدان معاملہ او بیدماغ و من بیدل  
 خوش آنکہ معذرتے صرف ہرستم گردد  
 ترا تنہاست کہ بروے من خسک باشد  
 مرا دلہست کہ دروے نشاط غم گردد  
 نمائندہ تابِ غمش، خاطرِ رقیبِ مجبوی  
 کہے چہ در ہی صیدِ گستہ دم گردد  
 ز ذوقِ گرہ ہرستم دل و تو می نگری  
 نگہ، مباد، ز بارِ سرشک خم گردد



بدین قدر کہ لیے تو کئی و من بمکم  
 ترا ز بادۂ نوشین چہ سایہ کم گردد  
 بہ غصہ راضیم، اما بہ دشتہ دریایی  
 دے کہ سبہ و قلخن ہلاک ہم گردد  
 رسیدہ ایم بہ کوی تو جای آن دارد  
 کہ عمر صرف زمین بوسی قدم گردد  
 تو ہا پریشانی من کردہ خفاکی و تو سم  
 کہ ہای تو ہمہ تاج پر لسم گردد  
 سبکسری ست بہ درپوزۂ طرب رفتی  
 خوفا دلے کہ بہ اندوہ محشم گردد  
 رخے کہ در نظرستم بہ جلوہ گل یافتہ  
 تھے کہ در جگہستم بہ دیدہ نم گردد  
 گرفتہ خاطر غالب ز ہند و اعیانش  
 بر آن سوست کہ آوارۂ عجم گردد

++(۱۸۱)++

بیدل نشد، از دل بہتِ عالیہ سو داد  
 گونی سگر آن دل کہ زمین برد بہ او داد  
 سخت دلِ طیر و گر از ننگ نکونی  
 برگشتنِ مژگن تو گوید کہ چہ رو داد  
 شایستہ عین ما و تو بودیم کہ تقدیر  
 مارا سخنِ نغمہ و ترا رویِ نکو داد  
 ساقی دگر ہم برد بہ میخانہ ز مسجد  
 مے یک دو قلع بود و لریم بہ سبب داد  
 برخیز کہ دلجوئی من بر تو حراست  
 اے آنکہ ندانی خبرم زان سر کو داد  
 زمین سادہ دل داد کہ چون دہد بخوایم  
 تو سید خود و مژدہ سرگم بہ عدو داد  
 حسنِ نو بہ ساقی گری آئین نشاند  
 مست آمد و یکبار دوساغر ز دوسو داد  
 در گلشنم و آرم از ان رویِ نکو یاد  
 در دوزخم و خواہم از ان تنہی خو داد  
 گفتن سخن از پایہ غالب نہ ز عیبت  
 امروز کہ مستم خبرم خواہم ازو داد

﴿۱۸۲﴾

نهم جبین به دوش، آستان بگرداند  
 نشیمنش به سرره عیان بگرداند  
 اگر شفاعت من در تصورش گذرد  
 به بزم انس رخ از ممدان بگرداند  
 به بزم باد به ساقبگری ازو چه عجب  
 که پیر صوبه را در میان بگرداند  
 اگر نه مائل بوس لب خودست چرا  
 به لب چو تشنه دسام زبان بگرداند  
 به بند دام بلای تو صعد را گردون  
 ها به گورد سر آشیان بگرداند  
 چو غمزه تو فسون اتو فروخواند  
 بلای راهزن از کاروان بگرداند  
 بهار را ز رخت تا چه رنگ در نظرست  
 که دسبدم ورق ارغوان بگرداند  
 توانی از حله خار و ننگری که سپهر  
 بر حسین علی بر سنان بگرداند

(ق)

برو، به شادی و اندوه دل منه که قضا  
 چو قرعه بر شط استعان بگرداند  
 بزیه را به بساط خلیفه بنشاند  
 کلم<sup>۳</sup> را به لباسی شبان بگرداند

اگر به باغ ز کنگم سخن رود غالب  
نسیم روی گل از باغبان بگرداند

(قبل از ۲۹ سپتامبر ۱۸۳۷، ۲۸/۵۱ جمادی الثانی  
۱۲۵۳ هـ)

### «۱۸۳»

چو زه به نصیب نشان بر کمان بچیناند  
تهد ز رشک دلم تا نشان بچیناند  
دعا کدام و چه دشنام، تشنه سخنیم  
به کام ماست زبان، چون زبان بچیناند  
ز نعل غیر چه خواهد، گویی غرض شغل است  
بگو به لعلو سرم بر منان بچیناند  
ز غیر نیست ز حُسنم کس سجال نداد  
که لب به زمزمه الاسان بچیناند  
به ناله ذوقِ سماع از تو چشم نتوان داشت  
اگر به جنبشِ مهر آسمان بچیناند  
که رفته از دیر زندان که بیقراری من  
کلید در به کفِ پاسبان بچیناند  
به خاتمه چه کند تا، بر پوشی که به باغ  
ز حمزه خون به رگِ ارغوان بچیناند

سپهر از رخِ ناشسته تو شرمش باد  
 که هکمی ماهِ درآبِ روان بچیناند  
 هنوز بخبری زانکه جیبه بر در تو  
 نبوده ایم چنان کاستان بچیناند  
 نشسته ایم به ودوست بر زدوست، مباد  
 که کسی به من رسد و ناگهان بچیناند  
 خیر ز حالِ ایرانِ باغ چون نبود  
 مرا که چیدنِ دام آشیان بچیناند  
 چون ساخته دارم چه خوش بود غالب  
 که دوست سلسله امتحان بچیناند

(بین ۱۸۳۲/۴۱۲۵۶ و ۱۸۳۵/۴۱۲۹۱ هـ)

### ++(۱۸۳۶)++

تیغت ز غرق تا به گلوم رسیده باد  
 شوخی ز حد گذشت، زانم بریده باد  
 گر رفته ام ز کوی تو آسان رفته ام  
 این قصه از زبانِ عزیزان شنیده باد  
 لغزی و خود پسند، بیم چه میکنی  
 یارب به دهر همچو توئی آفریده باد

مردن ز راز داری شویم نجات داد  
 صد رنگ لاله زار ز خاکم دیده باد  
 بر روی و روی بر تو بیش نتانست  
 در عرض شوق دیده طلبکار دیده باد  
 آتش به خالمان زده خواست صرصه  
 کفتم نسیم ، گفت به گلشن وزیده باد  
 مرگم اسان دهاد که از شوق بر خورم  
 این شعله همچو خون به رنگِ خس دوده باد  
 ذوقِ مست همدی به فغان ، بگذرم ز رشک  
 خارِ رخت به پایِ عزیزان خلیله باد  
 چون دیده پای تا به سرم تشنه کمیت  
 دل خون شواد و ازین هرمو چکیده باد  
 غالب ، شرابِ قندی هدم کباب کرد  
 زین بعد باده های گوارا کشیده باد

﴿۱۸۵﴾

پروا اگو از عریضه دوش نکردند  
 اشب چه خطر بود که می نوش نکردند  
 در تیغ زدن مستی بسیار نهادند  
 بردند سر از دوش و سبکدوش نکردند  
 از تیرگی طره شهرنگب نظرها  
 پرواز دران صبح بناگوش نکردند  
 داغ دل ما شعله‌شان ساند به پیری  
 این شمع شب آخراشد و خاموش نکردند  
 روزی که به می زور و به نر شور نهفتند  
 اندیشه به کار خرد و هوش نکردند  
 گو داغ نهادند و گر درد فرودند  
 نازم که به هنگامه فراموش نکردند  
 خون میخورم از حسن که این گنج روان را  
 در کار نهیستی آغوش نکردند  
 اکنون خطر می نیست که تا بر نشد از دل  
 خود چای زخمندان تو خسی پوش نکردند  
 گر خود به غلامی نپذیرند ، گدا باش  
 بر در یزن آن حلقه که درگوش نکردند

غالب، ز تو آن باده که خود گفت نظیری  
 در کاسه ما باده سر جوش نکردند

(بن ۵۱۸۳۲/۵۱۲۵۷-۵۱۸۳۵/۵۱۲۶۱)

### ۵۱۸۶۳

تاجر شوق بدان ره به تجارت نرود  
 که ره انجابد و سرمایه به تجارت نرود

چه نویسم به تو در نامه کز انبوهی غم  
 نیست ممکن که روانی ز عبارت نرود

از حیا گیر نه از جور، گر آن سایه ناز  
 کشته تیغ ستم را به زیارت نرود

وصلی دلداری نه خلقت، همان به همدم  
 که نگوئی سخن و عرضِ بشارت نرود

دل بدان گونه بیالای که در خواهی دید  
 دیده خون گردد و از دیده بصارت نرود

نصر و مهمانکده حاتم و کسرے بگذار  
 نام از رفتن آثارِ عمارت نرود

حج درویش طبع پشه نیززد به قبول  
 تا که اندوخته گدبه به تجارت نرود



تو به یک قطره خون ترکِ وضو گیری و ما  
 سیلِ خونِ ازمزه رانیم و طهارت نرود  
 و سرِ پشناس که هر نکته اذائے دارد  
 محرم آنست که ره جز به اشارت نرود  
 زاهد از حورِ بهشتی بجز این نشناسد  
 که شود دستِ زیدشوق و بکارت نرود  
 غالب خسته به کویِ تو رهینِ تپش است  
 که به شاهی نشیند به وزارت نرود

(قبل از ۲۹ شهریور، ۱۲۵۳/۶۱ جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳)

### ++۱۸۷++

هم انا الله خوان درختی را به گفتار آورد  
 هم انا الحق گویِ مردی را سپر دار آورد  
 ای که پنداری که ناچارست گردون در روش  
 نیست ناچار آنکه گردون را به رفتار آورد  
 نکته داریم و با یاران همگوشیم فاش  
 طالبِ دیدار باید تاپِ دیدار آورد  
 دانه ها چون ریزد از تسبیح تارے بیش نیست  
 این مشعبد دهرگاه از سبحد زُتار آورد

جذبِ شوقش بین کہ در هنگامِ برگشتن ز دیر  
 در تنہای خویشی بت را بہ رفتار آورد  
 آن کند قطعِ بیابان این شکستہ مغزِ کویہ  
 عشقِ ہریک را بہ طرزِ خاصِ درکار آورد  
 آہِ ما را بین کہ نارد از دلِ سختش خبر  
 باد را نازم کہ امیر از سویِ کمسار آورد  
 نزدِ ما حیف است ، گو نزدِ زلیخا میل باشی  
 جیدہ، کز چاہِ یوسف\* را بہ بازار آورد  
 ہر انارے را ، کہ افشاریم از وی خون چکد  
 ہر نہالے را کہ بنشانیم دل بار آورد  
 نیست چون در منطقش جز ذکرِ شاہدِ حرف و سوت  
 شاہدے باید کہ غالب را بہ گفتار آورد

(بین ۶۱۸۶۱/۶۱۸۶۲ و ۶۱۸۶۳/۶۱۸۶۴) و اوسط

(۶۱۸۶۲/۶۱۸۶۳ اول ۱۲۸۳ھ)

\*\*\*۱۸۸\*\*\*

عجب که مرده دهان رو به روی ما آرند  
 کدام مرده که آرند و از کجا آرند  
 ز دوستان نبود خوشنما درین هنگام  
 که وایه بهر گدای شکسته پا آرند  
 ز غم چنان شده ام مضطرب که اعدا را  
 سزد که گنج گهر بهر رونما آرند  
 نه روی خواستن از حق بود جز آنان را  
 که بنده وار همی طاعتش بجا آرند  
 نه بے رضای خدا کارها روان گردد  
 سپهر و انجم اگر ساز مدعا آرند  
 نمائند ساز مرا هیچ نغمه هفتیان  
 جز آنکه بر شکندش چو دو نوا آرند  
 نخست عمر دگر خواهد از خدا غالب  
 اگر نویسد پذیرائی دعا آرند

(بین اواسط ۱۸۹۷/۱ و اول ۱۲۸۳ و  
 اوائل ۱۸۹۹، قبل از ۱۵ شهریور ۱۲۸۵،  
 قبل از ۳ ذی قعد)

۶۶۱۸۹۷۶۶

به مقصدی که مرآن را ره جدا گویند  
 برو برو که ازان سو یا یا گویند  
 کسیکه پای ندارد چگونگی راه رود  
 خود اهل شرع درین داوری چها گویند  
 ز رسی نخل انالله گوی نا آگاه  
 حدیث جلوه گاه و موسی<sup>۳</sup> و عصا گویند  
 مگر ز حق نبود شرم حق پرستان را  
 که نام حق نبرند و همین انا گویند  
 ز قبول شان نبود دانش اهل نظر  
 جز آن صفات که از ذات کبریا گویند  
 نخوانده در کتب و ناشنیده از قضا  
 بغیر پیروز و آگویه ها که وا گویند  
 دم از "وجود که ذنب" زدند پرخیزان  
 چنان عطیة حق را گناه ما گویند  
 بله گناه بود دعوی وجود ز ما  
 به اهل و از چنین گوی نا بجا گویند  
 دیگر سلامتیاں را چه زهره باسخ  
 اگر به خشم گرانند و ناسزا گویند  
 نکرده زر من خود را و سپهر عرض فریب  
 به پیش خلق حکایت ز کیا گویند

کسانکه دعویٰ بیکسی هم کنند، مرا  
اگر نه نیک شمارند، بد چرا گویند  
طمع مدار که یابی خطاب مولانا  
بس است همچو توئی را که نارسا گویند  
بگویی سرده که در دهر کار غالب زار  
ازان گذشت که درویش و بیوا گویند

(بین ۱۸۶۱/۴-۵۸/۲۷۷ و اواسط ۱۸۶۷/۵)  
ربیع اول ۱۲۸۳ هـ

### ۱۹۰

ز بس تاب خرام کلکم آذر بیزد از کاغذ  
مداد اندوزم از دودے که مردم خیزد از کاغذ  
ندانم تا چه خواهد کرد با چشم و دل دشمن  
رم کلکم که در جنبش غبار انگیزد از کاغذ  
به کزلیک از ورق چون بسترم سطر مگور را  
تو گوئی سوتشی لعل و گهر می ریزد از کاغذ  
ندانم حسرت روئی که میخواهم رقم کردن  
که عرجا بنگرم ذوق نگاهم خیزد از کاغذ  
من و ناسازی خوئی که در تحریر بیداشی  
رمد حرف از قلم گر خود قلم نگریزد از کاغذ

چه باشد نامه گل جانب مرغ اسیر، آن به  
 که کسی گنجه پیش قفس آویزد از کاغذ  
 جو استیلاي شوقم دید، کرد از نامه محروم  
 مگر بر آتشم بیدرد دامن می زد از کاغذ  
 زبانی رقم حبش دود، چون نامه بنویسم  
 به عنوانی که دانی دود دل می خیزد از کاغذ  
 چه گویم از خرام آن که در انکار قدش  
 صبر خامه شور رستخیز انگیزد از کاغذ  
 ظهور آمد تنزل، هان به چشم کم بین غالب  
 به بدائی ز خاکستم چونام آید از کاغذ

(قبل از ۱۹۰۷، شهریور ۱۳۲۷/۵/۲، چندی‌الثانی  
 ۱۳۵۳هـ)

۱۹۱۱

بے دارم ز شنگی روزگاران خو بهاران بر  
 به سنی خویش را کرد آرو گوی از هوشیاران بر  
 خنم از به ما بقدرت و آنکه هر قدر خواهی  
 روان کن جوی از شیر و دل از بهیزگاران بر  
 مرا گوئی که تقوی آرز، قربانت شوم، خود را  
 بیارایی و به خطونجانبه تقوی شعاران بر

چه برسی کاینچنین داغ از کتافین تخم می خیزد  
 دلم از سینه بیرون آر و پیشی لاله کاران بر  
 درین پیچوده میری آنچه با من در میان داری  
 بگو بختی و از من رحمت الله گساران بر  
 ندارد شیر و خرما ذوق صبا، رحم می آید  
 نشاط عید از ما هدیه سویی روزه داران بر  
 یا رضوان، مگر ته جرعه بخششیت از ساغر  
 گل از گلین بیشان و به بزم شادخواران بر  
 پشیمان می شوی از ناز، بگذر زین گرانچنان  
 دل از دلدادگان جوی و قرار یقاران بر  
 نمک کم نیست، جان صحت بیا و داد شوخی ده  
 غروب رنگ زندهار از نهاد دلقاران بر  
 میرس، اے قاصد اهل وطن ازین که من چونم  
 سهارش نامه از اخبار گر یابی، به یاران بر  
 شکست ما بود آرایش خویشتان ما غالب  
 زند از شیشه ما گُل به نرق کوهساران بر

✽﴿۱۹۲﴾✽

مژده اے ذوقِ خرابی که بهارست بهار  
 خرد آشوبِ شر از جلدِ یارست بهار  
 چه جنون تازِ هوایِ گل و خارست بهار  
 کاینچنین قطره زن از ابر بهارست بهار  
 نازم آئینِ کرم را که به سرگرمی خویش  
 دشت را شمع و چراغ شب تارست بهار  
 شوخیِ خُویِ ترا قاعده دانست خزان  
 خسویی رویِ ترا آینه دارست بهار  
 در غمت غاۃ رخساره هوسست جنون  
 در رعت شانه گیسوی غبارست بهار  
 غم حریفانِ ترا طرفِ بساطست چمن  
 هم شهیدانِ ترا شمع مزارست بهار  
 جعدِ مشکینِ ترا غایبِ سایه است نسیم  
 رخ رنگینِ ترا غازه نگارست بهار  
 وحشتی میدمد از گردِ پرافشانی رنگ  
 از کینِ کج که رم خورده شکارست بهار؟  
 به جهان گرمیِ هنگامه حسنت ز عشق  
 شورش اندوز ز غوغایِ هزارست بهار  
 سبیل و گل اگر از گلشنانست چه غم  
 بهر ما گلخیان دود و شرارست بهار



خارها در ره سودا زدگان خواهد ریخت  
ورنه در کوه و بیابان به چه کارست بهار  
میتوان یافتن از ویشی شبنم غالب  
که ز رنگِ تقسم درجه فشارست بهار

(قبل از ۲۹ شهریور ۱۲۸۳/۲۸ جمادی الثانی  
۱۲۵۳ هـ)

### بهار ۱۲۹۳ هـ

بیا و جوشِ تمناي دیدنم بنگر  
چو اشک از سرِ سرزگان چکیدنم بنگر  
ز من به جرمِ تیردن کناره میگردی  
بیا به خاکِ من و آرمیدنم بنگر  
گذشته کارِ من از رشکِ غیره نرسد باد  
به بزمِ وصلِ تو خود را ندیدنم بنگر  
شنیده ام کسه نبینی و ناآمید نیم -  
ندیدنِ تو شنیدم شنیدنم بنگر  
دید دانه و بالید و آشیان گه شد  
در انتظارِ هما دام چیدنم بنگر  
نیاز مندیِ حسرتِ کشان نمیدانی  
نگاهِ من شو و دزدیده دیدنم بنگر

اگر هوایِ نماشایِ گلستان داری  
 یا و عالم در خون تپیدم بنگر  
 جفایِ شانه که تارے گسته زانِ سرزلف  
 ز پشتِ دست به دندان گزیدم بنگر  
 بهارِ من شو و گلِ گل شکفتیم دریا  
 به خلوتِ من و ماغیر کشیدم بنگر  
 به دادِ من نرسیدی ز درد جانِ دادم  
 به دادِ طریقِ تغافل رسیدم بنگر  
 توانمے نکنم بے توانمے غالب  
 به سایهٔ خمِ نبش خمیدم بنگر

(قبل از ۲۹۷ شعبان ۱۲۸۷/۵۱ جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳)

++۱۹۴++

به سرگین که پس از من به سرگین یاد آر  
 به کویِ خروشتن آن نعشِ بے کفن یاد آر  
 من آن نیم که ز سرگم جهان بهم نخورد  
 قضایِ زاهد و فریادِ برهن یاد آر  
 به بام و در ز هجومِ جوان و پیر بگوی  
 به کوی و برزن از اندوهِ سرد و زن یاد آر

از شیشه گر آتین نتوان بست سبب را  
 بارے گلی بیساخته به جیبِ محرم ریز  
 گیرم که به افشاندنِ الماس نیرزم  
 منتهی نمکِ سوده به زخمِ جگرم ریز  
 این سوزِ طبیعی نکدازد نقسم را  
 صد شعله بيفشار و به مغزِ شوم ریز  
 مسکین خبر از لبت آزار ندارد  
 خرم شگن و در رهگذرِ چاره گرم ریز  
 و چه که به پامزد توان داد ندارم  
 آیم شگن و اندر قدم نامه برم ریز  
 دارم سرِ معطرِ محی غالب ، چه جنونست  
 با لب ز جنون طرحِ محی در نظرم ریز

++۲۰۱++

اے شوق بہ ما عریضہ بسیار میاسوز  
 ابرام بہ درویشہ دیدار میاسوز  
 از نفیہ مطرب نتوان لختِ دل انشاء  
 اے نالہ بریشان رو و عنجار میاسوز  
 صورتِ کندہ شد کلیہ من سر بسوہ اے چشم  
 انگیزتن نقش ز دیوار میاسوز  
 صحت ز دم تیشہ فرهاد طلب کن  
 مجنون شو و مردن دشوار میاسوز  
 اے شمرہ ز ہستہ خیمہ چہ خیزد  
 رم تسوہ آہوست بہ دلدار میاسوز  
 منگر بہ سوی نعلی من و لب بگز از ناز  
 جان دادن بیسودہ بہ اغیار میاسوز  
 باغچہ مگردان ورقِ بہتِ شگفتن  
 بر داشتنِ بردہ ز رخسار میاسوز  
 طوطی شکرش طعمہ و بلبل چگوشِ قوت  
 جان تاوہ کن از نالہ و گفتار میاسوز  
 از فوقِ میانِ تو شدن سر بسر آغوش  
 سے سہرہ فی مسات بہ زئار میاسوز  
 بلبل ز خراشی رخ گلبرگ بیندیش  
 نعلِ نگہ شوق بہ منار میاسوز

سر رشته هر کار نگهدار به مستی  
آشفته‌گی طره به دستار میاموز  
غالب همه کرد ارگزاران به کمیند  
گشتم به تو آزاده رو و کار میاموز

(قبل از ۱۳۹۹/۰۵/۰۳) استثنای  
بیت ۱۱: اضافه قبل از ۲۹ شهریور ۱۳۹۷/۰۹/۲۸  
جمادی الثانی ۱۴۰۳ (هـ)

$$\frac{1}{2} \frac{d}{dt} \left( \frac{1}{2} \frac{d}{dt} \right) = \frac{1}{2} \frac{d}{dt} \left( \frac{1}{2} \frac{d}{dt} \right)$$

خون قطره قطره می چکد از چشم تر هنوز  
نگهسته ایم بغیه زخم جگر هنوز  
با آنکه خاک شد به سی راه انتظار  
بر میزنند نفس به هوای اثر هنوز  
تا خود پس از رسیدن قاصد چه رو دهد  
خوش می کشم دل به امید خبر هنوز  
بختم ز بزم عیش به غریب فکند و من  
ستم چنانکه با نشانم ز سر هنوز  
دیدار جوست دیده و دارد خجل مرا  
از جوشی دل نیستی راه نظر هنوز  
شد روزی رستخیز و به یاد شب وصال  
مخوم همان به لذت بیم سفر هنوز

اے سنگ بر تو دعویٰ طاقت مسکست  
 خود را ندیده به کف شیشه گر هنوز  
 پرویزت تارکم از زخم خار با  
 از سر برون ترقه هوای سفر هنوز  
 بلبل، سزد ز غیرت پروانه سوختن  
 رنگین به شعله نیست ترا بال و پر هنوز  
 غالب، نگشته خاک به راحت، تو و خدا  
 گردےست بر فشان به سر رهگذر هنوز

(قبل از ۲۹ شہر ۱۳۷۱/۲۸ جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳ھ)

++۲۰۳++

ہفین عشق گن و از سر گمان برخیز  
 به آشتی بشین یا به امتحان برخیز  
 گل از تراوشی شبنم به تست چشمک زن  
 ز رخت خواب به لبہای بے چکن برخیز  
 به بزم غیر چہ جوئی لب کرشمہ ستای  
 به دور باشی تلاطمی الامان برخیز  
 چرا به سنگ و گیا بچی، اے زبانہ طور  
 ز راہ دیدہ به دل در رو و ز جان برخیز

تو دودی، اے گلہ کام و زبان نہ در غورست  
 بہ دل فروشو و از مغز استخوان برخیز  
 گو از کشاکش جا رفته، خودی باقیست  
 بہ ذوق آنکہ نباشی، ازین میان برخیز  
 فحاش آن کہ بدان کین ز روزگار شکی  
 غبار گد و ازین تیرہ خاکدان برخیز  
 رفیق یافتہ قریب رخ بہ پا سودن  
 نوا کہ گفت کہ از بزم سرگران برخیز؟  
 عیادت است نہ ہر خاش، تند خوئی چیست  
 با و غمزدہ بشین و لب گزان برخیز  
 سوجہ دہمت ہر سحر ز مے غالب  
 خدای را ز سر کوجہ مغان برخیز

(قبل از ۱۲۰۴ شمسر ۱۸۲۷/۲۸ جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳)

++++۲۰۴++++

باہمہ گم گشتگی خالی بود جایم هنوز  
 کہ گامے در خیال خویش می آیم هنوز  
 تا سر خار کداسین دشت در جان میخلد  
 کز مجسوم فوق می خارد کف پایم هنوز

خشک شد، چندانکه می جزو بدن شد شیشه را  
 همچنان گونی در انگورست صیبایم هنوز  
 بعدِ مردن مشتِ خاکم در نویدِ صحرست  
 یسارای میزید سر از سراپایم هنوز  
 تازه دور افتاده طربِ بساطِ عشرتم  
 میتوان الشُّدِ می از لایِ بالایم هنوز  
 چشم از جوشِ نگه خون گشت و از مژگانِ چکید  
 همچنان در حلقه دام تماشایم هنوز  
 مد قیامت در نویدِ هر نفسِ خون گشته است  
 من ز خامی در فشارِ بیمِ فرادیم هنوز  
 تا کجا یارب فرو گشت اشکِ من ظلمتِ زحاک  
 لاله بی داغ از زمین رُود به صحرایم هنوز  
 با تغافل بر نیامد طاقتم، لیک از هوس  
 در تمنایِ نگاهِ بی محابایم هنوز  
 هر هان در منزل آراسته و غالب، ز ضعف  
 با برون نازده از نقشِ کتبِ پایم هنوز

(قبل از ۱۲۹۵/۵-۲۳۳۰ هـ)

بیت ۲: 'ذوق' بجای 'شوق' (کل معنا)؛

بیت ۷: 'در شکنج' بجای 'در نوید' (امضاً)



### ++۲۰۵++

داغِ تلخ گوینام، ثلثِ سمِ ازمِ برس  
 محو تندخویانم، حیرتِ رمِ ازمِ برس  
 موجی از شرابستم، نخعی از کبابستم  
 تورمِ هم‌ازمِ جوی، سوزمِ هم‌ازمِ برس  
 نیست باغودنها برگ‌پیرکشودنها  
 از عدمِ بیرون آمد، سَمی آدمِ\* ازمِ برس  
 نفسِ چون زبون گودد، دیورا به فرمان گیر  
 محرمِ سلیمانم\*، نقشِ خاتمِ ازمِ برس  
 ایکه در دل آزایی بی‌بی را کم انگاری  
 در شمار غمخواری، بیشی کمِ ازمِ برس  
 بوسه از لبانم ده، عمرِ خضر\* ازمِ خواه  
 جامِ می به یشم نه، عشرتِ جیمِ ازمِ برس  
 تیغِ خسره با اغیار آنچه کرد میدانی  
 خنجرِ تفائل را تسویِ دمِ ازمِ برس  
 خلد را نهادم من، لطفِ کونرِ ازمِ جوی  
 کعبه را سوادم من، شورِ زمزمِ ازمِ برس  
 رود من بود، غالب، یا علی\* بو طالب  
 نیست بغل با طالب، اسمِ اعظمِ ازمِ برس



به ساز قالد گروهِ ز اهلِ دل دریاب  
 به بندِ مرثیه جمعِ ز اهلِ فن یاد آر  
 سلالِ خلق و نشاطِ رقیب در هر حال  
 غریبِ خویش به تحسینِ تیغِ زن یاد آر  
 به خود شمارِ وفاهایی من زمرّدِ برس  
 به من حسابِ جفاهایی خویش یاد آر  
 چه دید جانِ من از چشمِ پر خمار، بگوی  
 چه رفت بر سرم از زلفِ پر شکن، یاد آر  
 خروش و زاری من در سایه‌ی سپ‌زلف  
 دمِ تلافیِ دل در چه دقن یاد آر  
 بسنج تا ز نو بر من بر آن محل چه گذشت  
 نخوانده آمدنِ من در انجمن یاد آر  
 ز من پس از دوسه تسلیم یک نگه و آنکه  
 ز خود پس از دوسه دشنام یک سخن یاد آر  
 هزار خسته و رنجور در جهان داری  
 یکی ز غالب رنجور خسته فن یاد آر

++۱۹۵++

ہے دوست ز بس خاکِ شاددیم پسر  
 حد چشمہ روان است بدان راہگذر  
 غلطانی اشکم بود از حسرتِ دہدار  
 آہستہ نگاہم کہہ بیچہ بہ گہر  
 از گریہ من نا چہ سراپند ظریفان  
 زین خندہ کہ دارم بہ تمنایِ اتر  
 آہد کہ خالی رخ شیرین شود آخر  
 چشمے کہ سہ ساختہ خسرو بہ شکر  
 از خلد و ستر تا چہ دہد دوست کہ دارم  
 عینے بہ خیالِ اندر و داغے بہ جگر  
 بالد بہ خود آن مایہ کہ در باغ نکند  
 سروے کہ کشندی بہ تمنایِ تو در  
 عمرے کہ بہ سودایِ تو گنہنے غم بود  
 اینک بہ نسو دادیم نسو در عیش پسر  
 جان میدہم از رشک، بہ شمشیر چہ حاجت  
 سر بنجہ بہ دامن زن و دامن بہ کمر  
 مطرب بہ غزلخوانی و غالب بہ سماعت  
 سالی س و آلاتِ مسے از حلقہ بدر

۱۹۶۱ء

اے دل از گلین امید نشانی بہ من آر  
 نیست گر تازہ گلے، برگِ خزانے بہ من آر  
 تا دگر زخم بہ قاسور توانگر گردد  
 ہدیہ از کفِ الماس نشانی بہ من آر  
 ہمدیہ روز گدائی، سبک از جا برخیز  
 جان کرو، جامہ گروہِ وطنی گوانے بہ من آر  
 دلم، اے شوق ز آشوبِ طغیٰ نکشاید  
 فتنہ چند ز ہنگامہ ستانی بہ من آر  
 گیرم، اے بختِ هدفِ نیستم، آخر کاش  
 غلط اندازِ خدنگے ز کمانے بہ من آر  
 اے نیاوردہ بہ کفِ نالہ شوقے ز کفے  
 بہ زبانِ مؤدہ وصلے ز زبانی بہ من آر  
 اے دراندوہ تو جانِ دانہ جہانے از رشک  
 مگش از رشکم و اندوہ جہانے بہ من آر  
 اے ز تارِ دمِ شمشیرِ توام ہستیِ خواب  
 شمعِ ہالین ز درخشندہ ستانی بہ من آر  
 یارب این مایہ وجود از قدم آورده نست  
 بوسہ چند ہم از گنجِ دہانے بہ من آر

سخن سادہ دلم را نصیرید غالب  
نکتہ چند ز بیچیدہ بیانے بہ من آور

(قبل از ۲۹ شعبور ۱۸۳۲ء/ ۲۸ جمادی الثانی  
۱۲۵۳ء).

۱۹۷۷ء

بر دل نفسی غم سر آور  
چون نالہ سرا ز من بر آور  
یا ہائے آرزو بیفزای  
یا خواہش ما ز در آور  
عصرے ز ہلاک تلخ تو رفت  
سرگے ز حیات خوشتر آور  
دردے بہ شکست ما بر انگیز  
نہے نہ علیے " بہ خیر آور  
یکاروی ما گدازنی ماست  
زخمے بہ تراوش اندر آور  
وانکہ ز ما بہ عرصہ حشر  
چسپیدہ تنے بہ بستر آور  
ور زانکہ بہ هیچ می نیزیم  
سارا برائی و دیگر آور

رنگین چمنے ز شعلہ آرای  
 ابراہیمؑ ز آرزو آور  
 آثارِ سہیل را ز من جوی  
 خورشید ز طرفِ خاور آور  
 لبہای بہ شکر دُرفشان را  
 دلہای بہ غم توانگر آور  
 جان ہای بہ راحت آشنا را  
 طوئی نشان و کوثر آور  
 اے ساختہ غالب از نظیری  
 ہا قطرہ ریای گوہر آور!

(قبل از ۲۹ ستمبر ۱۸۳۷ء / ۲۸ جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳ھ)

﴿۱۹۸﴾

اے ذوقِ نواسنجی بازم بہ خروش آور  
 غوغای شہزادوںے برہنگہ ہوش آور  
 گر خود نجد از سر، از دینہ فرو بارم  
 دل خون کن و آن خون را در سینہ بہ جوش آور  
 ہاں ہمدم فرزاندہ ، دانی رہ ویرانہ  
 شمعے کہ نخواہد شد از باد خموش آور

شورابہٴ این وادی تلخست، اگر وادی  
 از شہر بہ سوی سن سرچشمہٴ نوش آور  
 دانم کہ زرے داری، ہر جا گذرے داری  
 مے گر ندد، سلطان، از بادہ فروش آور  
 گر مخ بہ کدو ریزد، بر کف نہ و راہی شو  
 ورنہ یہ سیو بخشد، بردار و بہ دوش آور  
 رہبان دمد از مینا، رامش چکد از قلقل  
 آن دروہ چشم افکن، این از بی گوش آور  
 گاہے بہ سبکستی از بادہ ز خویشم بر  
 گاہے بہ سیہ سستی از نغمہ بہ ہوش آور  
 غالب، کہ بقایش باد، ہمہای تو گر ناید  
 بارے غزلے فردے زان موینہ ہوش آور



++۱۹۹++

در گریه از بس نازکی رخ مانند بر خاکش نگر  
 وان سینه سودن از تپش بر خاکِ نمناکش نگر  
 . بر رخ که جانها سوخته دل از جفا سردش بین  
 تنوخی که خونها ریخته دست از حنا پاکش نگر  
 آن کو به خلوت با خدا هرگز نکردے انتجا  
 نالان به پیشِ هر کسی از جوہِ افلاکش نگر  
 تا نامِ علم بُردے زبان، میگفت دریا در میان  
 دریایِ خون اکنون روان از چشم سفاکش نگر  
 . آن سینه کز چشم جهان مانند جان بودے نهان  
 اینک به پیرامن عیان از روزی چاکش نگر  
 بر مقدم صید افکنے گوشے بر آوازش بین  
 در باز گشتِ توسنے چمنے به فراقش نگر  
 بر آستانِ دیگرے در شکرِ دریانش بین  
 در کویِ از خود کمترے در و شکِ خاشاکش نگر  
 تا گشته خود تقرین شنو، تلخست بر لب خنده اش  
 زهرے که پنهان میخورد، پیدا ز تریاکش نگر  
 باخوبی چشم و دلش با گرمی آب و گلش  
 چشم گهر بارش بین، آہِ شر و ناکش نگر

خواند به امید اثر اشعار غالب هر سحر  
از نکته چینی در گذر فرهنگ و ادراکش نگر

(بن ۲۱ جنوری ۱۸۳۸ء/۲۲ سوال  
۱۲۵۳ء/۳ جولائی ۱۸۳۸ء/۱۱ ربیع الثانی  
۱۲۳۵ء)

﴿۲۰﴾

یا رب ز جنون طرح غمی در نظرم ریز  
صد بادید در قالب دیوار و دلم ریز  
از مہر جہان تاب امید نظرم نیست  
این تست پر از آتشی سوزان بہ سرم ریز  
دل را ز شمع گریہ بے رنگ بہ جوش آرد  
اجزای جگر حل کن و در چشم ترم ریز  
عریق کہ نظارہ گدازست نہادش  
بگداز و بہ یمانہ ذوقِ نظرم ریز  
سر مست می لذتِ دادم ، بخورم آرد  
وین شیشہ دل شکن و در رھگذرم ریز  
عریق کہ عیت گوم شود در دلم افکن  
عریق کہ بے صرفہ جہد بر اتم ریز  
ہرجا نم آید بہ مژگانِ ترم بخش  
از قلم و جہون کفِ خاکے بہ سرم ریز

غالب به جهان بادشهان از بی دادند  
فرمان ده بیدادگرے را چه کند کسی

(قبل از ۲۹ ستمبر ۱۸۳۷ء / ۲۸ جمادی الثانی  
۱۲۵۳ھ)

۲۰۷

لطفی به تحت هر نگه خشمگین شناس  
آرامی جبین شکران ز چین شناس  
باز آ که کار خود به نگاه سپرده ایم  
ما را خجل ز تفرقه مهر و کین شناس  
می پرده تاب محرمی راز ما بجوی  
خون گشتی دل از سزه و آستین شناس  
داغم که وحشت تو بینود انتظار  
جز صید دام دیده نباشد کمین شناس  
میخواهد انتقام ز هجران کشیدنی  
خونگرمی دل از نسی آتشین شناس  
آرامش زمانه ز بیداد کرده اند  
هر خون که ریخت غازه روی زمین شناس  
در راه عشق شیوه دانش قبول نیست  
حرف است سعی رهرو پا از جبین شناس

از دهر بحیرِ گردشی و نغمی پدید نیست  
این روضه را سرابِ گل و یاسمین شناس

حسرت صلابی ربطِ سرو دست میزند  
نقشِ ضمیرِ شاه و تاج و نگین شناس

بے غم نهادِ مردِ گرامی نمی شود  
ز نهارِ قدرِ خاطرِ اندوهگین شناس

دورِ قدح به نوبت و مے خوارگانِ گروه  
آوخ ز سائیانِ یساو از یمن شناس

غالب مذاقی با نتوان یافتن ز ما  
رو شیوه نظیری و طرزِ حزن شناس

(قبل از ۲۹ شهریور ۱۳۵۳/۲۸ جمادی الثانی ۱۳۵۳)

457-1244

تغ از تمام پیده بیرون نکرده کسی  
 ما را به هیچ گشته و ممنون نکرده کسی  
 فرصت ز دست رفته و حسرت نشوده پای  
 کار از دوا گذشته و افسوس نکرده کسی  
 دایم ز عاشقان که ستم‌های دوست را  
 نسبت به بهرانی گردون نکرده کسی

یا بیش ازین بلایِ جگر تشنگی نبود  
یا چون من التفات به جبهون نکرده کسی  
یارب به زاهدان چه دمی خلد رایگان  
جوړ بتان ندیده و دل خون نکرده کسی  
جان دادن و به کام رسیدن زما، ولی  
آه از بهایِ بوسه که افزون نکرده کسی  
شرمندۀ دلیم و رضا جویِ تانلیم  
ما چون کنیم چاره خود، چون نکرده کسی  
بیچند به خود ز وحشتِ من بیشِ بین من  
تشبیه من هنوز به مجنون نکرده کسی  
گیرد مرا به سرشتِ یبرنگی سرشت  
گوئی حسابِ اشکِ جگرگون نکرده کسی  
غالب ز حسرتی چه سرائی که در غزل  
چون او تلاشی معنی و مضمون نکرده کسی

(بین ۲۹ ستمبر ۱۸۳۶ء/۲۸ جمادی الثانی

۱۲۵۳ء و ۲۱ جنوری ۱۸۳۸ء/

۲۳ شوال ۱۲۵۳ء)



هر کجا غالب نخلص در غزل بینی سرا  
می تراش آئرا و مغلوط بجایش مینویس

(بین ۲۹ شهریور ۱۲۸۳/۲۸ جمادی الثانی  
۱۲۵۳ هـ و ۲۱ جنوری ۱۲۸۳ هـ)  
۲۲ شوال ۱۲۵۳ هـ)

++++++

دوشم آهنگ هشا بود که آمد در گوش  
نالۀ از تارِ ردائے که مرا بود به دوش

کای خبی شعله آوازِ سوَدَن ز نهار  
از بی گرمیِ هنگامه منه دل به خروش

تکیه بر عالم و عابد نتوان کرد که هست  
آن یکے پیله گو، این دگرے پیله کوش

نیست جز حرف دران فترقه اندوزِ سرای  
نیست جز رنگِ درین طائفۀ ازوقِ بوش

جاده بگذار و بریشان رو و در راه روی  
به فریب می و معشوق بشو رهنِ هوش

پوسه گر خود بود آسان، میر از شاهد مست  
یاده گر خود بود ارزان، مخر از یاده فروش

این نشیمن است که طاعت مکن و زهد موز  
این نهیب است که رسوا بشو و یاده بنوش

حاصل آنست ازین جمله نبودن که میباش  
ما نه المیانه سرائیم و تو المیانه نبوش

## (ق)

من که بودم کفم از مژد عبادت خالی  
چو دلم گشت توانگر به ره آورد سروش  
گفتم از رنگ به بیرنگی اگر آرم روی  
ره دگر چون سپرم، گفت زخود دینده بیوش

جستم از جای، ولی هوش و خرد پیشابیش  
رفتم از خویش، ولی علم و عمل دوشا دوش  
تا به یزمنی که بیک وقت در آنجا دادم  
یاده بمودن امروز و به خون خلق دوش

خالفه از روش زهد و ورع قلمزم نور  
بزرگه از انبیه و می چشمه نوش  
شاهد بزم دوآن بزم که خلوت گه اوست  
فته بر خویش و بر آفاق کشوده آغوش

همچو خورشید کزو ذره درخشان گردد  
خورده ساقی می و گردیده جهانے مدهوش  
رنگها بسته زیرنگی و دیدن نه به چشم  
وازا گفته خموشی و سرش بسته به جوش

قطره نارنجده از طرف خم و رنگ هزار  
یک خم رنگ و سرش بسته و پیوسته به جوش  
همه محسوس بود ایزد و عالم معقول  
غالب این زمزمه آواز نخواهد خاموش



### ﴿ ۲۱۱ ﴾

نیست معیودش حریفِ تابِ ناز آوردنش  
 بپشِ آتشِ دهنم روزی نیاز آوردنش  
 سوخت را سنگسارِ ثقلِ مینا کند  
 از رهِ گوشم به دل یک ره فراز آوردنش  
 تا خود از بهرِ نثارِ کیست، می ریزم ز رشک  
 خضر<sup>۳</sup> و چندین کوشش و عمرِ دراز آوردنش  
 رحمتِ حقِ بادِ برهمدم که داند مستِ مست  
 بر سرِ نعش<sup>۴</sup> به تقویِ نماز آوردنش  
 شوقِ گستاخت و من در لوزه کاج<sup>۵</sup> سهل نیست  
 صبحدم در دل به چشمِ نیاز آوردنش  
 وای ماهِ گر غیر اندرِ خاطرش جا کرده است  
 رفتی و بیرایه و بیرایه ساز آوردنش  
 استحاجِ طاقِ خویشست، از بیداد نیست  
 خلق را در ناله های جانگداز آوردنش  
 چون نبرد قاصدِ اندر ره که رشکم بر تافت  
 از زیانت لکنه های دلشواز آوردنش  
 مفتِ بارانِ وطن کز سادگیهای منست  
 در غریبی مردن و از جور باز آوردنش

بے زبانی‌های غالب را چه آسان دیده  
اے تو ناسمجید تاب ضبطِ راز آوردنش

(قبل از ۲۹ ستمبر ۱۸۳۷ء/۲۸ جمادی الثانی  
۱۲۵۳)

++۲۱۲++

میرس حالِ اسیرے کہ در خمِ هوشی  
به تدبیر کسبِ هوا نیست روزِ نفسش  
به عرضِ شہوتِ خویش احتیاجِ ما دارد  
چو شعلہ کہ نیازِ اوقند به خار و خشش  
صفا یافتہ قلب از غش و مرا عمرے ست  
کہ لحوطہ میدہم اندر گدازِ هر نفسش  
ز باسِ گشتہ سبِ نفس در تلاشِ دلیر  
مگر ز رشتہ طولِ املِ محکمِ مرشش  
ز رنگ و بوی گل و غنچہ در نظر دارم  
غبارِ قافلہ عمر و تالہ جرشش  
مرا به غیر ز یک جنس در شمار آورد  
فغان کہ نیست ز پروانہ فرق تا مگشش  
چکر ز گرمی این جرعه نشسته تر گردید  
فغان ز طرزِ قریبِ تنگیِ نعرشش

خوشم که دوست خود آن مایه بی وفا باشد  
 که دو گمان نسکالم امید گم کسش  
 بهار پیشه جوانی که غالبش نامند  
 کتون بین که چه خون میچکد ز هر نفسش

(قبل از ۲۹ ستمبر ۱۸۳۷ء/ ۲۸ جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳ء)

++۲۱۳++

خوشا حالم تن آتش بستر آتش  
 سندی کو که افشام بر آتش  
 ز رشک سینه گرمی که دارم  
 کشد از شعله بر خود خنجر آتش  
 به خلد از سردی هنگام خواهم  
 بر امروز بگرد کونر آتش  
 خنگ شوی که در دوزخ افتد  
 می آتش، شیشه آتش ساحر آتش  
 دلم دارم که در هنگام شوق  
 سرمستی دوزخ است و گوی آتش  
 بمان موج میام به طوفان  
 به رنگ شعله برقصم در آتش

بدان مانند ز شاهد دعوی سپهر  
 که ریزد از دم السون گز آتش  
 دلم را داغ سوژ رشک میسند  
 مژن یارب به جان کافر آتش  
 چهارست آنکه هر یک را ازان چار  
 بود از ناخوشی آشفخور آتش  
 سر در عقب و غالب به دهل  
 سحر در شط و ماهی در آتش

(قبل از ۲۹ شهریور ۱۲۸۳/۶۸ جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳)

### ♦♦♦۲۱۴♦♦♦

دود سودائی نق بیست آسمان - نامیدمش  
 دینه بر خواب پریشان زد، جهان نامیدمش  
 و هم خاک ریخت در چشم، بیابان دیدمش  
 قطره بگذاخت، بحر، پیکران نامیدمش  
 باد دامن زد بر آتش، نویهاران خواندمش  
 داغ گشت آن تعله، از مستی خزان نامیدمش  
 قطره خونی گره گردید، دل دانستمش  
 سوخ زهرایی به طوفان زد، زبان نامیدمش

خرجم ناسازگار آمد، وطن فهمیدمش  
 کودتنگی حلقه دام، آشیان نامیدمش  
 بود در پهلوی به تمکینه که دل می گفتمش  
 رات از شوخی به آئینه که جان نامیدمش  
 هرچه از جان کاست درستی، به سود افزودمش  
 هرچه باین مآند از هستی، زیان نامیدمش  
 تا زمن بگسست عمری، خوشدانش بنداشتم  
 چون بدین بیوست لخته، بدگمان نامیدمش  
 او به فکر کشتن بن بود، آه از من که من  
 لا اِلهی الا هو نامیدمش، ناسپهربان نامیدمش  
 تا نهم بر قوس سپاس خدمتی از خویشتر  
 بود صاحبخانه، اما میهمان نامیدمش  
 دل زبان را رازدانِ آشنائیا نخواست  
 که بهمان گفتمش، گاه فلان نامیدمش  
 هم نگه جان می ستاند هم تغافل می گشت  
 آن دم شمشیر و این پشت کمان نامیدمش  
 در سلوک از هرچه پیش آمد گذشتن داشتم  
 کعبه دیدم، نقش پایِ رهروان نامیدمش  
 بر امید شبویه صبر آزمائی زیستم  
 نو بریدی از من و من امتحان نامیدمش

بود غالب عدلی از گلستانِ عجم  
 من ز غفلت طوطی هندوستان نامیدمش

(قبل از ۲۹ شهریور ۱۲۸۷ ه. ق جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳ ه. ق)

### ۲۱۵

زلکنت می نید نبیِ رگِ لعلِ گهر بارش  
 شهید انتظارِ جلوهٔ خویشست گفتارش  
 ادایِ لا آبی شیهه منی در نظر دارم  
 سر یو شورم از آفتگی ماند به دستارش  
 ندانم راز دارِ کیست دل کز ناشکیبائی  
 کشم تا بکشتی، لرزد بخود صده زنجارش  
 بدین سوزم رواجی نیست، فیه فرهاد را نازم  
 که از تابِ شوارِ تیشهٔ گرمست بازارش  
 جو بینم زلفِ خَم در خَم به عارضِ هشتاد گویم  
 که اینک حلقه در گوشی کعبهٔ عنبرین تارش!  
 ز هم باشند گُل افکند در تابِ بلبل را  
 اگر خود بیاورده‌ای دل سرو ببرد ز منقارش  
 چه دارم که گوئی کمر یوی سبز بخرامد  
 زمین چون طوطی بسمل نقد از ذوقِ رفتارش

بدو گر دوست زندان مرا تاریک بگذارد  
 بدین حسنی که درگیرد چراغ از تاب رخسارش  
 بنای خاندام ذوق خرابی داشت بنداری  
 کز آمد آمد سیلاب در رقصت دیوارش  
 غم افکند در دشتی که خوشبید درخشان را  
 گدازد زهره وقت جذب شبنم از سر خارش  
 وکالت کرد خواهم روز محشر کشتگانش را  
 نباشد تا دران هنگامه جز بامن سروکارش  
 نه از بهرست کز غالب به مردن نیستی راضی  
 سرت گودم، نوسیدانی که مردن نیست دشواریش

(قبل از ۲۹ شهریور ۱۲۸۷/۱۸۶۸ جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳-۸۱)

### ++۲۱۶++

یا به باغ و نقاب از رخ چمن برکش  
 دل عدو نه اگر خون شود، در آدرکش  
 یا و منتظر بام فلک نشین ساز  
 یا و شاهد کام دو کون در برکش  
 سن به عیب غنا از نوائ مطرب ریز  
 تنق بروی هوا از بخور مجمر کش

نسیم طرزِ خرام تو در نظر دارد  
 تو طبلسانِ روش را طرازِ دیگر کش  
 هزار آینه ناز در مقابل نه  
 هزار نقشی دل افروز در برابر کش  
 اگر به پاده گوانی، قلع ز نرگس خواه  
 وگر به سجد، ز شبنم به رشته گوهر کش  
 به لاله گوی که هان بسدین قلع در ده  
 به مرغ گوی که هین خسروی لوا بر کش  
 بدان ترانه که ممنوع نیست مستی کن .  
 ازان شراب که نبود حرام ساغر کش  
 مذاقِ مشربِ فخرِ محمدی\* داری  
 می مشاهده حق بنوش و دم در کش  
 به سرفرازی بختِ جوان به خویش بیال  
 بروی چرخ ز طرب کلاه خنجر کش  
 نشاط ورز و گنهر باش و شادمانی کن  
 جهانستان و قلع و کشای و لشکر کش  
 ترا که گفت که منت کشی ز چرخ کبود  
 بدلقهر کام دلِ خویش ز اختر کش  
 ز نقشی بندگی خویش در خردمندی  
 رقم به ناصیه والی دو پیکر کش



ز قمرِ مَرَحی بخت در جهان‌داری  
 علم به سرحدِ فرمان‌رواییِ خاور کشی  
 سوس به نیلِ تو خونم هدر که خواهم گف  
 بگیر غالبِ دلخسته را و در بر کشی

(قبل از ۲۹ - شعبان ۱۲۸۳/۲۸ جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳ هـ)

### ++۲۱۷++

من و نظاره‌روئی که وقت جلوه از تابشی  
 می بر خویشی لرزد بی آئینه سیمایی  
 به ذوقِ باده داغ آن حریفِ دوزخ آشام  
 که هرجا بُنگرد آتش، بگردد دودهن آتش  
 زلیخا چهره با معنوب<sup>۲</sup> شد، نازم محبت را  
 به‌بویِ پیرهن ساند قماشِ پرده‌خواهی  
 به گیتی ترکِ ذوقِ کامجویی شکست، اما  
 نویدِ خرمی آنرا که گیرد دل زاسبایی  
 به فیضی شمع بر نفسِ سزود باقیم دسته  
 چو آن دزد می که گیرد شعله ناگاهان به‌سپایی

به سنی چتر بستن های طاؤس است - بهداری  
 نشست ساقی و انگیز مضای می تابش  
 خرابی چون پدید آمد ، به طاعت داد تن زاهد  
 خمید نهایی دیوار سرا گروید - محرابش  
 بساطی نیست بزم عشرت قربانی ما را  
 مگر بافتند از تار دم ساطور قصابش  
 ز تار شمع تیز آهنگ ذوق ناز می بالد  
 بشرط آنکه سازی از پر پروانه مضراش  
 ستار اے منعم و دے ساد گلخن تاب را بنگر  
 که خواہش مخمل و خاکستر گرمست سنجایش  
 ازین رخت شراب آلودهات تنگ آہدم غالب  
 خدا را با بشو یا بنگن اندر وای سیلابش

\*\*\*۲۱۸\*\*\*

خوشا روز و شب گلگت و عینِ سلیمان  
 کورتر بهر و مکنانِ بهادر ماه تابانش  
 سکنر با همه گردن کشی چاوشی درگاهش  
 ارسطو با همه دانشوری طفلِ دبستانش  
 کمند گردن شیران رم جولانِ شبدیزش  
 جواهر سوسه چشم غزالان گردِ میدانش  
 به انداز تما غائبان را دل گرفتارش  
 به هنگام تماشا حاضران را دیده حیرانش  
 تن سرباب و رستم رخشه دار از بیم شمشیرش  
 سرا سکنر و دارا نکار از چوب دربانش  
 زبانها سانسین گردانِ برمشهای پیدایش  
 تنهها باده پیمای نوازشهای پنهانش  
 به ذوقِ لطف عاجز پروری دلها نکو خواهش  
 به شکر لبی نصفت گسری لبها ثنا خوانش  
 شمار جوهر اسرار دانائی ز ابحاش  
 فروغ جبهه منسوب خاقانی ز عنوانش  
 هم از خوبی بهرزم اندر دل افروز است گفتارش  
 هم از مردی بهرزم اندر جگر دوز است بیکانش  
 اگر گوئی مروت، گویم آن رنگی ز گلزارش  
 اگر گوئی فتوت، گویم آن بوئی ز بهستانش

به مدحش گرچه کم گفتم، ولی زان گونه دُرُستم  
که در سنگ غزل جا داده ام غالب به دیوانش

(تبل از ۲۹۹ شمعبر ۱۸۳۷/۵۱/۲۸ جمادی الثانی  
۱۲۵۳ هـ)

### ۲۹۹

چون عکسِ پل به سیل به ذوقِ بلا برقص  
جا را نگه دار و هم از خود جدا برقص  
نبود وفای عهد، دسِ خوشِ غنیمت است  
از شاهدان به قازش عهد وفا برقص  
ذوقی است جستجو، چه زنی دم ز قطع راه  
رفتار گم کن و به صدایِ دروا برقص  
سر سبز بوده و به چشما چیده ایم  
اے لعل در گدازِ خس و خوار ما برقص  
هم بر نوای چمد طریقِ سماع گیر  
هم در هوایِ جنبشِ بالِ هوا برقص  
در عشق انبساط به پایان نمیرسد  
چون گرد باد خاک شو و در هوا برقص  
فرسوده رسمهایِ عزیزان فرو گزار  
در سُر نوحه خوان و به بزمِ عزا برقص

چون خشم صالحان و ولای مافان  
 در نفس خود مباحث و ولای بر ملا برقص  
 از سوختن الم و ز شگفتی طرب مجوی  
 پیوده در کنار سموم و حیا برقص  
 غالب بدین نشاط که وابسته که  
 بر خویشتن بیال و به بندِ بلا برقص

(قبل از ۲۹ سپتامبر ۱۸۳۷/۶۱ جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳ هـ)

۲۲۰

دل در غمش بسوز که جان میدهد عوض  
 و جان دهی، غمی به ازان میدهد عوض  
 فارغ شو ز دوست به می درو باغی خلد  
 از ما گرفت آنچه همان میدهد عوض  
 داغم ازان حریف که چون خاندان بسوخت  
 چشمی به سوی در نگران میدهد عوض  
 سرمایه خرد به چنون ده که این کریم  
 یک سود را هزار زیان میدهد عوض

نبود سخن سرائی با رایگان که دوست  
 دل سپرد ز ما و زبان میدهد عوض  
 از هر چه نقشی وهم و گمانست در گذر  
 کو خود برون ز وهم و گمان میدهد عوض  
 آن را که نیستی نظر از ماه و مشتری  
 چشم سهیل و زهره نشان میدهد عوض  
 لازم بدست سبزه شمارے که عاقبت  
 شوقش کف پیاله ستان میدهد عوض  
 آه از غمش که چون ز دل آدام می برد  
 تاسا زنجی ز همنقسان میدهد عوض  
 پاداشی هر وفا بدجفای دیگر گفت  
 غالب بین که دوست چنان میدهد عوض

++(۲۲۱)++

گوئی کہ جان وفا کہ وفا ہونہ است شرط  
 آری ہمیں ز جانبِ ما ہونہ است شرط  
 غم ہے نہ یاد داشت نخستینہ شرط بود  
 گفتی زیاد رفت چہا ہونہ است شرط  
 بس نیست ابکہ می گذرد در خیالِ ما  
 گفتی بہ عشقِ آہ و سا ہونہ است شرط  
 لب بر لبت نہادن و جان دادن آرزوست  
 در غرضِ شوقِ حسی ادا ہونہ است شرط  
 میرم ز رشک، گر ہمہ بویت بمن رسد  
 کامیوشتی شمعال و صبا ہونہ است شرط  
 گو در میان نیامدہ باشد، واسے بہدھر  
 اندازۂ ز بہرِ جفا ہونہ است شرط  
 گرم است دم بہ نالہ، سرشکے فرو بہار  
 ہاکی ہی بساطِ دعا ہونہ است شرط  
 ہمدم نمک بہ زخمِ دلم مشمت مشمت ریز  
 آخر نہ پرشے بہسزا ہونہ است شرط  
 تا نگذرم ز کعبہ، چہ بینم کہ خود ز دیر  
 رفتن بہ کعبہ رو بہتفا ہونہ است شرط

غالب به عالمی کہ توئی خونِ دل خوش  
از بہرِ باندہ برگ و توا بودہ است شرط

(قبل از ۲۹ ستمبر ۱۸۳۷ء / ۲۸ جمادی الثانی  
۱۲۵۳ھ)

﴿۲۲۲﴾

تکیہ بر عہدِ زبانِ تو غلط بود غلط  
کاین خود از طرزِ بیانِ تو غلط بود غلط  
آنکہ گفت از منِ دلخستہ بہ بیشِ تو رقیب  
کہ غلط بود بہ جانِ تو غلط بود غلط  
غصہ را نیک نظر کردم ادائیے دارد  
وین کہ ماند بہ دہانِ تو غلط بود غلط  
دل نہادن بہ پیامِ تو خطا بود خطا  
کام جستن ز زبانِ تو غلط بود غلط  
این مسلم کہ لبِ هیچ مگوئے داری  
خاطرِ میچندانِ تو غلط بود غلط  
ہر جفايِ تو بہ پاداشِ وفائیے است هنوز  
دعویِ ما بہ گمانِ تو غلط بود غلط  
آخر اے بوتلمون جلوہ کجائی کانیجا  
ہر چہ دادند نشانِ تو غلط بود غلط



شوق می‌تافت سر رشته و حسی، ورنه  
 هستی ما و میان تو غلط بود غلط  
 آن تو باشی که نظیر تو عدم بود عدم  
 سایه در سرو روان تو غلط بود غلط  
 می‌پسندی که بدین زمزمه میرد غالب  
 تکیه بر عهد زبان تو غلط بود غلط

(قبل از ۲۹ دسمبر ۱۸۳۶ء/۲۸ جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳ء)

﴿۲۲۳﴾

مرا که باده ندارم، ز روزگار چه حظ  
 ترا که هست و نیاشامی، از بهار چه حظ  
 خواست کونتر و پاکست باده که دروست  
 ازان رحیمی مقدس درین خمار چه حظ  
 چمن بر از گل و نسیم و دلربائی نے  
 به دشت فتنه ازین گردِ بے سوار چه حظ  
 به ذوقِ بے خبر از در در آمدنِ بیحوم  
 به وعده ام چه نیاز و ز انتظار چه حظ  
 در آنچه من نتوانم ز احتیاط چه سود  
 بدانچه دوست نخواهد ز اختیار چه حظ

چنین که نخل بلند است و سنگ ناپیدا  
 زمیوه، تا نقتد خود ز شاخساره چه حظ  
 نه هر که خوئی و رهزن به پایه منصور است  
 بدین حقیقی طبعی ز اوج دار چه حظ  
 به بند زحمت فرزند و زن چه می گشتم  
 ازین نخواستہ غمهای ناگوار چه حظ  
 توانی آنکه نشانی بجای رضوانم  
 مرا که بحر خیالم ز کاروبار چه حظ  
 بهر ضیغمه نظیری و کدل غالب بس  
 "اگر تو نشتوی، از ناله های زار چه حظ"

(قبل از ۲۹ ستمبر ۱۸۳۷ء/ ۲۸ جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳ء)

\*\*\*

تا رغبِ وطن نبود، از سفر چه حظ  
 آنرا که نیست خانه به شهر از خیر چه حظ  
 از ناله سست زمزمه ام شنیدن بود  
 چون نیست سطلی ز نویدِ انور چه حظ  
 درهم نکنده ایم دل و دیده را ز رشک  
 چون جنگ با خودست، ز فتح و ظفر چه حظ

دلہایِ مردہ را بہ نشاطِ نفسِ چہ کار  
گلہایِ چہدہ را ز نسیمِ سحرِ چہ حظ  
تا لکنہ در نظر تھی از نظرِ چہ سود  
تا دشتہ بر جگرِ نخوری از جگرِ چہ حظ  
زلنِ سویِ کاخِ روزِ دیوارِ بستہ اند  
مے دوست از مشاہدہٴ بام و درِ چہ حظ  
لرزد بہ جانِ دوست دلِ سادہ ام زمہر  
بیچارہ را ز غمزدہٴ تاپِ کمرِ چہ حظ  
چون بردہٴ محافہ بہ بالا نمیزند  
از وے بہ داعیانِ سرِ رہگذرِ چہ حظ  
باید لبثت لکنہٴ غالب بہ آبِ زر  
مے آنکہ وجہِ مے شود از سیم و زرِ چہ حظ

(قبل از ۲۹ ستمبر ۱۸۳۷ء/ ۲۸ جمادی الثانی  
۱۲۵۳ء)

++۲۲۵++

تاتیبِ شوقِ تو انداخته جانِ درتبی شمع  
 شرر از رشته خویشت به پیراهنِ شمع  
 جان به ناموس دهم چند فراهم شده اند  
 ورنه خود باتو چه بودست رگِ گردنِ شمع  
 مجھے از دل و جانست به گردِ در دوست  
 نودہ از پرو بالست به پیراهنِ شمع  
 روزم از تیرگی آن وسوسہ ریزد به نظر  
 کہ شبِ تار به هنگامِ فرو آمدنِ شمع  
 ہے تو از خویشت چگویم کہ به بزمِ طرب  
 بودہ گوشتی گل افکار شد از شبنمِ شمع  
 نازم آن حسن کہ در جلوہ ز شہوت باشد  
 خاطر آشوبِ گل و قاعدہ بر ہم زنِ شمع  
 بر تاجِ زبان جلوہ گرفتار کسے  
 صبحِ دا کورہ هوا داری گل دشمنِ شمع  
 می گداوم نفسے ہے شرر و شعلہ و دود  
 داغِ آن سوزنہام کہ نباتِ فنی شمع  
 وقتِ آرایشِ ایوانِ بہارست کہ باز  
 کوہ از جوشی گل و لالہ بود معنیِ شمع

غالب از هستی خویشست عذای که مراست  
هم ز خود خارِ هم آویخته در دامنِ جمع

(قبل از ۲۹ - شهریور ۱۲۸۳/۶۱ - جمادی الثانی  
۱۲۵۳)

### ۲۲۶

شادم که برانکارِ من شیخ و برهن گشته جمع  
کز اختلافِ کفر و دین خود خاطرِ من گشته جمع  
مقتولِ خویشانیِ خودم جوئید خونِ ریزِ مرا  
زینان که بر نفسِ منند از بهرِ شیون گشته جمع  
در گریه نا رفته ز خود، اندوهم از سر تا نو شد  
بر همتِ دل لختِ دل بازم به دامن گشته جمع  
رقصم به ذوقِ روی او، چون بینم اندر کوی او  
هم رفته نفت و بوریا، هم سنگ و آهن گشته جمع  
اے آنکه بر خاکِ درش تنهایی بی جان دیده  
بر گوشهٔ بامش نگر جانهای بی تن گشته جمع  
نازم ادایِ پُرفش کز گشتگان در سخنش  
گنجی ز مغنر گشته بر، گنجی ز جوشن گشته جمع  
خطش به تاراجِ دلم کارِ تبسم میکند  
بر برقی چشمکِ میزلم، مورم به فرمن گشته جمع

اے عاشق بیچارہ را در کوہ و صحرا داند سر  
 فوج زخویشانش نگر در کوئی و بزنی گشته جمع  
 مے مے، چہ خوش باشد بہ دے آتش بہ پیش و مرغ و مے  
 از بڈلہ ستجان چند کسی در یک نشین گشته جمع  
 صبحست و کونان گوانر، غالب چہ خسی بے خبر  
 نیکن بہ مسجد رفتہ درہ زندان بہ گلشن گشته جمع

(اہل از ۲۹ ستمبر ۱۸۳۷ء ۲۸/۵ جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳ھ)

﴿۲۲۷﴾

بہ خون نیم بسیرہ گذر، دروخ دروخ  
 نشان دھم بہرہت حد خطر، دروخ دروخ  
 مرو بگفت بہ آموز و بیخاک شبانی  
 من و زغالہ تلاشی اثر، دروخ دروخ  
 فریب وعدہ ہوس و کنار، یعنی چہ  
 دھن دروخ دروخ و کمر دروخ دروخ  
 طراوت شکن جیب و استیت کو  
 ز نامہ دم مزن، اے نامہ بر، دروخ دروخ  
 من و بہ ذوقِ قدم ترکِ سر، دوست دوست  
 تو و ز سپہر بہ خاکم گذر، دروخ دروخ

تو و ز یکسهم اینهمه سگفت شکفت  
 من و به جندگیت اینقدر دروغ دروغ  
 اگر به سپهر نخواندی، به قاز خواهی محشت  
 نه عریجه و عده گنی، سر بسر دروغ دروغ  
 دگر کوشیده در ایجاد شیوه نکستیست  
 تو و ز عریضه قطع نظر، دروغ دروغ  
 درین ستیزه ظهوری گواه غالب بس  
 "من و ز کوی تو عزم سفر دروغ دروغ"

(قبل از ۲۹ شهریور ۱۳۲۷/۱۳۸۶ جمادی الثانی)

۱۳۱۲۵۳

۱۳۲۲۸۳۱۱

هنگام یوسه بر اسب جانان خورم دریغ  
 در تشنگی به چشمه حیوان خورم دریغ  
 آن ساده روستایی شهید معتمد  
 کز بیج و خم به زانب بریشان خورم دریغ  
 در رشکم از صلا و ملولم ز دور باش  
 بر خوان وصل و نعمت الوان خورم دریغ  
 خواهم ز سپهر ابدت آزار زندگی  
 بر دل بلا نشانم و بر جان خورم دریغ

دلتا گرم و تیشه تیغم سپرده اند  
 از خویشتن به کوه و بیابان خورم دریغ  
 از خود بیرون نرفته و درهم فکانه تنگ  
 در راه حق به گبر و مسلمان خورم دریغ  
 زمین دود و زمین شرابه که در سینه منست  
 سازم سپهر، گر نه به سامان خورم دریغ  
 دل زان نیست، هدیه تن کن کنار و بوس  
 چند از تو بر نوازش بهمان خورم دریغ  
 کارم ندید آنکه توان در من آفرید  
 در شوره زار خویش به یاران خورم دریغ  
 غالب شنیده ام ز نظیری که گفته است  
 "قالم ز چرخ، گر نه به افغان خورم دریغ"



++<۲۲۹>++

گل و شمع به سزار شهدا گشت تلف

فتدی راضی و عزم به دعا گشت تلف

سعی و سرگ و لبانی گرانجان کردی

میشناسم که چه از ناز و ادا گشت تلف

با محنت سرگ پدر سنجیم و گویم صیحات

فاله چند که در کار قضا گشت تلف

آمدی دیر به پریشی، چه نکارت آرم

من و عمری که به اندوه و نا گشت تلف

رنگ و بو بود ترا، برگ و نوا بود مرا

رنگ و بو گشت کهن، برگ و نوا گشت تلف

محل وصل باید و دایم که درین ونج دراز

هر چه بود از زور و سیم به دوا گشت تلف

بال و پر شاید و میرم که درین بند گران

ناب و طاق و بهنم دام بالا گشت تلف

لفظ یک روزه تلالی نگند عمری را

که به درویش اقبال جفا گشت تلف

گیرم امروز دمی کام دل آن حسن کجا

اجر ناکامی می ساله ما گشت تلف

کاش بای فلک از سیر بیاندے غالب  
روژگارے کہ تلف گشت چرا گشت تلف

(قبل از ۲۹- ستمبر ۱۸۳۷ء/ ۲۸ جمادی الثانی  
۱۲۵۳ھ)

۱۸۳۰-۲۳ھ

اے کردہ خرّم بیخبر، شو زین نشاندہا یکطرف  
رختم به ساحل یکطرف، شستم به دریا یکطرف  
از عشق و حسن ما و تو با همدگر در گفتگو  
سُرو به جنون یکطرف، شیرین به لیلای یکطرف  
تا دل به دنیا دانه ام، در کشمکش انادام  
اندوه فرصت یکطرف، ذوق تماشا یکطرف  
اے بسته در بزم اثر بر غایت هوشم کمر  
مطرب به الحان یکطرف، ساقی به صیبا یکطرف  
خار الکمان در راه من ترسان ز برق آه من  
طلاق نادان یکطرف، پیران دانا یکطرف  
وامانده در راه وفا از بخودی ها جاہجا  
تقدم به منزل یکطرف، رختم به صحرا یکطرف  
یادیده و دل از دوسو مانندم به بندبغم فرو  
اندوه نیشان یکطرف، آشوب پیدا یکطرف

هم سهر دارد هم حیا ، بر لعلش آردشی چرا  
 خویشتان به شیون یکطرف ، خصلان به غوغا یکطرف  
 اے آینه پیشی نظر مستانه بر خود جلوه گر  
 رحمتی به جانِ خویش کن ، غمخواری ما یکطرف  
 غالب ، چه تسکینم دهی در هجرانِ سروسپی  
 رشکِ رقیبم میگشاید ، فرطِ تشنه یکطرف

(قبل از ۲۹ ستمبر ۱۸۳۷ء/۲۸ جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳ء)

### ++۲۳۱++

به گونه سی لبزدرد ز هدگر تفریق  
 تجلی تو به دل دمیجوس به جام عقیق  
 به راه شوق بر آن آب خون همے گریم  
 که قطره قطره جو ابرم چکمه از ابرین  
 بجز دمی نگند خسته ام چو سنگ در آب  
 هجوم ریزش غمهای سخت و قلبِ رقیق  
 به هیچ پایه نکشت انظار ما زائل  
 بود ستاره عاشق در اوج دستِ شریق  
 به اندجوست کرم زان که در گوازی کار  
 نبوده حسنِ عمل بی علاقه توفیق

مرا که ذره لقب داده همی رقص  
 که نسجی به زبان تو کرده ام تحقیق  
 حدیث تشنگی لب به پیروه گفتم  
 ز باره جگر دم در دهن نهاد عتیق  
 براه کعبه حلاکم نمی گنی یاور  
 تو اے که پیله باز آمدی ز بیت عتیق  
 ندیده به بیابان بسوز خاری نسج  
 شکسته مشرب آب و باره ز سوز  
 تو به پهلوی میخانه جادهم غالب  
 بشرط آنکه قناعت نمی بهیوی رحیق

(قبل از ۲۹ شهریور ۱۲۵۷/۵/۲۸ جمادی الثانی)

(۱۲۵۳)

۱۲۳۲

شدم سراسر گزار خود از شکایت شوق  
 زده زمین به دل بیخوش سرایت شوق  
 به یزم باده گریبان کشودنش نگرید  
 خوشا بهانه مستی، خوشا رعایت شوق  
 هر آن غزل که مرا خود به خاطر است هنوز  
 به هالک چنگ ادا می کنند ز غایت شوق

دخان ز آتشِ یاقوتِ گر دمد عجبت  
 عجب توست ازین برایش حکایتِ شوق  
 غلط گفتند به و آید به کلبه‌ام فاکه  
 صنم لریب بود شیوه هدایتِ شوق  
 مستاع کاسدِ اهلِ هوس بهم برزن  
 کنون که خود شده شعله ولایتِ شوق  
 بخود سناز و به آسوزگاریم پذیر  
 بن و نهایتِ عشق و تو و هدایتِ شوق  
 مکن به‌روزشِ این شغل جسد، می توهم  
 که چون رمی به خطِ خطوه نهایتِ شوق  
 ترا ز برعشی احباب بی نیاز گند  
 غرورِ یکدلی و نازشِ حمایتِ شوق  
 سیر تو جز تو از حرفِ غالب است به‌دور  
 خجسته باد به‌طرفِ تو ظلی رایتِ شوق

﴿۲۳۳﴾

مرد آنکه در هجوم تما شود هلاک  
 از رشک نشسته که به دریا شود هلاک  
 کردم هلاک فرقه لیرجام رهروے  
 کاندلر نالاشی منزل عینقا شود هلاک  
 نازم به کشته که چو یابد دوباره عمر  
 در عذیر المنقبات مسیحا شود هلاک  
 دارم به کنج شکسته رشک کسی که او  
 در جلوه گاه دوست به غوغا شود هلاک  
 منای رخ بنا که به دعوی نشسته ایم  
 در خلونے که ذوق تماشا شود هلاک  
 با عاشق استیاز نغائل نشان دهد  
 تا خود ز شرم شکوه یجا شود هلاک  
 نامرد را به خلخله آسایش مشام  
 مرد از قی سوم به صبرا شود هلاک  
 باخضر گر نیروم از ایم ناکسی ست  
 ترسم ز تنگب عمرهی ما شود هلاک  
 هم لذتے ست خاص که طالب به ذوق آن  
 بهمان نشاط ورزد و پیدا شود هلاک

غالب ستم نکر کہ چولیم فریزرے  
زیسان بہ چیرے دستی اعدا شود ہلاک

(نیل از ۲۹ ستمبر ۱۸۶۷ء/۲۸ جمادی الثانی  
۱۲۵۳ھ)

+++++۲۳+++++

بہر اگر موج زلستہ از خسی و خاشاک چہ باک  
باتو ز اندیشہ چہ اندیشہ و از باک چہ باک  
فیض سر گرمی دُور قدح سے دریاب  
برگ ریزست بہ دے ملہ اگر تاک، چہ باک  
وحشتے نیستہ اگر خانہ چراغی دارد  
با دل از تیرگی زاویہ خاک چہ باک  
حاش بے کہ درین معرکہ رسوا گودی  
باچنین خستگیم از جگر چاک چہ باک  
غافل، این برق ہر اجزای وجودم زندہ است  
مر ترا از نفسی گرم اثرناک چہ باک  
با رضای تو ز ناسازی آیام چہ بیم  
با وفای تو ز بے سہری افلاک چہ باک  
ہان، بگو تا ختم زلفت ہنشاود دل را  
خون صید ارچکد از حلقہ لتراک، چہ باک

دردم از چاره‌گیری‌ها نپذیرد تسکین  
 باچنین زهر ز دم سردی تو پاک چه پاک  
 کلک ما تا به گلی‌ماست، ز دشمن چه هراس  
 چون فریدون علم آراست ز خفاک چه پاک  
 طبعم از دخلِ خسان باز نه است ز سخن  
 شعله راه غالب، از آویزشِ خاشاک چه پاک

(قبل از ۲۹ شهریور ۱۲۵۳/۴/۲ جمادی‌الثانی  
 ۱۲۵۳ هـ)

۴۴۲۳۵۳۴۴

سبحروحم ، بود باي من اندک  
 چرا نشماري آزار من اندک  
 تنم فرسوده در بند تو بسیار  
 دلت بخشود بر کار من اندک  
 ازین برشي که بسیارست از تو  
 شد اندوه دل زار من اندک  
 همتا زان حکایت‌ها که دارم  
 شنیدستی ز غمخوار من اندک  
 ز خاصانت گرامی کوهری هست  
 که میداند ز اسرار من اندک



سرِ کوچکِ دلِ بھائی تو گِردم  
 کہ آسان کردہ دشوارِ من اندک  
 بر آئی از نورِ سوچِ تشویر  
 نہی کر دل بہ گفتارِ من اندک  
 میدان کز دستِ بردِ تست، گر هست  
 ستارِ صبرِ دربارِ من اندک  
 وجودم خوانِ یغما بود غم را  
 تو ہم بردی زبهارِ من اندک  
 نگویم تا باشد نغمِ غالب  
 چہ غم گر هست اشعارِ من اندک

(قبل از ۲۹ شعبان ۱۲۸۳/۶۸ جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳)

++۲۳۶++

اے ترا و مرا درین نیرنگ  
 دھن و چشم و دست و دل ہمہ تنگ  
 ہم تو خود در کمنِ خویشی  
 اے بہ رخ ماہ و اے بہ خوی ہلنگ  
 ہانِ مہنی کہ در ہوائِ شراب  
 می سرائی غزل بہ نالہ چنگ

زخمه می زاز هم بدین انداز  
 نغمه می سنج هم بدین آهنگ  
 لعلت باد سالی جالاک  
 ای به دلخشم ایزدی سرهنگ  
 همیشه بشکن ، قدح به خُم دو زن  
 تا ننگجد درین میانه درنگ  
 شود انبان ، ادیم ، کو آن فیض  
 گردد اظم نشاط ، کو آن رنگ  
 بر تو خاص در نهاد سبیل  
 باده ناب در دیار فرنگ  
 شکوه و شکر هرزه و باطل  
 غالب و دوست آهکنه و سنگ

(قبل از ۲۹ شهریور ۱۲۸۳/۶۱ هجری قمری)  
 (۱۲۸۳ هـ)

﴿۲۳۷﴾

نہ مرا دولتِ دنیا نہ مرا اجرِ جہیل  
نہ چہ لرود توانا نہ شکیا چہ خلیل  
بارقیان کفِ ساقی بدسی نابِ کریم  
باغریان لبِ حیون بہ دمی آبِ بغیل  
بہ و ہار بہ شبگیر در افکنند بہ راہ  
آن کہ دانست سراپمگی صبحِ رحیل

(ق)

ہان و ہان ، اے گہرین بارۂ سیمین ساعد  
کز دم تیغ بلیسی بہ زبانِ خونِ قتیل  
بس کن از عہدہ نا چند رہائی بدبوس  
از گدایان سر و از تارکِ شاہان اکلیل  
تو نہاشی دگرے، کوی تو نہ بود چمنے  
کے شدستیم بہ دلتنگی جاوید کفیل  
نرس موقوف، چہ شد رشکِ نیننی کہ دگر  
دارم آہنگِ نیابتِ سری رمیِ جیل

(ق)

اے بدسارِ قضا دوختہ چشمِ اہلسی  
بہ دم گرم روان سوختہ بالِ جبریل  
با توام خرسی خاطرِ موسیٰ بر طور  
باخودم خستگی لشکرِ فرعون بہ لیل

بر کمال تو در اندیشه کمال تو محیط  
 بر وجود تو در اندیشه وجود تو دلیل  
 نه کنی چاره لب خشک مسلمان را  
 اے به ترسا بچکان کرده می ناب سیل  
 غالب سوخته جان را چه به گفتار آری  
 به دیارے که ندانند نظیری ز قلیل

(لیل از ۲۹ ستمبر ۱۸۵۱ء/ ۲۹ جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳ء)

### ﴿۲۳۸﴾

راضی ست که در دل تند، از خون رود از دل  
 ناید به زبان شکوه و بیرون رود از دل  
 آتش بدم آب تسلی شود و من  
 خون گردم ازان تب که به چرخ رود از دل  
 خواهم که غم از کلبه من گردد برآرد  
 تا خواهی بسودن عاسون رود از دل  
 سیل آمد و جوش زد و در بحر فرو شد  
 تیرنگ نگاهتی چه به عاسون رود از دل  
 با من سخن از سنی او هام سراید  
 کم خرمی لالی عسایون رود از دل

شخصش به خیالم نژاد با بچه بالا  
 هر چند به جوشِ هوسم خون رود از دل  
 در طبع دگر ره ندهم، هیچ هوس را  
 گم حسرتِ اشراقِ قلاطون رود از دل  
 گیرم چو تو شرمندۀ آرم نپاسم  
 نا رفتنِ سپهر تو ز دل چون رود از دل  
 زان شعر که در شکوۀ خوی تو سرایم  
 لفظم به زبان مائد و مضمون رود از دل  
 غالب نبود کشت مرا یارۀ ابرم  
 جز دودِ فغانی که به گردون رود از دل

(قبل از ۲۹ سپتامبر ۱۸۳۷/۶/۲۸ جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳ هـ)

++(۲۳۹)++

گفتم زشادی نبودم کتیدن آسان در بغل  
 تنگم کشید از سادگی در وصلِ جانان در بغل  
 نازم خطر ورزیدنش وان هرزه دل لوزیدنش  
 چینه به بازی برجین، دسته به دستان در بغل  
 آه از تنک پیراهنی کافزون شدش تر دامنش  
 تا خوی برون داد از حیاء گردید عریان در بغل

دانش بہ مے درباخته، خود را ز من نشناخته  
 رخ در کنارم ساختہ از سرم پنهان در بغل  
 تا پاس دارد خویش را، مے در گریبان ریختہ  
 خستے چو راحے زان میش گل از گریبان در بغل  
 گاہم بہ پہلو خفته خوش بستے لب از حرف و سخن  
 گاہم بہ بازو مانده سر سودے ز تھذبان در بغل  
 ناخواتند آمد صبحکہ بند قیامی مے کرہ  
 و اندر طلب منشور شد نگشودہ عنوان در بغل  
 با رختی سرھنگے روان کیش خنجر و زویرن بہ کف  
 وزیس جلو دارے دوان کیش گوی و چوگان در بغل  
 مے خوردہ در بستان سرا ستانہ گشتے سو سو  
 خود سایہ او را از وسد باغ و بستان در بغل  
 چون لہنچہ دیدے در چمن، گفتے بہ گلہن کت ز من  
 چون رفتہ ناوک از جگر، چون مانده بیکان در بغل  
 ہاں غالب خلوت نشین، بیمے چنان، عیشے چنین  
 جاسوس سلطان در کمین، مطلوب سلطان در بغل

$$\frac{d}{dt} \left( \frac{\partial L}{\partial \dot{x}} \right) = \frac{\partial L}{\partial x}$$

داریم در هوای تو مستی به بوی گل  
ماواست باده که تو نوشی بروی گل  
اندازه سنج رشکم و ترسم ز انتقام  
بوتم ز شمع چشم و نبتم به سوی گل  
برگوشه بساط غریب است و آشناست  
گلبن دیار گل بود و شاخ کوی گل  
اندیشه را به نیم ادا می توان لرزفت  
خون کن دل که از تو شکند آرزوی گل  
تا محگل به رنگ و بوی که ماند که در چمن  
گل در بی گل آمده در جستجوی گل  
جوش بهار بسکه سهارش گسسته است  
تازد به دشت ناله پیراهه بوی گل  
ه زود گیسو زود گسل، ه جکی جکی  
در خشم خوی شعله و در مهر خوی گل  
زانکه که عشق دلب لطف داده مرا  
افزوده اسید من و آب و بوی گل  
در موسم تموز گلایه به تن بریز  
تا آب رفته باز بیاید به جوی گل

غالب ز وضع طالیم آید حیا که داشت  
چشمی بهسوی بلبل و چشمی بهسوی گل

(قبل از ۲۹ شهریور ۱۲۸۳، ۲۸/۵/۱۲۸۳ جمادی الثانی  
۱۲۵۳ هـ)

### مجموعه ۲۱م

تن بر کرانه ضایع، دل درمیانه غافل  
چون غرقه که ماند رختش بهسوی ساحل  
داغم بهشعله زانی انداز برقِ خاطف  
سعیم بهناوِ سانی پرواز مرغِ بسمل  
ذوقِ شهادتم را دستِ قضا به حنا  
سیرِ سعادتِ را بایِ ستاره در گل  
اندیشه را سراسر حشرِ صفت در برابر  
نظاره را دسامد برقیست در مقابل  
فرسوده گشت بایم از بویه های هرزه  
آشفته شد دماغ ز اندیشه های باطل  
هم درخاوردوشینِ عالم تبه به صحرا  
هم در بهای صبا رختم گرو به منزل  
شعم ز رومیاهی داغِ جبینِ خلوت  
چنگم ز یمنوایی تنگِ بساطِ محفل



را ز نو در نهفتن تیغاله ریخت بر لب  
 تبر نو در گذشتن پیکان گداخت در دل  
 نظاره با ادایت سوس<sup>۲</sup> و طور<sup>۱</sup> بینا  
 اندیشه با بلایت عاروت و چاه نابل  
 با من نموده مجنون بیعت به فن سودا  
 بر نو فشانده لیلی زیور ز طوبی محمل  
 غالب بدعه<sup>۳</sup> شادم، مرگم بخویش آسان  
 در چاره ناسرادم، کارم ز دوست مشکل

(لیل از ۲۹ شهریور ۱۲۸۶/۵۱/۲۸ جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳)

+۲۴۲+

رفتم که کهنگی ز نمانا برفکنم  
 در بزم رنگ و بو نطی دیگر افکنم  
 در وجد اهل صومعه ذوق نظاره نیست  
 ناهید را بدیزمه از منظر افکنم  
 معشوقه را ناله بدانسان گفتم حزن  
 کز لاغری ز ساعد او زیور افکنم  
 هنگامه را جحیم جنون بر جگر زلم  
 اندیشه را هوای نسون در سر افکنم

نعلم که هم بجای رطب طوطی آورم  
 ابرم که هم بروی زمین گوهر افکنم  
 با غازیان ز شرح غم کارزار نفس  
 شمیر را به وعده زن جوهر افکنم  
 با دیربان ز شکوه پیدای اهل دین  
 بپوش ز خوشتن بدلی کار افکنم  
 ضمیم به کعبه مرتبه لرب خاص داد  
 سجاده گستری تو و من بستر افکنم  
 تا باده تلخ تر شود و سینه ریش تر  
 بگدازم آبکینه و در ساحل افکنم  
 راه ز کنج دیر به منو کشوده ام  
 از خم کشم نیاله و در کوثر افکنم  
 منصوب لطفه علی التلمیحان منم  
 آوازه انا "اسدالله" در افکنم  
 اوزنله گوهری چون اندر زمانه نیست  
 خود را به خاک رهگذر حیدر افکنم  
 غالب به طرح منقبت عاشقانه  
 رنم که کهنگی ز ناسا بر افکنم

++(۲۰۳)++

بسکه بیچد بد خویش جاده ز گمراہیم  
 رہ بدوازی دعد عشوہ کوتاہیم  
 شعلہ چکد غم کرا، گل شگفتہ مُرد کو  
 شمع نسبتانیم یادِ سحر گاہیم  
 جوہِ بتان دلکش است، جوی بد اندیشیم  
 بند کسان آتش است، داغِ لکھو خواہیم  
 گوشہ ویرانہ را آنتِ ہر روزِ ام  
 منزلِ جانانہ را فتنہ ناگاہیم  
 دور فتادم زیار، ماہی بے دجلہ ام  
 نیست دلم در کنار، دجلہ بے ماہیم  
 بندہ دیوانہ ام، مخطی و ساہی خوشم  
 حکم ترا مکتبم، فہرِ ترا ماہیم  
 آن نرِ چون سیم خام وانہمہ انگیزن  
 تا چہ فراہم شدست اُجرتِ جانکاہیم  
 از غیبِ طغیان و سنگ رہ شدہ بر خطنِ تنگ  
 زود زکو نگذرد کوکیہ شاہیم  
 جذبِ تو باید قوی کانِ پردہ پاک نیست  
 گر نتواند رسید بہخت بہ ہراہیم

غالب نام آورم نام و نشانم می‌رس  
هم اسدالشهم و هم اسدالشهم

(سن ۱۸۳۲/۶/۵۷ تا ۱۸۳۵/۵/۱۸۹۱)

+++

بر لب یا علی<sup>۳</sup> سرای باده روانه کرده ایم  
مشرّب حق گزیده ایم، عیش مغانه کرده ایم  
در رهت از بگه روان بستریم یکقدم  
حکم دوکانه داده ساز سه گانه کرده ایم  
یو که به حشو بشنوی قصه ما و مدعی  
تازه ز رویداد شهر طرح فسانه کرده ایم  
زعم رقیب بکطرف کوری چشم خویشان  
قاو کب حمزه ترا دیده نشانه کرده ایم  
باده به وام خورده و زر به قمار باخته  
و که ز هر چه ناسزا است هم به سزا نه کرده ایم  
ناله به لب شکسته ایم، داغ به دل نهفته ایم  
دولتیار مسکیم، زر به خزانه کرده ایم  
تا به چه مایه سرنگنیم ناله به عذریه غمی  
از نفس آنچه داشتیم صرف ترانه کرده ایم

خار ز جاده باز چین، سنگ به گوشه در فکن  
 در سیر و گرفتشی ترک بهانه کرده ایم  
 ناخن طعنه تیز شد، دل به سینه خو گرفت  
 تا بخود افتاده ایم، از نو کرانه کرده ایم  
 غالب، از آنکه خیر و شر جزیه قضا نبوده است  
 کار جهان ز بر دلی بی خبرانه کرده ایم

(قبل از ۲۹ ستمبر ۱۳۳۷ء/ ۲۸ جمادی الثانی  
 ۱۳۵۳ء)

++<245>2++

نوگرفتار تو و دیرینه آزاد خودم  
 و چه خوش بودی که بودی ذوق بهباد خودم  
 معنی یگانہ خویشم، تکلف بر طرف  
 چون سہ نو مصرع تاریخ ایجاد خودم  
 جوہر اندیشہ دل خون گشتی در کار داشت  
 عمارت و خسارت حسنی خدا داد خودم  
 از بہار رفته در س رنگ و بو دارم هنوز  
 در غمت خاطر فریب جان ناشاد خودم  
 گر فراموشی بدلمیادم رسد وقتست وقت  
 رفته ام از خویشی، چند آنکہ دریاد خودم

گرم استغناست یامن، گرچه مهرش در دلمست  
 تا نباشد دعویِ تائیدِ فریادِ خودم  
 هم قدم لختی ز خود رفتن بود در بارِ من  
 هجرِ شمعِ بزم در راهِ فنا زادِ خودم  
 تا چه خونها خوردم، شرمندہ از رویِ دلم  
 غنچه آسا بجستی طومارِ بیدادِ خودم  
 میدهم دل را ز بیدادت قریبِ التفات  
 سادگیِ بنگر که در دام تو صیادِ خودم  
 عالمِ توفیقِ را، غالب، سوادِ اعظم  
 مهرِ حیدر<sup>۳</sup> پیشه دارم حیدر آبادِ خودم

(قبل از ۲۹ ستمبر ۱۸۳۷ء/ ۲۸ جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳ھ)

+﴿۶﴾+

یاد باد آن روزگاران کاعبارے داشتم  
 آہ آشناک و چشم اشکیارے داشتم  
 کتابِ روزِ وستاخیزِ بادم میدهد  
 کاندرانِ عالمِ نظر بر تاهارے داشتم  
 تا کدا میں جلوہ زان کافر ادا میخواستم  
 کز هجومِ شوق در و میلِ انتظارے داشتم

ترک تازِ سرسبزِ شوقِ نسواں از جا ربود  
 ورثه باخود باقی ناموسِ حبابی داشتم  
 خون شد اجزایِ زمائی در فشارِ یخودی  
 رقت آتشی که من امسال و بارے داشتم  
 چون سر آمد باره از عمر، قامت ختم گرفت  
 این منم کز خویشتن برخویشی بارے داشتم  
 آنهم اندر کارِ دل کردم، فراغت آن تست  
 برفِ پیا ناله الماسِ کارے داشتم  
 خوی تو دالستم، اکنون بهر من زحمت مکش  
 رام بودم تا دلِ امیدوارے داشتم  
 دیگر از خویشم خبر نبود، تکلف بر طرف  
 اینقدر دالم که غالب نامِ بارے داشتم

(قبل از ۲۹ ستمبر ۱۲۳۷ ع/۱۹۱۶ م جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳ هـ)

\*\*\*۲۴۷\*\*\*

دیدم آن هنگامه، بیجا خوفِ محشر داشتم  
 خود همان شورست کاندلر زیست در سر داشتم  
 طولِ روزِ حشر و تابِ سحر فزونی بوده بس  
 جلوهٔ برقی در ابر دامنِ تر داشتم  
 تا چه سنجم دوزخ و کوثر که من نیز اینچنین  
 آنسے در سینه و آبی بهماندر داشتم  
 دوش بر من غرض کردند آنچه در کونین بود  
 زان همه کالایِ رنگا رنگ دل برداشتم  
 از خرابی شد فنا حاصل، خوشم زین اتفاق  
 بود مقصودم محیط و سیل رهبر داشتم  
 یادِ آسمی که در کوشِ ز صم پاسبان  
 بستر از خاکِ ره و بالیش زیستر داشتم  
 بر سرِ راهش نشستم، بردشِ راهم نبود  
 خویش را از خویشتن لخته نکوتر داشتم  
 نامهٔ شاهدِ دگر، عنوانِ شاهی دیگرست  
 آنچه ناید از هما چشم از کیوتر داشتم  
 کور بودم کز حرمِ راندند، رفتم سویِ دیر  
 از جمالِ بت سخن میرفت، باور داشتم  
 سوزم از حرمانِ می، با آنکه آمدم در سبوت  
 تا چه می کردم، اگر بختِ سکندر داشتم



هیچ میدانی که غالب چون بر تو دم به دهر  
من که طبع بلیل و شغلِ سمندر داشتم

(بن ۱۸۳۲/۵۱۳۵ و ۱۸۳۵/۱۸۳۶)

### ++۲۴۸++

این چه نوراست که از شوقِ تو در سر دارم  
دلِ پروانه و تسکینِ سمندر دارم

آهم از بردهٔ دل بر تو شررم می بزد  
شیشه لبریز می و سینه پر آذر دارم

اے مناج دو جهان رنگ به عرض آورده  
غان صلائی که ازین جمله دلی بردارم

من و پشته که به خورشید قیامت گرم است  
تکیه بر داوری عرصه محشر دارم

آن چرا در طرب و این زچه را در تعب است  
خنده بر غفلتِ درویش و توانگر دارم

کیست تا خار و خسی از رهگذرش بر چند  
دگر اشب سیر آرایشی بستر دارم

بر تو سهر سیاهی ز گلیم نبرد  
سایه ام سایه شب و روز برابر دارم

سوخت دل بر تو زو سلم چه کشاید اکنون  
 حسرت بیشتر و ذوقی تو کمتر دارم  
 کهنه تاریخی داشم نقش شعله و راست  
 شرح کشای صد آتشکده از بر دارم  
 هم ز شادایی ناز تو به خود می بالم  
 ریشه در آب ز ناز دم خنجر دارم  
 راز دار تو و بدنام کنی گردش جرخ  
 هم سباس از تو و هم شکوه ز اختر دارم  
 مرحبا سوهن و جان بخشی آتش غالب  
 خنده بر گهر می خضر و سکندر دارم

(قبل از ۱۸۲۹/۱۲۳۵هـ)

مطلع: 'عشق' بجای 'شوق'، 'ذوق'  
 بجای 'دل':

بیت ۵: 'تعجب' بجای 'طرب'، 'طرب'  
 بجای 'تعجب':

بیت ۶: 'بر دادود' بجای 'برچینند':

بیت ۱۱: 'قتلیرم' بجای 'گودش جرخ'  
 (گل و عنا)

ایات ۲۹، ۱۰ - انشائیة سال ۱۸۳۸/۱۲۵۳هـ

4-9-94

شبهای غم که چهره بخواب شسته ایم  
از دیده نقشی و بسوی خواب شسته ایم  
مسون گریه بُرد ز خویت عتاب را  
از شعله تو دود به دخت آب شسته ایم  
زاهد خوشست صحبت از آلودگی مفرس  
کاین خزنه یارها به می تاب شسته ایم  
ای در عتاب رفته ز بیرنگی سرشک  
غافل که امشب از مرز خواب شسته ایم  
بیمانه را زبانه به خون پاک کوده ایم  
کاشانه را ز رخت به سیلاب شسته ایم  
حرق محیط وحدت جبرایم و در نظرو  
از روی بحر موج و گرداب شسته ایم  
به دست و پا به بحر تو گُل فغانه ایم  
از خویش گرد زحمت اسباب شسته ایم  
در مسلح ویا ز حیا آب گشته ایم  
خون از چین و دست ز قصاب شسته ایم  
غالب رسیده ایم به کلکتہ و به  
از سینه دام دوری احباب شسته ایم

(continued)

پتہ: ڈاکٹر: "آئینہ" بولانی، لاہور۔

مقطع: 'داغ رحلت لواب' پجای 'داغ'  
دوری احباب' (گل رعنا) بیت ۵، ۸:

انجمن سال دوم ۱۳۸۳/۸۴

حفظ بعد از سال ۱۳۵۶ هجری قمری : :

جان در هجوم جلوه قاتل مفا گرفت

گوئی کہ ان کو یہ بھی پتہ چلا ہے کہ

لغز (التخيل، الخيال)

البريد الإلكتروني: [info@alukah.net](mailto:info@alukah.net)

ماہنامہ و اہلوت یافتہ کہ ہر آپ مستفاد



نکته‌هایش بر دهن میریزد از لب غالباً  
 بے زبان گودم که شرح لطفِ گفتارش کنم

(قبل از ۲۹ ستمبر ۱۸۳۷ء / ۲۸ جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳ھ)

### ++﴿۲۵۱﴾++

بے خودی عشاقِ نگاهش گرفته ایم  
 از خود گزشتہ و سرِ راهش گرفته ایم  
 دل با حریف ساخته و ما ز سادگی  
 بر مدعایِ خویش گواہش گرفته ایم  
 آواز کی سپردہ بما نہرمانِ شوق  
 ما ہمتے ز گردِ سیاہش گرفته ایم  
 از چشمِ ما خیالی تو بیرون نہیرو  
 گوئی بہ دامِ تارِ نگاهش گرفته ایم  
 در ہر نوردش از دلِ اغیار محضرت  
 صد خردہ بردو زلفِ سیاہش گرفته ایم  
 در عرضِ شوق صرفہ نہریم در وصال  
 در شکوہ‌ہایِ خواہ مخواہش گرفته ایم  
 با حسنِ خویش را چہ قدر میتوان شکست  
 عبرت ز حالِ طرفِ کلاہش گرفته ایم

دیگر ز دام ذوق تماشا نسجود  
 در حلقه کشاکش آتش گرفته ایم  
 دلشنگی ببری رخ کنعان ز رشک دوست  
 دانیم ما که درین چاهش گرفته ایم  
 حرفی مزین ز غالب و رنج گران او  
 کوه معارضی برگاهش گرفته ایم

(قبل از ۲۹ شهریور ۱۳۳۱ هـ / جمادی الثانی  
 ۱۳۵۳ هـ)

### ❖❖ (۲۵۲) ❖❖

تا فصلی از حقیقت اشیا نوشته ایم  
 آفاق را مرادف عبقا نوشته ایم  
 ایمان به عجیب تفرقه ها رقت از ضمیم  
 زانما گذشته ایم و مستحق نوشته ایم  
 عنوان راز نامه اندوه ساده بود  
 سطر شکست رنگ بهیما نوشته ایم  
 تلزم فشانی سزه از بهلولی دست  
 این ابر را برات به دریا نوشته ایم  
 خاک به روی نامه نیشاندیم ما  
 رخصت بدان حرفی خود آرا نوشته ایم

در هیچ نسخه معنی لفظِ اُمید زیست  
 فرهنگنامه های تماشا نوشته ایم  
 آینده و گذشته تماشا و صورت است  
 یک کلنگی بود که به میدان نوشته ایم  
 دارد رخت به خون تماشا خطی ز حسن  
 روشن سوادِ این ورقِ نا نوشته ایم  
 رنگِ شکسته عرضِ سپاسِ بالای تست  
 پنهان سپرده غم و پیدا نوشته ایم  
 آغشته ایم هر سرخاوی به خون دل  
 قانونِ باغبانی صحرا نوشته ایم  
 کویت ز نقشِ جیبه ما یک کلمه بر است  
 لخته سپاسِ همدمی با نوشته ایم  
 غالب الف همان علمِ وحدتِ خودست  
 بر لا چه بر فرود، گر الا نوشته ایم

(قبل از ۲۹ شهریور ۱۳۳۷/۶/۲۸ جمادی الثانی)

(۱۳۵۳ هـ)

++۲۵۳++

میبخت خیز تا نفسی درهم افکنم  
 از ناله لرزه در فلکِ اعظم افکنم  
 آتش فرونشاند نم دامنم بیا  
 کاین دلقِ نیمسوخته در زمزم افکنم  
 با من ز سرکشی نرود راست لاجرم  
 دل را به طره های خم اندر خم افکنم  
 برتر می بود ز ملک، بهر کسر نفس  
 خود را به بندِ سلسله آدم افکنم  
 برسد ز ذوقِ گرمروی ما و خاشم  
 دوزخ کجاست، تا به همدم افکنم  
 خواهم ز شرح لذتِ بیداد بهره دار  
 خونا به حسد به دلِ محرم افکنم  
 خوشنودم از تو و ز بی دویا باشی خلق  
 آوازه جفای تو در عالم افکنم  
 از ذوقِ نامه نو رود چون ز کار دست  
 از بالِ عده دش به کیوتر دم افکنم  
 دوزند گر به فرض زمین را به آسمان  
 حاشا کزین فشار در ایرو خم افکنم  
 سلطانی قلمرو عسقا به من رسید  
 کو نقشی ناپدید که بر خاتم افکنم



غالب ز کلکِ تست کہ یابم عی بہ دھر  
 مشکے کہ بر جراحتِ بندِ غم انگنم

(بین ۲۹ ستمبر ۱۸۳۷ء/ ۲۸ جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳ھ و ۲۱ جنوری ۱۸۳۸ء/  
 ۲۳ شوال ۱۲۵۳ھ)

++\*~\*~\*~\*~\*~\*++

ہے پردگی محشرِ رسوائی خویشم  
 در پردہ یک خان تماشاخانِ خویشم  
 قش بہ ضمیر آمدہ قش طرازم  
 حاشا کہ بود دعویٰ بیدائی خویشم  
 نے جلوہ تازے نہ قہِ برقی عتابے  
 او لادخ و من داخِ شکبائی خویشم  
 از کشمکشِ گرہ ز ہم رخت وجودم  
 ہر قطرہ فروخواندہ بہمتائی خویشم  
 ذوقِ لہو نوشین کہ آمیختہ با جان  
 کاین سایہ در اندازِ جگرخانی خویشم  
 آسودگی از خس کہ بہ تابی ز میان رفت  
 چون شمع در آتش ز توانائی خویشم

تاری نه از ضعف سراپایم و اکنون  
 از گریه به بند گهر آمانی خویشم  
 یا بوی تو چو لای سبکخیزی شوم  
 در کوی تو مهمان گران پائی خویشم  
 عرضی هنرم زرد گند روی حریفان  
 مستجاب کف دست تماشاائی خویشم  
 غالب، ز جفای نفسی گرم چه نالی  
 بندار که تنم شب تنهائی خویشم

(قبل از ۲۹ شهریور ۱۲۸۳/۵ جمادی الثانی<sup>۴</sup>  
 ۱۲۵۳هـ)

### ++۲۵۵++

گم گشته به کوی تو نه دل، بلکه خبر هم  
 در لریه ز خوی تو نه دم، بلکه اثر هم  
 یا ربه چه پلائی که دم عرضی نماند  
 اجزای نفس می خزد از بیم تو در هم  
 در آینه باخویش طوف گشته امروز  
 جان تیغ نگهدار و پنداز سپر هم  
 دیدیم که می مستی اسرار ندارد  
 ولیم و به پیمانۀ فشردهم جگر هم

اے نالہ نہ تنہا شبِ غم گزردہ تست  
 شیکیر ترا مشعلہ دارست سحر ہم  
 با گرمی داغِ دلِ ما چارہ زیون است  
 پروانہ این شمع بود پنبہ مرہم  
 تا حسن بہ بے پردگی جلوہ صلا زد  
 دیدم کہ چوتارے ز نقاب است نظر ہم  
 چون است کہ در عرصہ دہر اہلِ دلے نیست  
 در بحر کف و موج و حباب است و گہر ہم  
 اسکندر و سرچشمہ آئے کہ زلال است  
 ما و لبِ لعلے کہ شراب است و شکر ہم  
 تنہا نہ من از شوق تو در خاک تیانم  
 نشتر بہر گ سنگِ مزار است شرر ہم  
 آن خانہ بر انداز بہ دل پردہ نشین است  
 اے دیدہ تو نامحرسی و حلقہ در ہم  
 تا بند نقاب کہ کشود است کہ غالب  
 رخسارہ بہ تاخن صلہ دادیم و جگر ہم

++۲۵۶++

جلوه معنی به جیبِ وهم پنهان کرده ایم  
 یوسفی\* در چار سویی دهر نقصان کرده ایم  
 پشت بر کوهست طاقت تکیه تا بر رحمت است  
 کار دشوار است و ما بر خویش آسان کرده ایم  
 رنگبه چون شد فراهم مصرفی دیگر نداشت  
 خُلق را غنای و نگار طاقِ تسبیح کرده ایم  
 ناله را از شعله آئین چراغان بسته ایم  
 گریه را از جوشِ خون تصبیح مرجان کرده ایم  
 از شرر گُل در گریبان نشاط افکنده اند  
 خلفه ها بر فرصتِ عشرت پرستان کرده ایم  
 میگساران قعط و مایه صبر عشرت مفت کیست  
 بادۀ ما تا کهن گردد ارزان کرده ایم  
 زاهد از ما خوشه تاکی به چشم کم مین  
 همه نمدانی که یک پیمانه نقصان کرده ایم  
 راز ما از پرده چاکِ گریبان باز جوی  
 نامه شوق تو باز از طرفِ عنوان کرده ایم  
 حیف باشد خاها در راهِ سیمان ریختن  
 با خیالش شگوه از بیدادِ مژگان کرده ایم  
 حق شناسی صحبتِ پنهانی بیروانه ایم  
 گرچه مشقِ ناله با مرغِ سحر خوان کرده ایم

می دهد چشمتن به یک پیمانه هر میغوار را  
 عشوه ساقی به کار کفر و ایمان کرده ایم  
 غالب از جوش دم ما تریشتن کلبوش باد  
 پرده ساز ظهوری را گُل افشان کرده ایم

(قبل از ۲۹ بهمن ۱۲۵۳/۲۸ جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳هـ)

### ۲۵۷

هم بدعالم ز اهل عالم برکنار افتاده ام  
 چون امام سجده بیرون از شمار افتاده ام  
 ریزم از وصف رخت گُل را شر در پیرهن  
 آتشی رشکم ، بدجانِ نوبهار افتاده ام  
 میفشانم بال و در بدیهائی نیستم  
 طائر شوقم به دام انتظار افتاده ام  
 کار و بار موج با بحر است ، خودداری مجوی  
 در شکستِ خویشتن بی اختیار افتاده ام  
 سرسبز میناست اجزایم چوکوه ، اما هنوز  
 بر نمی خیزم ز بس سنگین خمار افتاده ام

هر شکست استخوانم خنده دندان نیست  
 رازِ هم را بخیه بر روی کار افتاده ام  
 هم زمن طرز آشنای عشقبازان کشته  
 هم ز تو عاشق گشای را رازدار افتاده ام  
 تا ز مستی میزنی بر تربت اغیار محفل  
 خویشتن را همچو آتش در مزار افتاده ام  
 یکجهان معنی نئومنداست از پهلوی من  
 چون نلم هر چند در ظاهر نزار افتاده ام  
 جان بهشم می بازم و میالَم از جورِ سپهر  
 و که هم بد نقشم و هم بدقمار افتاده ام  
 کشتی می ناخدایم ، سرگشت من مهرس  
 از شکست خویش بر دریا کنار افتاده ام  
 ناتوانی محو هم کسوفست اجزای مرا  
 در یوند ناله نقش زورنگار افتاده ام  
 رفته از خمیازه ام بریاد ناسوس چین  
 چاک اندر خرقه صبح بهار افتاده ام  
 از روانیهایی طبعم تشنه خونست دهر  
 آهم آب ، آما نو گوئی خوشگوار افتاده ام

ابنِ جوانِ آن غزلِ غالب کہ صائب گفته است  
 ”در نمود نقشها ہے اختیار التادہ ام“

(قبل از ۲۹ مئی ۱۲۸۷ء/۲۸ جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳ء)

### ۲۵۸

سوخت جگرِ نا کجا رنجِ چکیدن دھیم  
 رنگِ شو، اے خونِ گرم، تا بہ پریدن دھیم  
 عرصۂ شوقِ ترا مشّتِ شبِ اریم ما  
 تن جو بریزد زہم، ہم بہ تپیدن دھیم  
 جلوہ شطِ کودماند، رُخِ بگشتا تا ز سپر  
 ذرہ و پروانہ را سزۂ دیدن دھیم  
 سبزه ما در عدم تشنّہ یرقیہیلاست  
 در وہ سیلِ بہار شرحِ دیدن دھیم  
 بوکہ بہ مستی ز نیم برس و دستار گل  
 تا سی گلفام را سزۂ رسیدن دھیم  
 ہر اثرِ کوشگنِ نالہ فرستادہ ایم  
 تا جگرِ سنگ را ذوقِ دریدن دھیم  
 شہوۂ تسلیمِ ما بودہ تواضع طلب  
 در خمِ مہرابِ تیغ تن بہ عضدن دھیم

دامن از آلودگی سحت گران گشته است  
 وه که دو آرد زیاء به که بهچیدن دهم  
 خیز که راز درون در جگر نه دهم  
 فائده خود را ز خویش داد شنیدن دهم  
 غالب از اوراق ما تنشی ظمهوری دید  
 سمره حیرت کشیم ، دیده بهزدیدن دهم

(قبل از ۲۹ ستمبر ۱۳۸۷/۲۸ جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳ هـ)

### ++۲۵۹++

بود بدگو ساده، باخود همزیانش کرده ام  
 از وفا آزردنت خاطر نشانش کرده ام  
 بر آمید آنکه احقر در گذر باشد مگر  
 هرزه میگویم که برخود سهرایش کرده ام  
 گوشه چشمش به بزم دلربایان یا مست  
 وقت من خوش باد کز خود بدگمانش کرده ام  
 جان به تاراج ننگه دادن از عجزم شمرده  
 آنکه منع ربط دلمن جا میانش کرده ام  
 دل ز جوشی گریه گر بر خویشانی بالده ، رواست  
 فطره بودست و بحر یکسرانش کرده ام



در حقیقت ناله از سحر جان روئیده ایست  
 کز برای عذریتهای زیانش کرده ام  
 بدگمان و نکته چین و عیب جویش دیده ام  
 امتحانهای چند ضرب امتحانش کرده ام  
 در قلاتی منصب گل چشتم دارد هنوز  
 آنکه سالی را به سستی باغبانش کرده ام  
 جوهر هر ذره از خاکم شهید شده ایست  
 وای من کز خود شمار کشتگانش کرده ام  
 تا نیارد خورده بر بدستی دوشم گرفت  
 بوسه را در گفتگو مهر دطانش کرده ام  
 در طلب دارم تقاضایی که گوئی در خیال  
 بوسه تحویل لب شکر فشانش کرده ام  
 محالب از من شهوه نطی ظهوری زنده گشت  
 از نوا جان در تن ساز یانش کرده ام

﴿۲۶۰﴾

میرایم بوسه و غرضِ ندامت میکنم  
 اختراعِ جنده، در آدابِ صحبت میکنم  
 ناتوانم، برتابم صدمه، لیک از فرطِ آز  
 تا در آویزد بمن اظهارِ طاعت میکنم  
 گوئی از دشواریِ غم اندک دانسته است  
 میگذشد به جرم و میداند مروت میکنم  
 در تپش هر ذره از خاکم سوزدایِ دل است  
 هر چه از من رفت، هم برخویش قسمت میکنم  
 غافلم زان بیچ و تابِ غصه کز غم در دلست  
 دل شکاف آه با مسیّدِ فراغت میکنم  
 سنگ و خشت از مسجد ویرانه می آرم به شهر  
 خانه در کویِ ترسایان عمارت میکنم  
 کرده ام ایمانی خود را دستمزدِ خویشتن  
 می تراشم بیکر از سنگ و عبادت میکنم  
 چشم بد دور، التفانی در خیال آورده ام  
 هر چه دشمن میکند، با دوست نسبت میکنم  
 دستگاه گلشنانیمایی رحمت دیده ام  
 خنده بر لب برگیِ توفیقِ طاعت میکنم  
 زنگِ غم زائیده دل جز به می توان زدود  
 دردم از دهرست و با ساقی شکایت میکنم

غالبیم غالب، هم آئین برنامیم در سخن  
بزم برهم میزنم، چندانکه خلوت میکنم

(بین ۲۹ ستمبر ۱۸۳۷ء تا جمادی الثانی  
۱۲۵۳ء و ۲۱ جنوری ۱۸۳۸ء تا شوال  
۱۲۵۳ء)

### ++﴿۲۶۱﴾++

صبح شد خیز که روداد اثر بنمایم  
چهره آغشته بهخونابِ جگر بنمایم  
بنیه یکسو نهم از داغ که رخشد چون روز  
آخرت نیست نسیم را که سحر بنمایم  
خویشتن را دگر از گریه نگهداشت به زور  
جگر خسته خود آن به که دگر بنمایم  
حدّ من نیست که بنمایمش، آری از دور  
با من آ تا سر آن راهگذر بنمایم  
می کند ناز، گمان کرده که خط دیر دهد  
خیز تا شعبده جذبِ نظر بنمایم  
آتش فروخته و خلق بهحیرت نگران  
رخسره ده که بههنگامه هنر بنمایم  
چون بهمحشر اثر سجده ز صیفا جویند  
داغ سودای تو ناچار ز سر بنمایم

دلربا بانه به زندان همه روزم گردد  
 بسکه خود را به تو از روزی در بنمایم  
 بر رزم سنج بساز تو ز من بانگ به عشق  
 کش رضائست خولهای هدر بنمایم  
 غالب، این لعب به گل سپرد رضا جوئی تمت  
 تو خریدار گهر باشی، گهر بنمایم

(بن ۵۱۸۳۲/۵۱۸۳۷ و ۵۱۸۳۵/۵۱۸۳۶-۵۱۸۳۷)

### ++۴۲۶۲++

تا به کج صُرفِ رضا جوئی دلها باشم  
 فرصم باد کزین پس همه خود را باشم  
 که که از نظرم هست و غزلخوان بگذر  
 ورنه بر عهد من نیست که رسوا باشم  
 سخت جانان تو در باغی غم استادِ خودند  
 شرر از من نچیده، گو رگِ خارا باشم  
 بادلی چون تو ستم پیشه داورِ شناس  
 چه کنم گر همه اندیشه فردا باشم  
 حسرتِ رویِ ترا حورِ تلالی نکند  
 از تو آخر به چه امید شکلیا باشم

هوش برکارکشای ورقِ یخبری ست  
 گم شوم درخود و در نقش تو پیدا باشم  
 با چنین طاقتم آیا که برین داشت که من  
 طریق لبخند دلشای توانا باشم  
 در کنارم خیز و ز آلاشی دامن مهراس  
 ناپ آن کو که ترا یابم و خود را باشم  
 همچو آن قطره که بر خاک افتاده ساقی  
 دورم از کنج لبته گر همه صبیحا باشم  
 قبله گم شدگان به صوفی غالب  
 لاجرم منصوب من نیست که یکجا باشم

(قبل از ۲۹ سپتامبر ۱۸۳۷/۲۸ - ج. ادبیاتی  
 ۱۲۵۳)

۱۲۶۳/۲۶

دیگر نکه ترا مست ناز می خواهم  
 حساب گذشته ز ایام باز می خواهم  
 وفا خوشتر است اگر داغ هم فنی نبود  
 زمانه های سمندرگداز می خواهم  
 گنشم از گله در وصل، لرحتم بادا  
 زمان کوتاه و دست دراز می خواهم

گرفته خاطر از اسباب و سرخوشی باقیست  
 ترانه که نگنجد بساز، میخواهم  
 دوشی نموده و من شکوه منجم، ایت شگفت  
 میان تو و خویش امتیاز میخواهم  
 برون میا که هم از منظر کثافت بام  
 نظاره ز در نیم باز، میخواهم  
 چو نیست گوش حریفان سزای آویزه  
 همان نستسته گهرهای راز، میخواهم  
 زمانه خاک مرا در نظر نمی آرد  
 ز قش پایی توای سرفراز، میخواهم  
 همین بسست که سیرم ز رشک خواهش غیر  
 ز عرض ناز توای بے نیاز، میخواهم  
 وکیل غالب خونین دلم، سفارش نیست  
 به شکوه تو زبان را مجاز، میخواهم

۴۲۶۴۴۴۴

زمن حذر نکستی ، گر لباسِ دین دارم  
 نهفته کافرم و بت در آستین دارم  
 زمرّدین نبود خاتمِ گدا ، دریاب  
 که خود چه زهر بود کان ته تلکین دارم  
 اگر به طالع من سوخت خرمم ، چه عجب  
 عجب ز قسمتِ یک شهر خوشه چین دارم  
 نشسته ام به گدائی به شاهراه و هنوز  
 هزار دزد به هر گوشه در کمین دارم  
 زوعده دوزخیان را قزوق نیاز آرد  
 تو قلعے عجب از آه آتشین دارم  
 ترا نگفتم اگر جان و عمر ، معذوم  
 که من وفای تو باخویشتم یقین دارم  
 به مطلعم بود آهنگ زنده بستی مدح  
 ز قحطِ ذوقِ عزل خویشی را براین دارم  
 طلوعِ قائم در مطلع از جبین دارم  
 به ذکرِ سجده شد حرفِ دانشین دارم  
 علی<sup>۳</sup> عالی اعلی که در طوافِ درش  
 خرام بر فلک و پای بر زمین دارم  
 از آنچه بر لب او رفته در شفاعت من  
 فسانه به لب جوئی انگین دارم





اگر کلیم\* شود همزمان سخن نکتم  
 وگر خلیل\* شود میهمان ، بگردانیم  
 گل انگنیم و گلای برهنگذر باشیم  
 می آوریم و قدح در میان بگردانیم  
 ندیم و مطرب و ساقی ز انجمن رانیم  
 به کار و بار زن کاروان بگردانیم  
 کجی به لایه سخن با ادا بیامیزیم  
 کجی به یوسه زبان در دهان بگردانیم  
 نسیم شرم بیک سوی و باهم آویزیم  
 به شوخنی که رخِ احقران بگردانیم  
 ز جوشِ سینه سحر را نفس فرو بندیم  
 بالای گرمی روز از جهان بگردانیم  
 به وهم شب همه را در غلط بیندازیم  
 ز نیمه ره روم را با شبان بگردانیم  
 به جنگ باج ستانِ ناسخاوی را  
 تمی بید ز در گلستان بگردانیم  
 به صلح بال فشانانِ صبح کاهی را  
 ز ناسخار سوی آشیان بگردانیم  
 ز حیدریم\* من و تو ز ما عجیب نبود  
 گر آفتاب سوی خاوران بگردانیم

به من وصال تو باور نمی‌کند غالب  
 یا که قاعده آسمان بگردانیم

(پن ۲۹ ستمبر ۱۸۳۷ء/۶/۲۲ جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳\* و ۲۱ جنوری ۱۸۳۸ء/  
 ۲۳ شوال ۱۲۵۳\*)

۲۹۶/۲۹۶

ولت بر ما آنچه خود ما خواستیم  
 وایه از سلطان به لعلها خواستیم  
 دیگران شستند رخت خویش و ما  
 تری دامن ز دریا خواستیم  
 دانش و گنجینه بنداری یکیت  
 حق نهان داد آنچه پیدا خواستیم  
 چون به خواهی کارها کردند راست  
 خویش را سرمست و رسوا خواستیم  
 لعل از توفیق طاعت کان عطامت  
 مزد کار از کار فرما خواستیم  
 گر کنه کاریم، واعظ گو مرنج  
 خواجه را در روضه تنها خواستیم  
 سینه چون تنگست، بر خون بود دل  
 دیده خوانایه پا لا خواستیم

رفت و باز آمد هما در دام ما  
 باز سر دادیم و عطا خواستیم  
 هم به خواهش قطع خواهش خواستند  
 عذر خواهشهای بیجا خواستیم  
 قطع خواهشها ز ما صورت نداشت  
 همت از غالب همتا خواستیم

(این ۵۱۸۳۵/۵۱۲۶۱ و ۵۱۸۹۰/  
 ۵۱۲۷۹-۲۷)

++۲۶۷++

اگر بر خود نمیآید ز عمارت کردنِ هوشم  
 مرا و را از چه دشوار است گنجیدن در آغوشم  
 نیم در بند آزادی، سلامت شیوه‌ها دارد  
 شنیدم چنانچه زندان ترا غیبت، میوشم  
 نیزم هیچ، چون لفظ مکرر ضایع ضایع  
 مگر کنز لک کشد دست نوازش بر سر و دوشم  
 خدایا زندگی تلخست، گر خود ثقل و سِ نبود  
 دلِ ده کنز گداز خویش گردد چشمه نوشم

مرنج از وعده وصلی که با من در میان آری  
 که خواهد شد به طوقِ وعده دیگر فراموشم  
 گر استب بپریم و در هفت دوزخ سرتگون غنیم  
 همان دانه که غرقِ لذتِ بیانیِ دونم  
 بخندم بر بهار و روستانی سپوه شمشادش  
 ز گل چمنان طرزِ جلوه سروِ قباوشم  
 بهار گلشنِ کویِ نوام، مسبار در خاکم  
 چراغِ بزمِ نیرنگِ نوام، میسند خاموشم  
 ادایِ مے به سحرِ کز دنتِ نازم، زه ساقی  
 بیفشان جرعه بر خاک و زمین بگذر که مدهوشم  
 مرنج از من، اگر نبود کلام را صفا غالب  
 خمستانِ غبارم، سرِ سرِ دردِ ممت سرجوشم

(قبل از ۲۹ ستمبر ۱۸۳۷ء جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳ھ)

++۴۲۶۸++

وحشتی در سطر از برگِ سفر داشته ایم  
 بوتهٔ راه دلّی بود که برداشته ایم  
 لغزد از تابِ بناگوشی تو مستانه و ما  
 تکیه بر پیاکی داسانِ گهر داشته ایم  
 زخمِ ناخوردۀ ما روزی اخبار مکن  
 کان به آرایشی داسانِ نظر داشته ایم  
 ناله تا گم نکند راه لب از ظلمتِ غم  
 جان چراغیست که بر راهگذر داشته ایم  
 تو دماغ از می تو زور رسانیده و ما  
 بدرِ خمکنده خشتی تبه سر داشته ایم  
 جا گرفتن به دلِ دوست نه اندازهٔ ماست  
 تو همان گیر که آهیم و اثر داشته ایم  
 بزه تا خونِ دل اشاقده ز ریزشِ استاد  
 سانسیم طالعِ اجزایِ جگر داشته ایم  
 داغِ احسانِ قبولی ز لثیمانش نیست  
 ناز بر خرمی بختِ هنر داشته ایم  
 بیش ازین مشربِ ما نیز سخن سازی بود  
 لختی از خوشدلی غیر خیر داشته ایم

واوسیدیم که غالب به میان بود نقاب  
کش دانیم که از روی که برداشته ایم

(قبل از ۲۹ ستمبر ۱۳۳۱ء/۲۸ جمادی الثانی  
۱۳۵۳ء)

### ++۲۶۹++

خود را می به نقش طرازی علم ششم  
تا با تو خوش نشینم و نظاره هم کنم  
خواهی فراخ خویش، بیفزای برستم  
تا در عوض همان قدر از شکوه کم کنم  
قاتل بهانه جوی و دعا بے اثر، یا  
کز گریه آبگیری تبخیر بینم کنم  
طفلت و تندخوی، بینم چه می کند  
واسم، ولسی به عربده دانسته رم کنم  
گردون و پال گردن من ساخت مدتیست  
کو دست تا به گردن دلدار خم کنم  
یا رب! به شهوت و غظیم اختیار بخش  
چندانکه دفع لذت و جنب الم کنم  
تا دخیل من به عشق افزون تر بود ز خرج  
خواهم که از تو بیش کشم ناز و کم کنم

غلند دسم به مشک ز فیضِ هوایِ زلف  
 قانونِ قمرِ شالیه سائی رقم کنم  
 خشک است کشتِ شیوه تحریرِ رفتگان  
 سیرایش از نمِ رگِ ابرِ قلم کنم  
 غالب به اختیار سیاحت ز من بخواد  
 کو فتنه که سیرِ بلادِ عجم کنم

(قبل از ۲۹ شهریور ۱۲۷۰/۱۸۵۳ جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳ هـ)

### ۲۷۰

نشاط آرد به آزادی ز آرامش بریدن هم  
 گلم بر گوشه دستار زد دامن ز چیدن هم  
 بیا لطاف هوا بنگر که چون موج می ازینا  
 گل از شاخ گلشن جلوه گر پیش از دمیدن هم  
 دلا خون گشتی و گشتی که می گردید کار آخر  
 مشوا اسفرده غافل، عالمی دارد جگریدن هم  
 نه از میموست، گر برداستانم می نهد گوشه  
 همان از نکه چینی خیزدش ذوق شنیدن هم  
 چه برمی کزلبت وقت قدح نوشی چه میخواهم  
 همین بوسیدنی، چون مست تر گردی، سکیدن هم

به پایم رسیدستی ز به یکمی نوازی ها  
 فدایت، بکند و دم عمر گرامی وار رسیدن هم  
 سرت گودم، شکاف تاوه گر هردم هوس داری  
 به هر بندم رها می کن به قدر یک رسیدن هم  
 ز تیغ منته زخمی ندارم، خویش را نازم  
 که حسرت شوق لذت داوادم از لب گزیدن هم  
 ادب آموزش در برده محراب می بینم  
 نخست از جانب حق بوده انداز خمیدن هم  
 چه خیزد گر کتاب از میان برخاست، کو تسکین  
 که می بینم تقاب عارضی یاراست دیدن هم  
 نخواهد روز محشر دادخواه خویشی عالم را  
 به تو بخشید ایزد شیوه ناز آفریدن هم  
 دل از تمکین گرفت و تاب وحشت نبودم غالب  
 نگجد در گریبان من از تنگی دریدن هم



﴿۲۷۱﴾

آنم که لب ز سوزِ فریای ندارم  
 در خلقِ سوهان نفسان جای ندارم  
 خاموشم و در دل ز سلام اثری نیست  
 سر جوشِ گدازِ نفسم، لای ندارم  
 خود رشته زلف موجِ گهر، گرچه من اکنون  
 جز رعشه به دستِ گهر آهای ندارم  
 لرزد ز فرو ریختنِ خامه در اشا  
 آن نیست که حرفی جگر آلائی ندارم  
 ناز تو فراوان بود و صبر من اندک  
 تو دست و دلی داری و من پای ندارم  
 بگذار که از راه نشینِ تو باشم  
 بیانی که شود مرحله بیمای ندارم  
 خاماکب مرا ناپِ شررِ چهره نروزم  
 در جلوه سپاس از چمن آرای ندارم  
 بیهوده خجالت کشم از بادِ بهاری  
 صبحست و دمِ غالیجہ اندای ندارم  
 واعظ دم گیرایِ خود آرد به مصافم  
 گوئی دلی خود کاسه خودرای ندارم

غالب سروکارم به گدائی به کریمست  
گر وایه من دیر رسد، وای ندارم

(قبل از ۲۹ شهریور ۱۲۸۳/۲۸ جمادی الثانی  
۱۲۵۳هـ)

++۲۷۲++

در وصل دل آزاریِ اغیار ندانم  
دانند که من دیده ز دیدار ندانم  
طعم نسزد، مرگ ز هجران نشنم  
رشکم نگزد، خویش از یار ندانم  
برسد سبب بیخودی از مهر و من از بیم  
در عذر به خون غلتم و گفتار ندانم  
بوسم به خیالش لب و چون تازه کنند جور  
از سادگمش بی سبب آزار ندانم  
هر خون که فشانند مژه در دل فتم باز  
خود را به غم دوست زیانکار ندانم  
آوسزش جمع از سه چادر بردم دل  
آشننگی طره به دسار ندانم  
بوی جگرم میدهد از خون بر هر خار  
شد پای که در راه وے انگار ندانم

زخمِ جگر، بطیحا و مرهم لبستم  
 سوچِ کهرم، جنبش و رفتار ندانم  
 نقدِ خردم، سنگِ سلطان لبستم  
 جنبی هنرم، گرمی بازار ندانم  
 غالب نبود کوتاهی از دوست هانا  
 زانسان دادم کام که بسیار ندانم

(بن ۲۱ جنوری ۱۸۳۸ء/۲۲ سوال  
 ۱۲۵۳ء و جولائی ۱۸۳۸ء/۱۱ ریح الثانی  
 ۱۲۵۳ء)

### ++۲۷۳++

در هر انجامِ محبت طرحِ آغاز افکنم  
 سپر بردارم از و تا هم بر او باز افکنم  
 در هوایِ قتل سر بر آستانش می نهم  
 تا به لوحِ مدعا نفسِ خدا ساز افکنم  
 لایقِ پرکاریست صبور و پستانی شیوه را  
 خواہش کاندر سوادِ اعظمِ ناز افکنم  
 صغوه من هرزه پروا ز است، بر کز فرطِ سپر  
 بے خودش در آشیانِ چنگلی باز افکنم

ہے زبانم کردہ ذوقِ السفلیات تارۃ  
لاجرم شغلی وکالت را بہ غماز افکنم

ہر قدر کز حسرت آم در دہن گردد ہی  
ہم ز استغنا بروی بخت ناساز افکنم

مردم از حسرت کی ، هنگام آن آمد کہ باز  
رستخیزے در دل از خون کرد و بگداز افکنم

ہمزبانم یا ظہوری مطلعے کو تا ز شوق  
با جیس در نیالہ آوازے بر آواز افکنم

نامہ بر گم شد ، در آتش نامہ را باز افکنم  
چون کیوتر بست ، طاووسے بہ پرواز افکنم

از نیک جان در تن طرزِ نکویان کردہ ام  
زین سہر در سفیر دعوی شوراعجاز افکنم

رنجہ دارد صورت اندیشہ یاران مرا  
بفت من کائنۃ خود را ز برداز افکنم

ترکیب صحبت کردم و در بند تکمیلِ خودم  
نغمہ ام جان گشت ، خواہم در تن ساز افکنم

تا زدود اعلیٰ نظر چشمے تواند آب داد  
رخنہ در دیوار آتشخانہ واز افکنم

بگسلم بند و دہم اوراقِ دیوان را بہ باد  
خیلِ طوطی اندوین گلشن بہ پرواز افکنم

غالب از آب و هوای هند بسمل گشت نطق  
خیز تا خود را به اسقاعان و شیراز افکنم

(قبل از ۲۹ ستمبر ۱۸۳۷ء/۲۸ جمادی الثانی  
۱۲۵۳ء)

﴿م ۲۷﴾

درد ناسازاست و درمان نیز ہم  
دھر ہے پروا و یزدان نیز ہم  
اجیر ایمان، سودِ دانش گو سده  
آنکہ دانش داد و ایمان نیز ہم  
شہ ز بزمِ گھر برآند، غم کراست  
فراقِ ہم از ننگِ حیرمان نیز ہم  
طاعتِ می نگذرد اندر خمیر  
نیست بانی ذوقِ عصیان نیز ہم  
عشق و آنکہ استعاراتِ دروغ  
اے دژم زخم و نمکدان نیز ہم  
من کہ ہر دم ہے اجل میرم ہی  
می توانم زیست ہے جان نیز ہم

رفته است از دل نشاطِ یزمِ باغ  
و آن هوایِ ابر و باران نیز هم  
خاشی تنها نه جان را می‌گذرد  
این نواهایِ بریشان نیز هم  
آنکه ندارند حافظِ بوده است  
غالب آشفته بود آن نیز هم

(این ۹۱۸۶۱/۱۰۷۷۰۸۷ و اواسط  
۵۱۸۶۷/ثلث اول ۱۲۸۳هـ)

\*\*\*۲۷۵\*\*\*

آسمانِ بلند را می‌رم  
ابر که‌هی‌برند را می‌رم  
می‌فریبند مرا به بازیچه  
دلِ زار و نژند را می‌رم  
شوری اشک در نظر خوارست  
تلیخی زهر خند را می‌رم  
شعنه مدحِ حضرتِ اعلاست  
می‌خنی دل‌سپند را می‌رم

سرِ راعش نشستیم عوس است  
 خاکِ پایِ سمند را میرم  
 ره نشینِ ویم ، زه تو غیر  
 طالعِ ارجمند را میرم  
 جذبِ الفتِ یسویِ وے کشدم  
 این نو آئینِ کمند را میرم  
 میگند رخنه در جگر غمِ حجر  
 این جگر در کلد را میرم  
 شاعرم ، مشیم ، ظریف و شریف  
 این اضافاتِ چند را میرم  
 وایه جوید ز حضرتِ اعلیٰ  
 غالبِ مستمند را میرم

﴿۲۷۶﴾

اے ز ساز زنجیرم در جنون نواگوں کن  
 چند گر بدین ذوق است، بارہ گران تر کن  
 فیضِ عیشِ نو روزی جاودانہ خوش باشد  
 روزِ سن ز تاریکی یا شبم برای کن  
 ز آنچه دل ز ہم باشد، لب چہ طرف پریند  
 یا مجالِ گفتن ده یا نگفتہ باور کن  
 در رسائی سحرم عقدہ ہا برآیے زن  
 در روانی کارم فتنہ ہا شناور کن  
 اے کہ از تو می آید خسی شروشان کردن  
 زخم را ز خونابش بخیدہا برآدر کن  
 خویِ سرکشم دادی، عجزِ رشک نہستم  
 سینہ من از گرمی تابہ سمندر کن  
 'کن'، بہاری گشتی، سازِ مدعا کردم  
 ہم بہ خویش در تازی گفتہ را مکرر کن  
 زین درونہ کاویہا گوہرم بہ کف نامد  
 خدمتے معین شد، اجرتے مقرر کن  
 از درون روانم را دوسہای خویش آور  
 وز برون زانم را شکوہ سچ اختر کن  
 بہشتی خداوندی گر فراخور ظریف است  
 ہم بہ ہوش نیشی ده، ہم بہ می توانگر کن



بهر خویشتن غالب هستی تراشیده‌ست  
 قهرمانِ وحدت را در میان داور کن

(قبل از ۲۹ - شهریور ۱۲۸۳/۵۱ - جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳ هـ)

### ++۲۷۷++

ها پری شویوه غزالان و ز مردم رم شان  
 دل مردم بخت طره خیم در خیم شان  
 کافراند جهان جوی که هرگز نبود  
 طره حور دلاویز تر از پرچم شان  
 آشکارا گش و بدنام و نکونامی جوی  
 آه ازین طائفه و آنکس که بود محرم شان  
 رنک بر تن نه سنهار و وادی دارم  
 نه بر آسوده دلان حرم و زرم شان  
 بگذر از خسته دلان که ندانی ، هشدار  
 خستگاند که داری و نداری غم شان  
 داغ خون گرمی این چاره گرانم ، گوئی  
 آتش است آتش ، اگر بنه و گر مرهم شان

اے کہ رانیدی سخن از نکتہ سربانی عجم  
 چہ بہما منتِ بسیارِ نہیں از کمِ شان  
 ہند را خوش تفساتند سخنور کہ بود  
 یاد در خلوتِ شان شکلشان از دمِ شان  
 مومن و نیر و صہبائی و علوی و انگہ  
 حسرتی اشرف و آزرده بود اعظمِ شان  
 غالب سوختہ جان گرچہ نیرزد بہ شمار  
 هست در بزمِ سخن ہمنفس و ہمدمِ شان

(بین ۱۸۳۲ء/۱۲۵۶ھ و ۱۸۳۵ء/۱۲۶۱ھ)

﴿۲۷۸﴾

جنونِ مستم بہ فصلِ نو بہارم میتوان کشتی  
 سراخی بر کف و گل در کنارم میتوان کشتی  
 گرفتہم کے بہ شرحِ ناز دارم میتوان کشتی  
 بہ فتوایِ دلِ امیدوارم میتوان کشتی  
 بہ جرمِ اینکه درستی بہ پایانِ بردہام عمرے  
 بہ کویِ میفرشان در خارم میتوان کشتی  
 بہ ہجرانِ زینتی کفرانہ خونم را دیت نبود  
 چراغِ محکام، آشکارم میتوان کشتی

نفاقِ لہایِ یارم زنده دارد ورقہ در بزمش  
 ہمچو گریبہ ہے اختیارم میتوان کشتن  
 جفا ہرچون منے کم کن کہ گرو کشتن ہوس باشد  
 بدخویِ مزدہ ہوس و کنارم میتوان کشتن  
 یا ہر خاکِ من گر خود گُل افشانی روا نبود  
 بہ یادِ دامنے شمعِ مزارم میتوان کشتن  
 منت معذور دارم، لیکن، اے نامہ پران، آخر  
 بدین جان و دلِ آمیدوارم میتوان کشتن  
 ہمخوئیِ من اگر لنگست دست و خنجر آلودن  
 نویدِ وعدہ، کز انتظارم میتوان کشتن  
 خدا یا از عزیزان منتِ شیون کہ برتابد؟  
 جدا از خانمان دور از دیارم میتوان کشتن  
 بس از مردن اگر بہر من آسایش گمان داری  
 سرت گردم، بہ قصدِ ہج خمارم میتوان کشتن  
 گرفتہ یار باشد ہے نیاز از گشتنم غالب  
 بہ دودِ ہے نیازِ بہایِ یارم میتوان کشتن

(قبل از ۱۸۲۹ء/۱۲۳۳-۳۴ھ)

بیت ۱۰: از شویں منت یکہ نالہ می باید  
 کشید آخر، بجایِ سمرِ آجِ اول (گر و غنا)؛

اصلاحِ دوسال ۱۸۳۸ء/۱۲۴۳ھ

ایہات ۱۸۴۳ء: اضافۃ سال ۱۸۳۸ء/۱۲۵۳ھ

۲۷۹

زلف باغ و بهار جان نشانیان  
 غمت چشم و چراغ راز دانان  
 به صورت استاد دلقربان  
 به معنی قبطه نا سهربانان  
 چمن کوی ترا از ره نشینان  
 حقن سویی ترا از بادخوانان  
 بلایت چهره با ستکینه مویان  
 ادایت چهره بر نازک میانان  
 غمت را پختیان ز تار پندان  
 گشت را عندلیبان بیدخوانان  
 وصال جان نوانا ساز پیران  
 خیالت خاطر آشوب جوانان  
 دل دانش فریبیت را به گردن  
 و بال رونق جادو بیانان  
 غم دوزخ نصیبت را به دامن  
 گداز زهره آتش زبانان  
 میانت بای لعلی موشکانان  
 دهانت چشم بشد نکته دانان  
 دل از داغست بساط گلغروندان  
 تن از زخمست ردای باغبانان

سنگ کوی ترا در کاسه لیلی  
 لب پر دهوی شیرین بیان  
 سر راو ترا در خاک رویی  
 نسیم پرچم گیتی ستان  
 به بهشتیانی لعل تو آمد  
 قوی همچون تبار سخت جانان  
 به بالا دستی نفوتو عصیان  
 زبون همچون نشست ناتوانان  
 ز ناحق گشتگان راضی به جانت  
 که غالب هم یکر باشد از آنان

(قبل از ۲۰۰۷ میلادی/۱۳۸۶ هجری قمری/جمادی الثانی  
۱۳۸۳ هجری قمری)

◆ ◆ ◆ ◆ ◆

طاق شد طاعت ز عشت بر کران خواهم شدن  
سپریان شوه ورنه بر خود سپریان خواهم شدن  
خار و خسی هر که در آتش سوخته آتش میشود  
مردم از ذوق لب چندان که جان خواهم شدن  
در تب اند از تاب و شکی طاعت نظر اوم  
خوش یاه کاسش بهشت دشمنان خواهم شدن

معو گشتم در تغافل بر نتایم انقذات  
 گر به چشم جا دمی خوابِ گران خواهم شدن  
 آیم از سرمِ ولا و از خودم با در گِلست  
 نانه پنداری که از کویت روان خواهم شدن  
 بیشِ خود بسیارم و بسیار مشتاقِ توام  
 تا کجا صرفِ گدازِ امتحان خواهم شدن  
 گرم باد از نغمه بزمِ دعوتِ پالِ هُما  
 سازِ آوازِ شکستِ استخوانِ خواهم شدن  
 با هوسِ خویشست حُسن و از وفا بیگانه است  
 میجر کم گن، ورنه بر خود بد گمان خواهم شدن  
 بسکه فکرِ معنیِ نازک همی کاهد مرا  
 شاهدِ اندیشه را رویِ میانِ خواهم شدن  
 لُفتِ زخمِ جو خونِ غالبِ در اعضا میدود  
 رنجِ اگر اینست راحت را ضمانِ خواهم شدن

++(۲۸۱)++

دل زان مؤه تیز بیک بار کشیدن  
 دامن به درستی بود از خار کشیدن  
 دارم سر این رشته بداتسان که ز دهرم  
 نا کعبه توان برد به زتار کشیدن  
 در خلد ز شادی چه رود بر حرم آها  
 چون کم نشود باده ز بسیار کشیدن  
 حق گویم و نادان به زبانم دهد آزار  
 یا رب، چه شد آن قوی بردار کشیدن  
 گنجینه حسن است طلسمی که کسی از وی  
 چون غله نیارد گهر از تار کشیدن  
 ز آسایشی دل گرچه مراد می دگوم نیست  
 بار می نفسی چند به هتجار کشیدن  
 از بس که دلاویز بود جاده راهش  
 زحمت دهم پای ز ولتار کشیدن  
 از مطلع تابنده نسیم بهاره لعلی  
 در رشته دم گوهر شهوار کشیدن  
 دریاب که با این همه آزار کشیدن  
 لب میگویم از کار به زتهار کشیدن  
 جان دادم و دادم که پس از من ز که خواهی  
 خجلت زگر انجانی الهیار کشیدن

مشتاقِ قبولم من و دل تاب نیارد  
 آرے ز لبِ نازکِ دلدار کشیدن  
 من کانِ زنباریِ شام، بمن ارزد  
 مے در رمضان بر سرِ بازار کشیدن  
 فرجامِ سخن کوئی غالب بد تو گویم  
 خونِ جگر است از رگِ گفتار کشیدن

(بین ۲۹ ستمبر ۱۸۳۷ء/۲۸ جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳ء و ۲۱ جنوری ۱۸۳۸ء/  
 ۲۳ شوال ۱۲۵۳ء)

++(۲۸۲)++

شکِ سخنم چیست نہ شبِ دوست این  
 تخیلِ سر جوشِ گدازِ نفسیت این  
 اے نالہ جگر در شکنِ دامِ میفشان  
 سربایہ آرایشِ چاکِ نفسیت این  
 مسمم، بہ کنارِ خز و ن زنی کہ درین وقت  
 ہرگز نشناسم کہ چہ بود و چہ قسمت این  
 واعظِ سخن از توبہ مگو، اینکہ ہی از مے  
 دست و دھنی آب کشیدیم، ہست این  
 تقویٰ اثرے چند بہ عریِ دگرمتش  
 نازم می یغش چہ ہلا زودرست این



باغیر نشانی و بما نیز نیرزی  
 نیک آن گل و خار آمد و نیرین و خست این  
 لب بر لب دلبر نهم و جان بیمار  
 ترکیم بکے کردن صد ملتفت این  
 شوقست ز خواہاندن جہازہ بہ منزل  
 اما نہ بہدسازی بانگِ چرست این  
 داغ دل غالب بہدوا چاہ بہدیرست  
 این را چہ گنم چارہ کہ مشکین نفسست این

(قبل از ۲۹ ستمبر ۱۸۳۷ء/ ۲۸ جمادی الثانی  
 ۱۲۵۲ھ)

++۴۲۸۳++

ہسکہ لبریزاست ز آئینہ نو سرنہای من  
 نالہ میروید چو خارِ مہمی از اعضای من  
 مستِ دردم ساز و برگِ اعتاشم نالہ است  
 بے شکستن بر نیاید بادہ از مینای من  
 فصلی از باب شکستِ رنگ انشا کردہ ام  
 میتوان را ز دروتم خواند از سیمای من  
 رقم از کار و همان در فکرِ مہرا گردیم  
 جوہرِ آئینہ زانوست خارِ بای من

دانمش در انتظار غیر و نالیم زار زار  
 وای من، گر رفته باشد خواهش از غوغای من  
 بسکه هاسون از تب و تاهم سراسر آتشت  
 به هوا چون دود لرزد سایه در صحرای من  
 زلف می آراید و از ناز پادم می کنند  
 در خم آن طره خالی دیده باشد جای من  
 خاطرم نت پذیر و خوی نازک داده  
 گر بخشی شرمسارم، ورنه بخشی وای من  
 مدنی ضبط شرر کردم به پاس غم، ولی  
 خون چکیدن دارد اکنون از رگِ خارای من  
 در هجوم ظلمت از بس خویش را گم می کند  
 قطره در دریاست کوئی سایه در شبهای من  
 حسن لفظ و معنی، غالب، گواه ناطق است  
 بر عیار کاسی نفسی من و آهای من

دانمش در انتظار غیر و نالیم زار زار  
 وای من، گر رفته باشد خواهش از غوغای من  
 بسکه هاسون از تب و تاهم سراسر آتشت  
 به هوا چون دود لرزد سایه در صحرای من  
 زلف می آراید و از ناز پادم می کنند  
 در خم آن طره خالی دیده باشد جای من  
 خاطره منت پذیر و خوی نازک داده  
 گر بخشی شرمسارم، ورنه بخشی وای من  
 مدتی ضبط شرر کردم به پاس غم، ولی  
 خون چکیدن دارد اکنون از رگِ خارای من  
 در هجوم ظلمت از بس خویش را گم می کند  
 قطره در دریاست گویی سایه در شبهای من  
 حسن لفظ و معنی، غالب، گواه ناطق است  
 بر عیار کاسی نفسی من و آهای من

غالب از هندوستان بگریز، فرصت سفتِ تست  
در نجاتِ مُردنِ خوشست و در حقایقِ زینت

(قبل از ۱۸۲۹/۳۵-۱۲۳۳)

بیت ۹: انشائیۀ ۱۸۳۸/۴۵۴

حذف در سال ۱۸۳۸:

نیست گر بزمِ نشاطِ جانِ بیابانِ گردیده  
ناشِ گویم یا تو بے هنگامه نتوان زینت

۴۵۴/۲۸۵

چیت به لب خنده از عتاب شکستن  
رونی بروین ز آفتاب شکستن  
گر نه ورقِ راست ز انتخاب شکستن  
چیت به رخ طُرفِ آن نقاب شکستن  
عازه بر آن رویِ تاهناک افزودن  
رونی بازارِ آفتاب شکستن  
نشانه بر آن طُرهٔ سیاه کشیدن  
قیمتِ کالایِ مشکِ نقاب شکستن  
جوشِ سرمستیم ز برقِ بسند  
نیشتِ اندرِ رگِ سحاب شکستن  
نیک بود، گر به حکمِ حوصله باند  
جام به پایِ خُمِ شراب شکستن

شغل ندارد فراقِ مانی و سطرلاب  
 جز قلع و برهط و رباب شکستن  
 قطع می‌است اشپ از کجا که نخواهم  
 همیشه خالی به‌روختِ خواب شکستن  
 تیغِ تو نازد به‌سرفشانی عاشق  
 موجِ همی‌بالد از هباب شکستن  
 چیست دم وصل جان ز ذوق سپردن  
 تشنه لبی را سیو درآب شکستن  
 از گلِ رویِ تو باغِ باغِ شگفتن  
 وز خمِ سوییِ تو فتحیاب شکستن  
 طره‌سپارا به‌رغمِ خواهشیِ غالب  
 چیست دلش را به‌پیچ و تاب شکستن

(قبل از ۲۹ شهریور ۱۲۸۳/۶ جمادی‌الثانی)

(۱۲۵۳)

﴿۲۸۶﴾

خیره کند مرد را سپرِ درم داشتن  
 حیف ز هنجونِ خودی چشمِ کرم داشتن  
 وای ز دلِ مُردگی خویِ بد انگیزن  
 آه ز افسردگی رویِ دژم داشتن  
 راز بر انداختن از رویِ ساختن  
 دیده و دل با حقن پشت و شکم داشتن  
 جوهرِ ایمان ز دل پاک هوا روغن  
 گردی ازان در خیال بهر قسم داشتن  
 تازگیِ شوق چیست رنگِ طرب ریختن  
 چهره ز خونابه چشم رشکِ ارم داشتن  
 با همه اشکستگی دم ز درستی زدن  
 با همه دلخستگی تابِ ستم داشتن  
 در خمِ دامِ بلا مالِ فشان زیستن  
 با سرِ زلفِ دوتا عریده هم داشتن  
 دل چو به جوش آمده، عذوبِ بلا خواستن  
 جان چو بیاسایده، شگوه زغم داشتن  
 بهر لریب از ریا دامِ تواضع معین  
 دل نرباید همی تیغِ زخم داشتن  
 نقشی بی و لشکان جاده بود در جهان  
 هم که رود، بایدش پایِ قدم داشتن

با نگو خویشتن چه سره نیارست شد  
 عشوه دهد، گر حیاست، زاینده رم داشتن  
 اشک چنان بے اثر، ناله چنین نالوا  
 دینه و دل را سزد ماتم هم داشتن  
 خجلت کردار زشت گشته به عاصی بهشت  
 باج ز کوثر گرفت جبهه ز نم داشتن  
 گریه ام از یکسختی، یو که درین بیج و تاب  
 تن بهروانی دهد نامه ز نم داشتن  
 غالب آواز نیست گرچه به بخشش سزا  
 خوش بود از چون توئی چشم کرم داشتن

(قبل از ۲۹ شهریور ۱۲۸۳/۶ جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳ هـ)

++(۲۸۷)++

چه غم، ار به جد گرفتن زمن احتراز کردن  
 نتوان گرفت از من به گذشته ناز کردن  
 نکت به موشکافی ز قریب رم نخوردن  
 نسیم به دام بانی ز سخن دواز کردن  
 تو و در کنار شوقم گره از جبین کشودن  
 من و یروغ دو عالم در دل نواز کردن

سزه را ز خونفشانی به دلست همزبانی  
 که شماردم به دامن ستم گداز کردن  
 به نوردِ پاسِ رازت خجل از عیارِ خویشم  
 که زبرده ریخت بیرون غم ناله ساز کردن  
 ز غم تو بادشرمم که چه سایه شوخ چشمت  
 ز شکست رنگ بر رخ درخشد باز کردن  
 تقسم گداخت شوق، ستم است گر تو دانی  
 که ز تپ ناله خون شده، نه ز پاسِ راز کردن  
 به فشارِ رشکِ بزم نه چنان گداخت گلشن  
 که میانۀ گل و سل رسد امتیاز کردن  
 رخ گل ز غمازه کاری به نگاه بنده آئین  
 نرسد به حس شکایت ز چمن طراز کردن  
 همه تن ز شوق چشم که چو دل فشانده گردد  
 به سرشک سایه بغم ز جگر گداز کردن  
 هله تازه گشته، غالب، روش نظیری از تو  
 سزد اینچنین غزل را به سفینه ناز کردن



++(۲۸۸)++

چون شمع رود شب همه شب دود ز سرمان  
 زین گونه کرا روز به سر رفت مگرمان  
 آدر پیستم و رخ از شعله نمایم  
 ای خوانده به سوی خود ازین راهگذرمان  
 در عشق تو ضرب المثل را هروانیم  
 بگذار بره خفته و از بیشه مبرمان  
 از بے خردی کوی تو خلد شمر دیم  
 چو لست که در کوی تو ره نیست دگرمان  
 مسیم ، یا تن زن و لب بر لب ما نه  
 حاشا که بود نرفته لب ز شکرمان  
 طول شب هجران بود اندر حق ما خاص  
 از همنفسان کسی نشاند به مبرمان  
 بے وجه بے آنفته و خواریم بدما  
 در میکنده از ما نستانده اگرمان  
 از آرزو ما بے هنران مانند شگفتی  
 در بندیم انداخته گردون به هنرمان  
 چون نازگی حوصله خویش نداند  
 داد که بود ناله به امید اثرمان

غالب چه زبان، ناله اگر گرمروی کرد  
سوزے بہ دل اندرونہ و دالمے بہ جگرمان

(بین ۵۱۸۳۲/۵۱۸۳۷ و ۵۱۸۳۵/۵۱۸۳۶)

++<۲۸۹>++

خجل ز راستی خویش میتوان کردن  
ستم بہ جان کج اندیش میتوان کردن  
چو مژد سعی دهم، مژدہ سکون خواهد  
زیوسہ پا بہ دوت ریش میتوان کردن  
دگر بہ پیش روی، اے گل، چہ ہد بہ خواہی برد  
مگر بہ گدیہ کفے بیتن میتوان کردن  
تو جمع باش کہ ما را درین پریشانی  
شکافے ست کہ باخویش میتوان کردن  
سر از حجاب تعین اگر بروی آید  
چہ جلوہ ها کہ بہ هر کیش میتوان کردن  
بہ هر کہ نوبت ساغر نمی رسد ساقی  
خراب گردش چشمیش میتوان کردن  
خرام ناز تو با صحن گلستان دارد  
رعایتی کہ بہ درویش میتوان کردن

اگر به قدر وفا میکنی چنان حیف است  
 بهر گری من که ازین بیش میتوان کردن  
 کس بجو که مرا و مرا درین سفر غالب  
 گواه یکسوی خویش میتوان کردن

(قبل از ۹ بهمن ۱۲۵۳ هـ / ۲۸ جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳ هـ)

\*\*\*۲۹۰\*\*\*

حیف است قتلگه ز گلستان شناختن  
 شاخ از خندک و غنچه ز پیکان شناختن  
 لب دوختم ز شکوه، ز خود فارغم شرد  
 شناختن قدر پرستی پنهان شناختن  
 از شیوه‌های خاطر مشکل پسند کیست  
 کشتن به جرم درد ز درسان شناختن  
 از بیکرت بساط صفای خیال یافت  
 وصل تو از فراق تو نتوان شناختن  
 نازم دماغ ناز، ندانی ز سادت  
 کشتن به ظلم و کشته احسان شناختن  
 یاد آیدم به وصل تو در صحن گلستان  
 آن جلوه گل آتشی سوزان شناختن

خاکِ به رویِ تابه نشاندیم مِلّتِ نِست  
 ناخوانده صابحه حال ز عنوان شناختن  
 ما نِیم و ذوقِ سجده، چه سجده، چه بنگد  
 در عشق نیست کفر ز ایمان شناختن  
 مینا شکنجه و می گلفام ریخته  
 محرم هنوز در گُل و ریحان شناختن  
 لبت دلم به دامن و چاکِ غم به جیب  
 اینک سزای جیب ز دامن شناختن  
 بگذاخت بسکه از اثرِ تابِ رویِ تو  
 سحر از شفق به کویِ تو نتوان شناختن  
 غالب به قدرِ حوصله باشد کلامِ مرد  
 باید ز حرفِ نیلِ حریفان شناختن

(قبل از ۲۹ شهریور ۱۲۸۳/۵ هجری قمری)

(۱۲۵۳ هـ)

++(۲۹۱)++

به خونم دست و تیغ آلود جانان  
 بد آموزان و کسلی بی ژباتان  
 چه گویم در سپاس بیگسیها  
 ز ما سهریان سهریانان  
 گر از خود خوشترے ستجدہ باشند  
 نواز شہاست با این بدگمانان  
 لغاتنا میگساران دجلہ نوسان  
 دریغا ساقیان اندازہ دنان  
 بہار آید بہ میرت گاہ نازشی  
 ز بوی گل نفسی بر و نشان  
 دم مردن بہ دشکم تنگ گیرد  
 فراخچہای عیشی سخت جانان  
 گلے بر گوشہ دستار داری  
 خوشا سخت بلندہ باغبانان  
 شمت خونخوار و دلہا بی بقاعت  
 دریغا آبسروی سیزبانان  
 گذشت از دل ، ولے نگذشت از دل  
 خدنگب غمزہ زورین کمانان  
 نواہی شوق خواہ از بی نوان  
 نشان دوست جوی از بی نشان



آنکه صور ناله از شور نفس سوزون دسید  
 کاش دیدے کاین نشید شوق فن خواهد شدن  
 کاش سنجیدے کہ بہر قتل معنی یک قلم  
 جلوہ کلک و رقم دار و رسن خواهد شدن  
 چشم کور آئینہ دھری بد کف خواهد گرفت  
 دست شل مشاطہ زلف سخن خواهد شدن  
 شاہد مضمون کہ اینک شہری جان و دلست  
 روستا آوارہ کام و دهن خواهد شدن  
 زاج واع اندر هوای نقشہ ہال و پر زنان  
 ہمنوای پردہ ستجانی چمن خواهد شدن  
 شادہاش، اے دل درین محفل کہ ہر جا نقبہ است  
 شیون رفیع لراقی جان و تن خواهد شدن  
 ہم فروغ شمع ہستی تیر کی خواهد گزید  
 ہم ہساط ہزم مستی ہر شکن خواهد شدن  
 از تب و تاب فنا یکبارہ چون مشتے سیند  
 ہر یکے گرم و داغ خویشتن خواهد شدن  
 حسن را از جلوہ نازش نفسی خواهد گذاشت  
 نقبہ را از پردہ سازش کفن خواهد شدن  
 دھری بے پروا عیار شیوہا خواهد گرفت  
 داوری خون در نہاد ما و من خواهد شدن  
 پردہ ہا از روی کار ہمدگر خواهد فتاد  
 خلوت گیر و مسلحان انجمن خواهد شدن

هم به فرقی خاکِ حرمِ ابد خواهد ریخت  
 سرگیم این بستون را کوهکن خواهد شدن  
 گردِ بتدار وجود از رهگذر خواهد نشست  
 بحرِ توحیدِ عیانی موجزن خواهد شدن  
 در نه هر حرف، غالب، چیدهام میخانه  
 تا ز دیوانم که سرست سخن خواهد شدن؟

(قبل از ۲۹ خرداد ۱۳۲۷/۲۸ جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳ هـ)

### ++۲۹۳++

سروشک افتابی چشم ترش بین  
 شبه خویان و گنج گوهرش بین  
 ادای دلستانی رفته از یاد  
 هوای جانفشانی در سرش بین  
 به دشت آورده رُو سیلت گوئی  
 روا رُو در گدایانِ درش بین  
 صفای تن فزون تر کرده رسوا  
 دل از اندیشه لِرزانِ درش بین  
 بجا مانده عتاب و غمزه و ناز  
 متاع ناروای کشورش بین



رقیب از کوچه گردی آبرو یافت  
 به کوی دوست دشمن رهبرش  
 ز من آئین غمخواری پسندیده  
 به عیبا جای من بر برترش  
 گذشت آن کز غم ما یخبر بود  
 به خویش از خویش بی پروا ترش  
 مه نو کرده کاهشی ، پیکرش را  
 به چشم کم همان مه پیکرش  
 چکد در سجده خون از چشم مستش  
 گدازشهای نفسی کافرش  
 گر از غم بر لبش جا کرد ، شمع نیست  
 زجان تن زن لب جان پرورش  
 خداوندش به خون ما بگیراد  
 به بیتابی نگه بر حنجرش  
 به رسم چاره جوئی بیستی غالب  
 شکایت منیچ چرخ و اخضرش

۴۴۲۹

حق که حقیقت سمیعت، فلانی بشنو  
 بشنو گریه تو خداوند جهانی  
 لن ترانی به جوابِ اپنی چند و چرا  
 من نه اینم بشناس و توله آنی  
 سویی خود خوان و به خلوت گیه خام جاده  
 آنچه دانی بشمار، آنچه ندانی  
 برده چند به آهنگِ نکمیا برای  
 غزلِ چند به عنجاریِ فغانی  
 لخته آینه برآینه و صورت بشکو  
 باره گوش به من دار و معانی  
 هر چه سنجم به تو ز اندیشه پیری بپذیر  
 هر چه گویم به تو از عیشِ جوانی  
 داستانِ سن و بیداریِ شبهایِ فراق  
 نا محسوسی و به پاسم نتشانی  
 چاره جو نیستم و نیز فزولی نکتم  
 من و اندوه تو، چندانکه توانی  
 زینکه دیدی به جبینم، طلبِ رحم خطاست  
 سخنی چند ز غمهایِ نهانی

نامہ در نیمہ رہ بود کہ غالب جان داد  
ورق از ہم در و این مؤدہ زبانی بشنو

(قبل از ۲۹۵۳ شمیر ۱۳۳۲/۱۱/۲ جمادی الثانی  
۱۲۵۳ھ)

### ++۲۹۵++

عرضِ خود بُرد کہ رسوائی ما خیزد ازو  
فتنہ خوئی است ندانم چہ بلا خیزد ازو  
ما ازین بے ادبی تیر تو المیزون گردد  
گلہ ما زبے است کہ آہنگ دعا خیزد ازو  
نم اشکے جو بہ خاکم بفتانی از سپر  
خاک بالہ بہ خود و سپر گیا خیزد ازو  
پیش ما دوزخ جاوید بہشت است بہشت  
باد آباد دیارے کہ وفا خیزد ازو  
بے نوائان تو دردِ سرِ دعوی ندهند  
بشکند ساز و قائم کہ صدا خیزد ازو  
دل بہ باران چہ رہ آوردِ سفرِ غرض کند  
مگر آہ کہ ز جوہِ وفا خیزد ازو

نچہد زیرِ سرانگشتِ تو نبضم کہ مرا  
 نیست دردے کہ تمنایِ دوا خیزد ازو  
 بہشام کہ رسد نکبتِ زلفِ مہیہ  
 کہ ہمہ بخودیِ بادِ صبا خیزد ازو؟  
 ہوسہ بعد از طلبِ ہوسہ نبخشد لذت  
 چون جوابے کہ بہ اندازِ حیا خیزد ازو  
 محبوبِ السون گیر نازیم کہ او را با ما  
 دور ہائے ست کہ آہنگِ یا خیزد ازو  
 دیگر امروز بہا بر سرِ جنگ آمدہ است  
 بہ ادائے کہ ہمہ صلح و صفا خیزد ازو  
 بغیلِ گلشنِ عشق آمدہ غالب زازل  
 حیف گر زمزمۂ مدح و ثناء خیزد ازو

۲۹۶

گوئی به من کسیکه ز دشمن رسیده محو  
 آن سیر زالیست بی تدخمیده کو  
 یادت نکرده خصم به عنوان به لفظ دوست  
 آن نامه نخوانده ز صد جا دریده کو  
 رعنا دلت به دختر همسایه بند نیست  
 آن سدرخ به گوشه ایوان خیزیده کو  
 دوشینه گل به بستر و بالین نداشتی  
 آن برگ گل که در تن نازک خلیده کو  
 کس داوری نبرده ز جور و به دادگاه  
 آن بے گنه که شاه ز باغش بریده کو  
 گوئی به شعله گوی که کس را نگشته ایم  
 آن نعلی نه سوخته ز آتش کشیده کو  
 گوئی خمش شوی، چو ز کویم بدر روی  
 آن دل که جز به ناله به هیچ آوریده کو  
 گوئی دمی ز گریه خونین بهما بر آر  
 آن مایه خون که سر دهم از دل به دیده کو

بشنو که غالب از تو رسید و به کعبه رفت  
گفتی شگفتی که بود ناشنیده کو

(بین ۲۹ منبر ۱۸۳۷/۲۸ جمادی الثانی)

۱۲۵۳ هـ و ۲۱ جنوری ۱۸۳۸/

۲۳ شوال ۱۲۵۳ هـ)

﴿۲۹۷﴾

بالم به خویش بسکه به بند کمید تو  
مردم گمان کنند که تنگم به بند تو  
آزادیم نخواهی و ترسم کزین نشاط  
بالم بخود، چنانکه نگنجم به بند تو  
نز خویش ناسپاسی و نر سایه در هراس  
گوئی رسیدم به دل درد منید تو  
دلچ لطافت همت آسان گذار ما  
قهر خداست خاطر مشکلی پسند تو  
از ما چه دیده که به ما از گذار دل  
همچون شکر در آب بود نوشخند تو  
ای مرگ، مرجا، چه گرانمایه دلبری!  
چشم به از تو دور نکویان پسند تو

اے کعبہ ، چون من از دلِ بار اوفتاده است  
 این بت کہ اوفتاده ز طاقِ بندِ تو  
 در رهگذر بد پرشی ما گر کشی، چه باک  
 آخر شراب نیست عنانِ سمندِ تو  
 آن کز تو دل ربوده ندانم کہ بوده است  
 یا رب کہ دور باد ز جانش گزندِ تو  
 هر گونه رنج کز تو در اندیشه داشتم  
 هم با تو در مباحثه گفتم به بندِ تو  
 غالب، سپاس گوی کہ ما از زبانِ دوست  
 می بشنویم شکوہِ بختِ نژادِ تو

(قبل از ۲۹ ستمبر ۱۸۵۳ء/ ۲۸ جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳ء)

\*\*\*۲۹۸\*\*\*

کسناخ گشتہ ایم، غروبِ جمالِ مگو  
 بیچندہ ایم سر ز وفا، گوشمالِ مگو  
 تاکے فریبِ حلم، خدا را، خدا نہ  
 آن خوبیِ خشکیں و ادایِ ملالِ مگو  
 برگشتہ ام ز سہر و لمی گیریم بہ قہر  
 دارم دوسد جواب، ولے یک سوالِ مگو

یا می گسست صحبت و یا می افزود ربط  
 لیکن مرا بلال و ترا انفعال مگو  
 خواهی که بر فروزی و سوژی درنگ چیست  
 خواهم که نیز سویی تو بیم، مجال مگو  
 گر گفته ایم گشتن و بستن به ما بخند  
 سارا تدارک به سزا در خیال مگو  
 داغم ز رشک شوکتِ صفای، ولی چه سود  
 آن دستگاه طاعتِ هفتاد سال مگو  
 من بوسه جوی و تو به سخن دارم نگاه  
 لب تشنه یا کهر چه شکید، زلال مگو  
 دل فتنه جوی و فرست تکمیلِ عشق نیست  
 هنگامه سازی هوس زود یال مگو  
 لب تا جگر ز تشنگم سوخت در تموز  
 صای شراب غوره و جام سفال مگو  
 در باد طهور شمع محتسب کجا  
 در عیش خلد لعلتِ بیم زوال مگو  
 غالب، بهر کم ز ظهوری نیم، ولی  
 عادل شیخ سخن رسی در میانوال مگو



﴿۲۹۹﴾

دولت به غلط نبود ، از سنی پشیمان شو  
 کافر نتوانی شد ، ناچار مسلمان شو  
 از عرزه روان گشتن قلمز نتوان گشتن  
 جوئی به خیابان رو ، سیلی به پیاپی شو  
 هم خانه به سامان به ، هم جلوه فراوان به  
 در کعبه اقامت گن ، در بتکده سہمان شو  
 آوازۂ معنی را بر سازِ دہستان زن  
 ہنگامۂ صورت را باز بچہ طلاقن شو  
 افسانۂ شادی را یکسر خطِ بطلان کش  
 شناسۂ ماتم را آرایشِ عنوان شو  
 گر چرخ فلک گردی ، سر بر خطِ فرمان نہ  
 ور گوی زمین باشی ، وقفِ خمِ چوگان شو  
 آورده شمعِ عظیم در بندگی ایزد  
 اے داغ بہ دل در رو و ز جہم نہایان شو  
 در بندِ شکیبائی مردم ز جگر خائی  
 اے حوصلہ تنگی کن ، اے غصہ فراوان شو  
 سرمایہ کرامت مکن ، وانگاہ بہ غارت بر  
 بر خرمنی ما برے ، بر مزرعہ یاران شو

جان داد به غم غالب، خشنودی روحی را  
در بزم عزایم کشی، در نوحه غزلخوان شو

(قبل از ۹۰ - سپتامبر ۱۸۸۳/۲۸ جمادی الثانی  
۱۲۵۳ هـ)

### \*\*\*۳۰\*\*\*

عده، من عاشقی ذاتم، تنه نا ها یا هو  
ناظرِ حسنی صفااتم، تنه نا ها یا هو  
موسی ۳ و خصرِ نماندنی تجلی بر طور  
من نه در بندِ جفااتم، تنه نا ها یا هو  
شرر آتشی رخشنده عشقم که یکیت  
دم میلاد و ولاتم، تنه نا ها یا هو  
ظلمتِ کفر، مبین، روشنی طبع تگر  
چشمه آبِ حیاتم، تنه نا ها یا هو  
فنی تحریرِ بدین نازد و من لاریخ ازان  
مرحیج کلک و دواتم، تنه نا ها یا هو  
بر درِ دوست همی بپایه خاتم که مباد  
ونجد از صبر و ثباتم، تنه نا ها یا هو  
پرورشِ جز به خویش نیست، همانا وارث  
بر چگر داده براتم، تنه نا ها یا هو

مجرم عالم ارواح و به پاداشی عمل  
 خسته نید حیاتم ، تنه نا ها یا هو  
 تکیه بر مغفوت اوست نه بر طاعت خویش  
 تارکِ صوم و صلواتم ، تنه نا ها یا هو  
 چشم دارم که به ره روی دهد بخودئی  
 جز بدین نیست تاجاتم ، تنه نا ها یا هو  
 غالبم تشنه لبخواب نه همچون حافظ  
 مایل شاخ نیاتم ، تنه نا ها یا هو

(بین ۱۲۷۷-۷۸/۱۸۶۱ء و اواسط  
 ۱۸۶۷ء/ثلث اول ۱۲۸۳ء)

\*\*\*۳۰۱\*\*\*

میرود خنده به ساسانِ بیداران زده  
 خونِ گُل ریخته و می به گلستان زده  
 شورِ سودایِ تو نازم که به گُل می بخند  
 چاک از پرده دل سر به گریبان زده  
 آه از یزم وصالِ تو که هر سو دارد  
 نشتر از ریزه سینا به رگِ جان زده  
 شوید اشک به فشارِ بینِ مژگان دارم  
 طعنه بر لبِ سر و ساسانی طوفان زده

اندرین تیره شب از پرده بیرون تافته است  
 می روشن به طربگاه حریفان زده  
 فرستم باد که مرهم نه زخم جگر است  
 خنده بر بے اثری های نمکدان زده  
 خوش بر میدود از خربتِ آهم هر سو  
 چرخ سرگشته تر از گوی به چوکن زده  
 خوشی توانا بلبل پروانه نژادے دارم  
 شعده در خویش ز گلیانگی بردشان زده  
 آه ازان قاله که تا شب اثرے باز نداد  
 به هم آهنگی مرغیانِ سحر خوان زده  
 چمن از حسرتیانِ اثر جلوه تست  
 گلی شبنم زده باشد لب دندان زده  
 خاک در چشم هوس ریز چه جونی از دهر  
 بارگاه به فراز سر کیوان زده  
 بیکر موج غبارے و ز غالب بگذر  
 اینک آن دم ز هواداری خوبان زده

++۳۰۲++

بجای دارم از اهل دل رم گرفته  
 بدشوقی دل از خویشتن هم گرفته  
 ز سفاک گفتن چو ننگ بر شکفته  
 درین شصوه خود را مسلم گرفته  
 رگب عمزه از نیش بزگان کشوده  
 سر فتنه در زلف بر خم گرفته  
 بدخساره عریض گلستان ربوده  
 به همنگاسه عریض چشم گرفته  
 لسون خوانده و کار عیسی<sup>۳</sup> نموده  
 بری بوده و خاتم از جم گرفته  
 ز ناز و ادا تن به معجز نداده  
 به شرم و حیا رخ ز محرم گرفته  
 دشتی رخنه در زهد یوسف<sup>۴</sup> ننگنه  
 غمش گندم از دست آدم<sup>۵</sup> گرفته  
 گیس طعنه بر لحن مطرب سروده  
 گیس خنده بر نطقی همدم گرفته  
 به بیداد صد گشته برهم نهاده  
 به بازپچه صد گونه ماتم گرفته  
 به رویش ز گرمی نگه تاب خورده  
 به کویش به رفتن صبا دم گرفته

نیارد ز من هیچکس یاد هرگز  
 مگر خوی خاقان اعظم گرفته  
 ظفر کز دم اوست در نکته سنجی  
 که غالب به آوازه عالم گرفته

(بن ۱۸۳۲/۱۸۳۷ و ۱۸۳۵/۱۸۳۶)

\*\*\*۳۰۳\*\*\*

گاه به چشم دشمن و گاه در آینه  
 برکار عیب جوئی خویشم هر آینه  
 حیرت نصیب دهنده زیتابی دل است  
 سیلاب را حتمی ست همانا بر آینه  
 تا خود دانی که جلوه گوی روی یار شد  
 خنجر به خویش می کشد از جوهر آینه  
 باشد که خاکساری ما بردهد فروغ  
 گوئی سپرده ایم به روشنگر آینه  
 محبوب خودی و داد و قبیان نمی دهی  
 اے بر رخت ز چشم من حیران تر آینه  
 دُوت روده ناز، به خود هم نمی سی  
 تا چند در هوای تو ریزد بر آینه

دردا که دیده را نیم اشک می نمائند است  
 کاندلر وداع دل زند آید بر آینه  
 در هر نظر به رنگِ دگر جلوه می کنی  
 حسرت طلسم و نغمه و افسون گر آینه  
 هر یک گدایِ پیوسته و نظاره کنی است  
 از جمِ بیاله بین و ز اسکندر آینه  
 آهن چه داد حمزه بجز آفرین دهد  
 غالب بجز دلش نبود در خور آینه

(قبل از ۱۸۲۹/۱۲۳۳۳۵ هـ)

مقطع : اقیانوس سال ۱۸۳۸/۱۲۵۳ هـ

حذف در سال ۱۸۳۸ هـ :

غالب غطر ز آب بود یک گزیده را

سُردم گزیده ز آینه نرسد هو آینه

(گل رفته)

+++م. ۳۰+++

شاهها به بزم جشن چو شاهان شراب خواه  
 ز بزم حساب بخش و قلع بزم حساب خواه  
 بزم بهشت و باده خلالت در بهشت  
 گر باز برس رودهد از من جواب خواه  
 تو پادشاه عهدی و بخت نو نوجوان  
 برخور ز عمر و باج نشاط از شباب خواه  
 در روزهای فرخ و شبهای دلفروز  
 صبا به روز ابر و شب ماهتاب خواه  
 درخور نباشد از می گلگون به هیچ رو  
 شربت به جام لعل ز قند و گلاب خواه  
 خون حمود در دم شادی شراب گیر  
 چون باده این بود، دل دشمن کباب خواه  
 گل بوی و شعر گوی و گهر باش و شاد باش  
 مستی ز بانگ بربط و چنگ و رباب خواه  
 خون سیاه نافه آهو چه بو دهد  
 از حلقه های زلف بتان مشک ناب خواه  
 خواهش ازین گروه برچهره ننگ نیست  
 از چشم غمزه و زشکنی طره تاب خواه  
 از رازها حکایت ذوق ننگه گوی  
 از کارها کشایشی بند نقاب خواه



هر چند خواستی نه سزاوار شایِ تست  
 قوت ز طالع و نظر از آفتاب خواه  
 در تنگنای غنچه کُشایش زیاد جوی  
 در جوهریای باغ روانی ز آب خواه  
 در برگ و ساز گویِ نشاط از بهار بر  
 در بزل و جود بیعتِ خویش از سحاب خواه  
 از شمع طور خلوتِ خود را چراغ نه  
 از زلفِ حور خیمهٔ خود را طناب خواه  
 از آسمان نشیمنِ خود را بساط ساز  
 از ماهِ نو جنیتِ خود را رکاب خواه  
 در حقِ خود دعایِ مرا مستجاب دان  
 دربارهٔ من از کفِ خود فتحِ باب خواه  
 غالب، نصیحه را به شمارِ غزل دو آر  
 وز سه براین غزل رسمِ انتخاب خواه

﴿ ۳۰ ﴾

دارم دل ز غصه گرانبار برده  
بر خویشتن ز آبله چهره فزوده

دل زان بالا کز تو نفسی برقی خرمی  
بخت آنچنان کز تو اثر مرگ دوده

از هر خونی تنگم و دارم ز بخت چشم  
خود را در آب و آینه رخ نمانوده

کفام و زهد کینم و خواهم بهمن رسد  
در رخت خواب شاه به مستی غوده

خواهم ز خواب بر رخ لیلی کشایم  
چشمی نگه به پرده محمل نسوده

خواهم شود به شگوه و بیخواره رام من  
در گونه گون ادا به زبانها ستوده

با دین و دانشی چو منی تا چپا کند  
سجاده و عمامه ز سمنان ربوده

با دوستان مباحثه دارم ز سادگی  
در باب آشنائی نا آزموده

خجالت نگر که در حسنا تم نیافتند  
جز روزه درست به صبا کشوده

در بزم غالب آئی و به شعر و سخن گرای  
خواهی که بشنوی سخن ناستوده

(بین ۲۹ شهریور ۱۳۳۸/۵۸ و جمادی الثانی  
۱۳۵۳/۵۸ و ۳۱ جنوری ۱۳۳۸/۵۸  
۲۳ شوال ۱۳۵۳/۵۸)

+++۳۰۶+++

چون زبانها لال و جانها پر ز غوغا کرده  
بایدت از خویش پرسید آنچه با ما کرده  
گر نه مشتاقِ عرضِ دستگاهِ حسنِ خویش  
جان فدایت، دین را بهر چه بینا کرده  
هفت دوزخ در نهادِ عرسایِ مضمرات  
انقام است اینکه با مجرم مدارا کرده  
صد کشاد آنرا که هم امروز و بخ نموده  
سزده باد آنرا که محو ذوقِ فردا کرده  
خواریان چون مذاقِ خویِ سرکان داشتند  
آفرینش را بر ایشان خوانِ یغما کرده  
خستگان را دل به پرستشهایِ پنهان برده  
با درستان گر نوازشهایِ پیدا کرده

چشمه نوشت از زهر عسابت کام چلن  
 تلخی می دو مذاقی ما گوارا کرده  
 ذره را روشناسی صد پیمایان گفته  
 قطره را آشنای هفت دریا کرده  
 دجله میجویند، همانا دیده‌ها جویای تست  
 نعلبه میبالد، مگر در سینه‌ها جا کرده  
 جلوه و نظاره بنداری که از یک گوهر است  
 خویش را در برده خلقی تماشا کرده  
 چاره در سنگ و گیاه و رنج با جاندار بود  
 پس از آن کاین در رسد آنرا صیفا کرده  
 دیده میگیرد، زبان میبالد و دل می‌تپد  
 عنده‌ها از کار غالب سر بسر وا کرده

(قبل از ۲۹ شهریور ۱۲۵۷، ۲۷ جمادی الثانی)

۱۳۱۲۵۳

+++۳۰۷+++

در زسهریر سینۀ آلودگان نه  
 اے دل بدین کہ غمزدہ شادمان نه  
 اے دیدہ، انک ریختن آئین تازہ نیست  
 خود را زما مگیر اگر خون فشان نه  
 بلبل، بہ گوشہٴ قفسی از خستگی مثال  
 چون من بہ بند خار و خبی آشیان نه  
 داحم ز ناکسی کہ بہ تمہید آشتی  
 رنجیدہ ز غیر و بدین سہریان نه  
 گوئی یکے ست بستی تو بود و نبود من  
 بامن نشسته و ز من سرگران نه  
 آخر نبوده ایم در اول خدا پرست  
 ہاما ز سادگہستہ اگر بدگمان نه  
 با خویش در شمار جفا، عہدم منی  
 با غیر در حساب وفا ہمزبان نه  
 دانستہ کہ عاشقی لازم، گدا ہم  
 دامن کہ شاعری، شہ گیتی ستان نه  
 لازم تلون تو بہ بخت خود و ریب  
 با او چنین بودی و ہاما چنان نه  
 با دیدہ چیست کلونو، لخت چکر نه  
 در دل چراست جای تو، سوز نہان نه

غالب ز بودنت که تنگست بر تو دهر  
بر خویشتن بیال، اگر در میان نب

(بین ۱۸۳۵/۱۲۶۱ و ۱۸۶۰/۱۲۷۶ هـ)

۳۰۸

مر زلفا فراخ را سزده برگ و ساز ده  
سایه به بهر واگزار، قطره به بحر بازده  
طره جیب را ز چاک شانه التفات کش  
عاری خویش را ز اشک غازه امتیازده  
داع به سینه زیورست، دل به جفا حواله کن  
مے ز شر گران تراست، سنگ به شیشه ساز ده  
از نم دیده دیده را رونق جویبار بخش  
وز تب ناله، ناله را چاشنی گذار ده  
شرم کن آخر، اے حیا، اینهمه گیر و دار، چیست  
خاطر حمزه باز جو رخصت ترکناز ده  
اے گلی تر به رنگ و بو، اینهمه نازش از چه رو  
مست ابر یک طرف، سزده چمن طراز ده  
یا به بساط دلبری عام مکن ادای لطف  
یا ز نگاه خشمگین سزده امتیاز ده



بهر سرگرمی ما خاله خرابان باید  
 حصی از تاب خود آتش به شهبان زده  
 فارغ از کشمکشِ عشوه جتونی دارم  
 پشتِ پائے به سرکوه و بیابان زده  
 حسن در جلوه گری ها نکشد منتِ غیر  
 هر گُل از خویشتست آتشی دامن زده  
 تا چپا سروده خونگرمی قاتل دارد  
 ناوکه در ره دل لطره ز بیکان زده  
 خواشم شگوه بداد تو انشا کردن  
 قلم از جوشی رقیب شد خبی طوفان زده  
 وای بر من که رقیب از تو به من بنماید  
 نامه واسیده سحر به عنبران زده  
 هدیه آورده از بزم حریفان مارا  
 رخ خوی کرده زهرم و لبِ دلدان زده  
 بُرد در انجمنِ تعلیه رحانم، غالب  
 ذوقِ پروانه بر روی چراغان زده



۳۱۰

- بر دست و پای بند گرانے نہادے  
 لازم بہ بندگی کہ نشانے نہادے  
 ایمن نعم زمرگ، اگر رستہ ام ز بند  
 دلدوز ناو کے بہ گمانے نہادے  
 گوھر ز بحر خیزد و معنی ز فکر زوف  
 بر ما خراج طبع روانے نہادے  
 نا در امید عمر بہ پندار بگذرد  
 از لطف در حیات نشانے نہادے  
 تا خستہ بلا نبود ہے گریز کہ  
 در سرگ احتمال اسالے نہادے  
 رازست، گر دلے بہ جفائے شکستہ  
 دادست، گر سرے بہ ضائع نہادے  
 دوزخ بہ داغ سینہ گدازے نہفتہ  
 لبزم بہ چشم اشک فشانے نہادے  
 بر هر دلی فسون نشاطے دیدہ  
 بر هر تنے سرمای روانے نہادے  
 هر دیدہ را دورے بہ خیالے کشودہ  
 هر فرقہ را دلے بہ گمانے نہادے

غالب ز غصه مُرد ، همانا خبر نداشت  
 کاندِر خرابه گنجِ نهانی نهاد

(قبل از ۲۹ ستمبر ۱۸۳۷ء / ۲۸ جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳ء)

### \*\*\*۳۱۱\*\*\*

نفس را بر در این خانه صد غوغاست بنداری  
 دلمے دارم کہ سرکارِ تمناهاست بنداری  
 حباب از فرقِ عشاق است و موج از تیغِ خوہانش  
 شہادتِ کجِ اربابِ وِلا دریاست بنداری  
 بہ گوتم میرسد از دُور آوازِ درِ اسب  
 دلمے کم گشتہ دارم کہ در صحراست بنداری  
 ازو باور ندارد دعویِ ذوقِ شہادت را  
 نگاہش ہا رقیب و خاطرش ہماست بنداری  
 در و دیوار را در زر گرفت آہِ شررِ بارم  
 شبِ آتشی سوا یان آفتابِ انداست بنداری  
 فدائش جان کہ بہر گشتیم تدبیرِ ہا دارد  
 عتابِ من بہ بختِ خویشتن بیجاست بنداری  
 گوئیم آقدر کز خونِ یابان لالہ زارے شد  
 خزانِ ما بہارِ دامنِ صحراست بنداری

جنونِ الفتِ همچون خودی دارد، تماشا کن  
 شکستِ صد دل از رنگِ رخسِ بیداست بیداری  
 نویدِ وعدهٔ قتلِ به گونم میرسد، غالب  
 لبِ لعش به کامِ بیدلان گویاست بیداری

(ابنِ باز ۲۹، شهریور ۱۳۳۷، ۲۸/۶/۳۸، جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳ هـ)

«۳۱۲»

گر نه نواغا سرودم، چه غمنی  
 منگه نیم، گر نبودم، چه غمنی  
 زنگ زدودن بُرد ز آینه کلفت  
 گر همه صورت زدودم، چه غمنی  
 گر غمِ دل بودم که تا دمِ مردن  
 هم بخود از خود فرودم، چه غمنی  
 بختِ خود از بودم که تا به قیامت  
 بخیر از خود غنودم، چه غمنی  
 نه به سخن مُزد، نه ستایش، اگر من  
 کشتِ کدیور درودم، چه غمنی  
 نیست شامی شمیم جوی، اگر من  
 غالمه چندین نسودم، چه غمنی

چون در دعوی توان به لغو کشودن  
 من به هنر گر کشودم، چه غمستے  
 چون دل یاران توان به هزل ربودن  
 من به سخن گر ربودم، چه غمستے  
 گر به مثل لال گشتم که سخنها  
 گشتم و خود شنودم، چه غمستے  
 گر به سخن مست گشتم که به مستی  
 گفته خود را شنودم، چه غمستے  
 حیف ز عیسی<sup>۳</sup> که دور رفت، و گریه  
 معجزه دم شنودم، چه غمستے  
 آه ز داؤد کان نماند، و گریه  
 ناله به لعن آشنودم، چه غمستے  
 قافیه، غالب، چو نیست برس ز عرفی  
 "گر من فرهنگ بودم، چه غمستے"

\*\*\*۳۱۳\*\*\*

در بستی تماشای تو حیرت‌المنتهی  
 پیش که به نوکار کشائی علمت  
 غم را به نوسندی سرباب گرفتم  
 خود موج می از دشتِ رستم علمت  
 بیداد بود یکسره هشتی به کمر بر  
 زلفی که ز انبوهی دل خَم به خست  
 خرسندی دل پرده کشای اثری هست  
 شادم که مرا این مه شادی به غمت  
 گفتن زمین رفته و دایم که ندانی  
 با من که به برگم ز نو پریش شمت  
 این آبر که شود رخ گلهای بهاری  
 از داسی ما بیورش آسوز نشت  
 در بادیه از ریزی خونابه مرگان  
 روداد مرا هر رگ خاری نشت  
 زانسانکه نظر خیره کند برقی جهانسوز  
 با حرفی نغمای تو گفتن دشت  
 در عهد تو هنگام تماشای گل از غم  
 نظاره و گل غرقه خوناب هست

زین قشّی نو آئین کہ برانگیخته غالب  
کاشد همه تن و قلبِ سیاسی فلسفے

(قبل از ۲۲ ستمبر ۱۳۳۱ء/۸/۲ جمادی الثانی  
۱۲۵۳ھ)

+++م+م+م+++

اے بہ صدمہ آہِ بردلت ز ما ہمارے  
ایستقد و گران نبود نالہ ز بیمارے  
وہ کہ با چین طاقت راہِ بردم تبست  
باہی بر نمی نماید رنجِ کاوتی خارے  
در جنون بہمن ماتاست، گو زہجیز خون گردد  
نالہ کہ برخیزد از دلِ گرفتارے  
غم چہ در بود از ما، اینک آنچه بود از ما  
سینہ و آندوہے، خاطرے و آزارے  
اے فدا، درے ہنگشا، ہو کہ در تو ہگریزد  
ہم ز خلقِ نومیدے، ہم ز خویشِ بیزارے  
بہرہ از وجود نیست، زین کششِ کشودم نیست  
با و داعِ رفتارے، دست و حسرتِ کارے  
نازِ مومن و کافر بر چہ دستگاہِ آخر  
سبعہ و سواکے، نشقہ و زَنارے

ہر جنون صلائیے دُن، عقل را تفتائیے دُن  
 دادہ ز ناسردی سر بہ بند دستارے  
 شوخی شمیم بدین، جنبش نسیمش دین  
 خجہ راست آتشکے، سرو راست رنارے  
 کاش کان بُت کاشی دو بذر دم غالب  
 بندہ توام گویم، گویدم ز ناز 'ارے'

(قبل از ۲۹ دسمبر ۱۳۵۱ء / ۲۸ جمادی الثانی  
 ۱۳۵۳ء)

### +++۳۱۵+++

بدین خوبی خرد گوید کہ کام دل سخاوا ازوے  
 نکو روی و نکوکار و نکوناست، آہ ازوے  
 نکارم سادہ و من رنید رنگ آمیز وسوایم  
 چہ نقشی مدعا بندم بدین روی سیاہ ازوے  
 ہمسوچ نالہ میرویم غبار از دامن زینش  
 کمین ہا دیدہ ام، غافل تہم در صید گاہ ازوے  
 جنون رشک را نازم کہ چون قاصد روان گردد  
 دُوم بیخوش و گیرم نامہ اندر نیمدراہ ازوے  
 چہ سنجہ داوری با ساری سرمایہ مجبورے  
 کہ باشد چون دل داور زبان داد خواہ ازوے

ز ہم دوریم یا این مایه نسبت ، ناسرادی بین  
 شب تاریک از ما باشد و روی چو ماه ازوے  
 شکستن را ، خدایا ، ہم بدین اندازه قسمت کن  
 دلے از ما و عهد و طرہ و طرف کلاہ ازوے  
 بتان را جلوہ نازش بہ وجد آرد ، شگرفی بین  
 برہمن باشد ، اما دیر گردد خانقاہ ازوے  
 شدم غرق شط نظارہ و باغیر در تابم  
 کہ دامن می تراود دعوی ذوق نگاہ ازوے  
 نگاہش سرمگین باشد ، چو مژگان سرکشست ، آری  
 فروماند سپہ دارے کہ برگردد سپاہ ازوے  
 بہ غالب آشتی کردیم ، دیگر داوری نبود  
 گزلب دائمی از ما ، شراب گلہ گلہ ازوے



++۳۱۶++

نخواهم از صفِ حوران ز صد هزار یکے  
 مرا بر است ز خوابِ روزگار یکے  
 سراجِ وحدتِ ذاتش نوان ز کثرتِ محبت  
 که سائست در اعدادِ یشمار یکے  
 کسی که مدعی سستیِ اساسِ وفاقست  
 نشان دهد ز بناهای استوار یکے  
 چه گویم از دل و جانے که در بساطِ نیست  
 ستم رسیده یکے، تا امیدوار یکے  
 دو برقی فتنه نهفتند در کفِ خاکے  
 بلایِ جبر یکے، رنجِ اختیار یکے  
 دلاه مثال که گویند در صفِ عشاق  
 ستوه آمده از جورِ خویِ یار یکے  
 ز ناله ام به دلالتِ سپردِ هزار آسیب  
 نشد که سنگِ تو بیرون دهد شرار یکے  
 مرو ز آینه خانه که خوش نمائمانے است  
 یکے تو بحوحودی و چو تو هزار یکے  
 زه نگاهِ یکسیر و شرمِ دور اندیش  
 یکے به دزدیِ دل رقت و پرده دار یکے  
 قماشِ هستی یکسر از آتش است  
 مرا چو شعله بود بهشت و رویِ کار یکے

چه شد که ریخت زبان رنگِ صد هزار سخن  
 به خون سرشته نوائی ز دل بر آر یکم  
 دم از ریاستِ دخی نیزم غالب  
 منم ز خاک نشینان آن دیار یکم

(آیل از ۲۹ - شمعبر ۱۸۳۷/۲۸ جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳ هـ)

### \*\*\*۳۱۷\*\*\*

اندوه برآنشانی از چهره عیانست  
 خون نالیده رنگ اکنون از دیده روانست  
 غم راست به دلسوزی سخی ادب آموزی  
 انداخته گالش را انداز نشانست  
 صد ره به غموس خود را با و جلی تو منجمدم  
 یک مرحله تن، و آنکه صد قافله جانست  
 ذوقِ دل خود کلمش در باب ز فرجامی  
 هر حلقه گلدامش چسبے نگوانست  
 رو تن به معرانی ده تا کار روان گردد  
 طوفان زده زورق را هر موج عنانست  
 چسبے که پدما دارد هم رو به قفا دارد  
 خود نیز رخ خود را از میریابانست

جان باغ و بهار، اَمّا در پیشِ تو خاکستے  
 تن مشتِ غبار، اَمّا در کویِ تو جانشته  
 رازِ تو شهیدان را در سینه نمی گنجد  
 هر سوزِ درین مشہد مالا بہ زبانستے  
 ساقی بہ زرافشانی، دائم ز کربمانی  
 پیمانه گران تر هست، گریبانہ گروانشته  
 فیضِ ازلی نبود مخصوصِ گروهی را  
 حرفِ صحت کہ مَنے خوردنِ آئینِ مغانستے  
 ہم جلوہ دیدارش در دیدہ نگاہستے  
 ہم لَقَّتِ آزارش در سینه روانستے  
 غالب، بِرَحْمِ بَکشا پیمانه بعضے در زن  
 آخر نہ شبِ مہمانست، گرمِ رُفغانستے

++۳۱۸++

تاہم ز دل بُرد کافر ادائے  
 بالا ہلندے کوتاہ قبائے  
 از حُویِ ناخوش دوزخِ نیبے  
 وز رویِ دلکش سینوِ ثنائے  
 در دہرگیریِ محافلِ نوازے  
 در زود میری عاشقِ ستائے  
 زودشتِ کیشے آتشِ ہرستے  
 ہرستم گزارے زمزمِ سوائے  
 چون مرگِ فاگہ ہسارِ تلخے  
 چون جانیِ شیرین اندکِ وفائے  
 در کامِ بخشیِ ممسکِ امیرے  
 در دلستانیِ بریمِ گدائے  
 \* گستاخِ سازے ہوشِ ہندے  
 طاقتِ گدازے صبرِ آزمائے  
 در کینہِ ورزیِ تفسیدہِ دشتے  
 در مہربانیِ ہستائے  
 از زلفِ ہر خمِ مشکینِ نقائے  
 از تابشِ تنِ زرّینِ ردائے

در عرضِ دعویٰ لیلِ نگویم  
بر رُغمِ غالب معجونِ ستائے

(قبل از ۲۹ ستمبر ۱۸۳۷ء/ ۲۸ جمادی الثانی  
۱۲۵۳ھ)

++۳۱۹++

بہ دل ز عریضہ جوائے کہ داشتی داری  
شمارِ عہدِ وفائے کہ داشتی داری  
یہ لب چہ خیزد از انگیزِ وعدہ ہایِ وفا  
بہ دل نشستہ جوائے کہ داشتی داری  
تو کے ز جورِ پشیمان شدی، چہ میگوئی  
دروغِ راستِ نمائے کہ داشتی داری  
بہ سببِ چون دل و دردِ چو جانِ خزیدی و باز  
نگاہِ مہرِ فزائے کہ داشتی داری  
عتاب و مہرِ نو از ہم شناختن نتوان  
خودِ فریبِ ادائے کہ داشتی داری  
خُرابِ بادۂ دو شمشیرِ ، سرتِ گِردم  
ادایِ لغزشِ بائے کہ داشتی داری  
بہ گردگارِ نگردیدی و میانِ بدفوس  
حدیثِ روزِ جزائے کہ داشتی داری

کرشمه یار نهالے کہ ، بودہ هستی  
 بہر ز نشتہ ہوائے کہ داشتی داری  
 هنوز ناز ہی شمعہ گم نداند کرد  
 ادای پرده کشائے کہ داشتی داری  
 جہانیاں ز تو پر گشتہ اند گر غالب  
 ترا چہ پاک خدائے کہ داشتی داری

(قبل از ۲۹ ستمبر ۱۸۳۷ء / ۲۸ جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳ھ)

### ++(۳۲۰)++

اگر بہ شرح سخن در بیان بگردانی  
 ز سوئی کعبہ رخ کاروان بگردانی  
 بہ نیم ناز کہ طرح جہان نو فکری  
 زمین بگستری و آسمان بگردانی  
 بہ یک کرشمہ کہ بر گلبن خزان رہزی  
 بہار را بہ در بوستان بگردانی  
 بہ خاطرے کہ در آئی بہ جلوہ آرائی  
 بہ لای ظلمت سرگ از روان بگردانی  
 بہ گلشنے کہ خرامی بہ بادہ آشامی  
 تہج ز جہانِ گلو ارغوان بگردانی

به کوی شیر روی ، چون مرا به ره نگری  
 به جبهه چین لکبی و عنان بگردانی  
 و ناستای قسوی ، چون مرا به یاد آری  
 به خویش طعنه زنی و زبان بگردانی  
 به بیم خوی خودم در عدم یخواهانی  
 به ذوق روی خودم در جهان بگردانی  
 به بذله خاطر اسلامیان بهمازاری  
 به جلوه قبله زردشتیان بگردانی  
 اجازه که گنم ناله تا کجا غالب  
 ز لب به سینۀ تنگم افغان بگردانی

(قبل از ۲۹ ستمبر ۱۸۳۷ء / ۲۸ جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳ء و ۲۱ جنوری ۱۸۳۸ء /  
 ۲۳ شوال ۱۲۵۳ء)

++۳۲۱++

اے سوچ گل ، نوید تعاشای کیستی  
 انکارۂ مثال سراپای کیستی  
 پیودہ نیست سعی صبا در دیار ما  
 اے بوی گل ، پیام تمنا کیستی  
 خون گشتم از تو باغ و بہار کہ بود  
 گشتی مرا بدلمرہ سہجای کیستی

یادش بغیر، تا چه قدر سبز بود  
 اے طرفِ جوہارِ چمن، جایِ کیستی  
 از خاکِ غرقہ کفِ خونے دسید  
 اے داغِ لاله، نقشِ سویدایِ کیستی  
 نشیدہ لگت تو فرو میروہ بدل  
 اے حرف، محوِ لعلِ شکرخایِ کیستی  
 با نوبهار این همه سامانِ ناز نیست  
 لہرستِ کارخانہٴ یغمایِ کیستی  
 در سوختی تو چاشنیِ پرفشانی است  
 بے پردہ صیدِ دامِ تپشہایِ کیستی  
 از هیچ نقشِ غپِ نکوئی ندید  
 اے دیدہ، محوِ چہرہٴ زیبایِ کیستی  
 با هیچ کالر اینہمہ سختی نمی رود  
 اے شب، بدرگِ من کہ تو فردایِ کیستی  
 غالب، نوایِ کلکِ تو دل می برد ز دست  
 تا پردہ سنجِ شیوۂ انشایِ کیستی



++۳۲۲++

کافرم گر، از تو باور باشدم غمخوارنے  
 آزمیند انصافم کرده ذوقِ خوارنے  
 از کنارِ دجله آتشخانه چندان دور نیست  
 کشتیِ ما بر شکست زده، دوستانِ یارنے!  
 شادباش، اے غم، ز بیمِ مرگم ایمن ساختی  
 گشت صرفِ زندگانی، بود گر دشوارنے  
 رشک نبود گر خدنگت جانبِ دشمن گرفت  
 در دمِ ساطور پنهانست زخمِ کارنے  
 برق از شهرت کبابِ بے محاسوزینے  
 مرگ از لطیفِ هلاکِ دردمند آزارنے  
 با خرد گفتم، چه باشد مرگ بعد از زندگی  
 گفت ے خوابِ گرانے از بیدارنے  
 اے دل، از مطلبِ گزشتم دستگاہت را چه کند  
 شیوے، شورے، فغانے، انتظارے، زارنے  
 دارد اندازِ تسلسل در ضمیرم شوقِ دوست  
 هیچو رفیقِ ناله در کارم تبِ زنیارنے  
 دل نفسِ دزدید و خونِ گردید، بختِ چلیم بین  
 کشی به لعل و در توانگو کرده در افشارنے

زَنه بردارِ ظهوری باش، غالب، بحث چیست  
در سخن درویشی باید نه دکن دارن

(قبل از ۲۹ ستمبر ۱۹۱۹ء / جمادی الثانی  
۱۲۵۳ھ)

\*\*\*۳۲۳\*\*\*

رفت آنکه کسبِ بویِ نو از بادِ کُردم  
گلِ دیدم و رُویِ نوا بادِ کُردم  
رفت آنکه گر به راهِ تو جانِ دادم ز ذوق  
او موجِ گردِ ره نفسِ ایجادِ کُردم  
رفت آنکه گر لبِ نه به نظریں نواخته  
رنجِ دیدم و عریضه بنیادِ کُردم  
رفت آنکه لیس را به سترگی ستودم  
در چایکی سایلِی فرهادِ کُردم  
رفت آنکه جانبِ رخ و قنّت گرفتے  
در جلوه بحث با گل و شمشادِ کُردم  
رفت آنکه در ادایِ پیامِ تو  
هر گونه سرخِ صدِ نفسِ آزادِ کُردم  
اکنون خود از ولایتِ نو آزاد می گشتم  
رفت آنکه از جفایِ تو فریادِ کُردم

بنام منه ز طره که تا بهم نمانده است  
 رفت آنکه خویش را بدلا شاد کردی  
 آخر بدادگاهِ دگر اوفشاده کار  
 رفت آنکه از نو شکوه بهداد کردی  
 غالب، هوایِ کعبه بهسر جا گرفته است  
 رفت آنکه عزمِ خلیج و نوشاد کردی

(قبل از ۲۹-۳۰ شهریور ۱۳۳۷/۲۸ جمادی الثانی  
 ۱۳۵۳ هـ)

### \*\*\*۲۲\*\*\*

سزده خرسی و بے خلی را مانی  
 ابدی جنت و فیضی ازلی را مانی  
 بسکه همواره دلاویزی و شیرین حرکت  
 مایه طوبی و جویِ عسل را مانی  
 جلوه فرمانی و جاوید نمانی به کسی  
 صیغانی و بهشتِ علی را مانی  
 به ستم ستمی بهیفته نازک باخی  
 اے که در لطف رنجهای جلی را مانی  
 به توانائی کوشش نتوان یافت ترا  
 سرخوشبهای لبولِ ازلی را مانی

جز بہ چشم و دل والا گہراں جا نکئی  
 جاسوئے نقشب کتبِ ہای علیؑ را مانی  
 بہ دلِ ہر کہ بہ چشم تو در آید ناگہ  
 داری آن مایہ تصرف کہ دلے را مانی  
 اے کہ در طالع ما نقشب تو ہرگز نشست  
 زمرہٴ حوئی و شعی حملی را مانی  
 اندرین شیوہ گفتار کہ داری غالب  
 گر توفی نگنم، شیخ علی را مانی

(قبل از ۲۹ ستمبر ۱۳۸۶ء / ۲۹ جمادی الثانی  
 ۱۴۲۵ھ)

### ++۳۲۵++

اے کہ گنم ندھی دادِ دل، آری ندھی  
 تا چو من دل بہ ملان شیوہ نکارے ندھی  
 چشمہٴ نوشِ عسافا تراود زِ دلے  
 کیشِ نگیری و در اندیشہ فشارے ندھی  
 ماہ و خورشید درین دائرہ بیکار نیند  
 تو کہ باشی کہ بہ خود زحمتِ کارے ندھی  
 ہای را خضرِ قدم سنجی کوئے نئوی  
 دوش را قدرِ گران سگی ہارے ندھی

سر بہ راہ دم شمشیر جواتے تھی  
 تن بہ بندِ خیمِ قراکِ سوارے تھی  
 سینہ را خستہ اندازِ لغاتے تگنی  
 دیدہ را مالشی بیدادِ ببارے تھی  
 خون بہ ذوقِ غمِ یزدانِ نشاتے نخوری  
 دین بہ پیرِ حقِ الفتِ مکرارے تھی  
 آخرِ کار نہ پیداست کہ در تن افسرد  
 کفِ خونے کہ بدانِ زینتِ دارے تھی  
 حیف، گر تن بہ سگانِ سرِ کوئے نرسد  
 واسے، گر جان بہ سرِ راہگذارے تھی  
 رهنمایِ اجل از دستِ تو ناگاہ بوند  
 نقدِ ہوشے کہ بہ سودایِ بہارے تھی  
 بہ خیمِ طرۂ حنوائی بہشت آویزند  
 فازِ پروردہ دلے را کہ بہ یارے تھی  
 گر تنزل نبودے ایرِ بہاری غالب  
 کہ در افشانی و ز افشانہ شمارے تھی

++۳۲۶++

همنشین، جان من و جان تو این الکر، ے  
 سینہ از ذوق آزار منشی نیریز، ے  
 غیر، دائم، لُغتِ ذوق نکه دالمتہ است  
 کز بی قلم بہدشمنی داد تیغ نیز، ے  
 مہچکہ خونم، رگِ ایوان آن قتراک، ے  
 می تہا خاکم، دم باد است آن شہدیز، ے  
 بر سر کوی تو بیخود گشتم از ضعف نیست  
 گشتہ رشکم، نیازم دید خود را نیز، ے  
 تنگ باشد چشم بر ساطور و خنجر دوختن  
 غنچہ آسا سینہ خواہم جراحِ خیز، ے  
 تیشہ را لازم کہ بر فرہاد آمان کرد مرگ  
 خنجرِ شیرینہ و جان دادنِ برویز، ے  
 غمزہ را زان گوشہ ابرو کشادِ دیگرست  
 آن خرامِ توسن و این جنبشِ مہمیز، ے  
 ریزشِ خشت از در و دیوار برگِ راحتست  
 خاک را کاشانہ ما کردہ بالینِ خیز، ے  
 کفتم، آری روزی بازارِ کسری بشکنی  
 گرم کردی در جہان ہنگامہ چنگیز، ے

غالب، از خاکِ کدورتِ خیرِ مندم دل گرفت  
 اسفهان ه، یزد ه، شیراز ه، تبریز ه

(قبل از ۲۹ شهریور ۱۲۳۷/۱۲۸۲ جلدی الثانی  
 ۱۲۵۳ هـ)

### ۳۲۷

خشنود شوی، چون دلِ خشنود نیایی  
 ترسم که زیانکار کسی، سود نیایی  
 از قافله گرم روانِ تو نباشد  
 رختی که به میلش شر و اندود نیایی  
 فرقیست نه اندک از دلم تا به دلِ تو  
 معذوری، اگر حرفِ مرا زود نیایی  
 هر ذوقِ خداداد نظرِ دوختگانم  
 در سینه ما زخمِ نمک سود نیایی  
 در وجد به عتبارِ نفس دست فشاهم  
 در حلقه ما رقصِ دف و عود نیایی  
 در مشرب ما خواهشِ فردوسِ نجوئی  
 در مجمع ما طالعِ مسعود نیایی

در پادۀ اندیشہ ما دُردِ نپینی  
در آتشِ هنگامہ ما دُودِ نپانی

(ق)

چون آخرِ حُسن است بہما ساز کہ دیگر  
باہم کشے مانعِ مقصودِ نپانی  
آن شرم کہ در پردہ گری بود، نداری  
آن شوق کہ در پردہ دری بود، نپانی  
غالب بہ دکانے کہ بہاسید کشودیم  
سرمایہ ما جز ہوسِ سودِ نپانی

(قبل از ۲۹ شہر ۱۸۳۷/۶۱ جمادی الثانی  
۱۲۵۳ھ)

++(۳۲۸)++

سرچشمہ خونت ز دل تا بہ زبان، ہاے  
داوم سخنے با تو و گفتنِ نتوان، ہاے  
بہرِ نتوان کرد ز دیدارِ نکویان  
نظارہ بود شبنم و دل ریکِ روان، ہاے  
ذوقِ ستِ درین سوبہ کہ بر نعشِ مستی  
ہا دلشدہ ہیج سکویِ ہمہ دان، ہاے



در خلوتِ تابوتِ نرفتست ز یادم  
 بر تختہ در دوختہ چشمِ نگران، ھاے  
 اے فتویٰ ناکامیِ بستان کہ تو باشی  
 بہتاپِ شبِ جمعہٴ سیاہِ رمضان، ھاے  
 باد آورِ ناگفتہ شنو، وقتِ حوالہ  
 در دے کہ بہ گفتی نپذیرفت کران، ھاے  
 از جنت و سرچشمہٴ کوثر چہ کشاید  
 خونِ گشتہ دل و دیدہٴ خونایہٴ فشان، ھاے  
 در زمزمہ از پردہ و ہنجار گذشیم  
 وامشگریِ شوق بہ آہنگِ فغان، ھاے  
 سیلابِ تنے کز ہم برقت نہادش  
 گردیدہ مرا مایہٴ آرامشِ جان، ھاے  
 غالب، بہ دل آویز کہ در کارگاہِ شوق  
 نقشےٴ دوزخِ پردہ بہ پردہٴ نہان، ھاے

(قبل از ۲۹ ستمبر ۱۹۳۷ء/۲۸ جمادی الثانی)

(۸۱۲۵۳)

++۳۲۹++

زاهد کہ و مسجد چہ و محراب، کجائی  
 عداست و دم صبح، می تاب، کجائی  
 دریا ز حباب آبلہ های طلبِ تست  
 نورِ نظر، اے گوہرِ نایاب، کجائی  
 بوی گل و سبزم نبردِ کلیہ ما را  
 صرصر تو کجا رفتی و سیلاب، کجائی  
 حیر است و خدا داور و ہنگامہ بہ پایان  
 اے شگوفہ بے سہری احباب، کجائی  
 آن شور کہ گردابِ جگر داشت، ندارد  
 اے لختِ دل غرقہ بہ خوناب، کجائی  
 با گرمی ہنگامہ خواہش تشکیم  
 آتش بہ بہستانِ زدم، اے آب، کجائی  
 چون نیست نمکمانی اشکم، بہ فغانم  
 کامے روشنی دیدہ بے خواب، کجائی  
 غواصی اجزای نفسِ دیر ندارد  
 از دل ندسی، داغِ جگر تاب، کجائی  
 سورے مت نواریزی تارِ نفسم را  
 پیدا تہ، ای جنبشِ مضرب، کجائی

بنمای به گوساله پرستان بد بیضا  
غالب ، بد سخن صاحب قوتاب ، کجائی

(قبل از ۲۹ شهریور ۱۲۸۳/۵/۲ جمادی الثانی  
۱۲۵۳ هـ)

+++++۳۳+++++

دل که از من سرتوا فرجام تنگ آرد همی  
بر سر راه تو با خونیم به چنگ آرد همی  
پنجه نازک ادایش را نگارے دیگرست  
خون کنند دل را نخست، آنکه به چنگ آرد همی  
بوسه گر خواهی، بدین شکی بیچند تنگ تنگ  
عذر اگر باید، به سنی رنگ رنگ آرد همی  
آنکه جوید از تو شرم و آنکه خواهد از تو سپهر  
تقوی از میخانه و داد از لرنگ آرد همی  
بازوی تیغ آزمائے داشتی، انصاف نیست  
کز تو بچشم مرده زخم خدنگ آرد همی  
گر نه در تنگی دهان دوست چشم دشمن است  
از چه رو بر کاسجویان کار تنگ آرد همی  
تا دران گیتی شوم پیشی شهیدان ترسار  
رنجد و یهوده در قلم دونگ آرد همی

خواهدم در بند خویش، اما به فرجام بلا  
 حلقه دام من از کام نهنک آرد همی  
 همچنان در بند سامان مرادش منجمی  
 گر به جای شیشه بخت از دوست سنگ آرد همی  
 چشم خفته سربه جوی و روی غالب در میان  
 در رهتی اندیشه با بادم به چنگ آرد همی

(قبل از ۲۹ ستمبر ۱۸۳۷ء/ ۲۸ جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳ء)

۳۳۱

دیدم دور آنکه تا نهد دل به شمار دلبری  
 در دل سنگ بشکرد رقص بتان آوری  
 فیضی نتیجه ورم از می و نغمه یافتیم  
 زهره ما بر این افق داده فروغ مشتری  
 تا نبود به لطف و تیر هیچ بهانه در میان  
 شکر گرفت نارسا، شکوه سحر و سرسری  
 اے تو که هیچ ذره را جزیره تو روی نیست  
 در طلیت توان گرفت بادیه را به رهبری  
 هر که دست در برش داغ تو رویش زد دل  
 تا چو به دیگرمی دهد، باز بری به داوری

بسکه به قن عاشقی غریبِ غیر جان گزاست  
 با تو خونم که جز تو نیست، روی به هر که آوری  
 و شکِ ملک چه و چرا، چون بد تو به نمی بُرد  
 پیچده در هوای تو می بُرد از سبکسری  
 حیل که من به خونِ تیم و ز تو سخن رود که تو  
 اشک به دیده بشمری، فاله به سینه بشگری  
 کوثر اگر به من رسد، خاک خورم زیرِ نمی  
 طوبی اگر ز من شود، همیشه گشتم زیرِ بوی  
 دردِ ترا به وقتِ چنگ قاعده، تپه‌مَنی  
 لشکر مرا به زیرِ زنگ آینه سکنه‌ری  
 چشم از گداز دل در جگر آتشی چو سیل  
 غالب، اگر دم سخن رو به ضمیر من بوی

(بین ۲۹ ستمبر ۱۸۳۴ء/۲۸ جمادی الثانی  
 ۱۲۵۳ء و ۲۱ جنوری ۱۸۳۸ء/۲۳ شوال  
 ۱۲۵۳ء)

—E-T-T—

ز بسکه باتو به هر شیوه آشناستی  
به عشق مرکزِ پُر کارِ فتنه هستی  
اسدگاهِ من و هیچو من هزار یکے ست  
ز رشک در صدو ثوبِ مَدعاستی  
معین ز دشمن و غمهای ناگوارش نیست  
ز دوست داغِ مغممهای نارواستی  
دُبت مگوی و ملامتِ منج و فتنه مگیر  
چه شد که هیچکس، بنده خداستی  
به سرمه غوطه دھیم که در سیه هستی  
ز شر مگینی چشمی سخن سراستی  
ستم نگر که بدین بختِ تیره که مراست  
ز بهر فرقِ عدو سایه هما هستی  
چگونه تنگ توانم کشیدنت به کنار  
که باتو در گله از تنگی قبا هستی  
نگرده وعده که بر عاجزان نبخشد  
اسید منجِ فغانهای نارسا هستی  
به باد داغِ خودی از روان فرو شسته  
هلاکِ مشروبِ زندان پارسا هستی

به هرزه ذوق طلب سیف زایدم غالب  
که باد در کف و آتشی به زیر پا ستم

(ابری از ۲۹ منبر ۱۳۴۲ هـ / ۲ جمادی الثانی  
۱۳۵۳ هـ)

+++۳۳۳+++

دلَم در ناله از بیلوئی داغ سینه تابسته  
بر آتشواره چسبیده لخته از کبابسته  
بهارم دیدن و رازم شنیدن بر نمی تابد  
نگه نادیده خولسته و دل تا زهره آبسته  
هجوم جلوه گلی کاروانم را غبارسته  
طلوع نشسته می مشرقم را آفتابسته  
فغانم را نواهی صورِ محشر همنانسته  
بیانم را رواج شورِ طوفان در رکابسته  
ز خاکم ناله میروید، ز داغم شعله میبالد  
رسیدی گردِ راهسته و دیدی اضطرابسته  
خطائے سرزد از پی صبری و شرمند از نازم  
به محسوس مردن استغنائی قاتل را جوابسته  
دلَم صبح شب وصل تو بر کاشانه می لوزد  
درو باهم به وجود از ذوق بوی رخت خوابسته

زہ جہان و دلم کز عفت دوزخ یادگار ہے  
 خواہا ہا تا سرت کز ہشت گلشن انتخاب ہے  
 دلم میجوئی و از و شک می میرم کہ درستی  
 چرا زان گوشہ ابرو انبارت کامیاب ہے  
 محبت در بلا اندازہ می جوید مقابل را  
 کتانِ ہوش را مر جلودِ گل مہتاب ہے  
 گلویم تشنہ و جان و دلم افسردہ، ہ ساقی  
 بدہ نوشینہ داروئے کہ ہم آتش ہم آہ ہے  
 سہاس از جامگی خسوارانِ استغنائی ناز ہے  
 شکایت از دعاگویانِ اندازِ عتاب ہے  
 نگویم ظالمی، اما تو در دل بودہ و آنکہ  
 دلے دارم کہ همچون خانہ ظالم خراب ہے  
 بنال از عمر و ساز عیش کن کز بادِ نوروزی  
 بہ گلشن جلودِ رنگینہ عہدِ شباب ہے  
 ملقبی اوست عالم، غالباً، دیگر نمیدانم  
 گر از خاکست آدم، ہای نام یوترا ہے



++مزمع۳۳++

از جسم به جان نقاب تاکے  
 این گنج درین خواب تاکے  
 این گوهرِ بر فروغ، یا رب  
 آلوده خاک و آب تاکے  
 این راهرو مسالکِ قدس  
 واماندہ خورد و خواب تاکے  
 بیتابی برقِ جز دمی نیست  
 ما وین غمہ اضطراب تاکے  
 جان در طلبِ نجات تا چند  
 دل در تعبِ عتاب تاکے  
 برش ز تو بحساب باید  
 غمہای مرا حساب تاکے  
 غالب، بہ چنین کشاکش اندر  
 یا حضرتِ ہوتِ ربؑ تاکے

(بین ۵۱۸۶۱/۵۱۸۶۷-۵۱۸۶۷ و اواسط ۵۱۸۶۷/۵۱۸۶۷)  
 ثلث اول ۵۱۸۶۷)

# فرداتِ غزل

نازمِ آن فتنہ کہ در دشت بہ غمخواری لبس  
لبی از نالہ فرود آید و محملِ پرود

دو روز دہر کن اے سرگِ خالصاۃ  
مگر بہمنِ رسید آن واپہ کہ در راہست

\*عبودیت نکند انتضای خواہشِ کار (۱)  
دعا بہ صیغہ امر است و امر بے ادبی است

گفتنی نیست کہ بر غالبِ ناکام چہ رفت  
میتوان گفت کہ این بندہ خداوندِ نداشت

ہو کہ بہ ہنجارِ نوزخمہ ز تارِ آوری  
کن فیکونِ دگر بر سرِ کارِ آوری

---

فردات : پہلی فرد سید چین سے 'دوسری' تیسری اور پانچویں باغِ دودر سے  
اور چوتھی پنج آہنگ (خطِ ہمام نہیں بخشِ حقیر) سے لی گئی ہے۔ تیسری فرد  
انتخابِ غالب سے بھی ہے۔

\*غالب کی اس زمین میں غزل ہے، مگر اس شعر کو انہوں نے غزل میں  
شامل نہیں کیا۔

۱۔ کام (انتخابِ غالب، تصحیح جناب امتیاز علی عروسی)

فاتمه  
مکاشسته  
غالب

## خاتمه دیوان فارسی

بزدان را که سخن آفرید و زبان را به رنگ و رنگ شیوه گویا کرد،  
جهان جهان نیايش و روزگار را که در نگاهش ستوده روشی بیش آورد و  
نگارندگان را به نواي کلکم سرخوش نشاط جاوید ساخت، هزار آفرین و  
پیشینه و هروان فراخاي سخن را به سرمزلی نیکنامی با هزار زبای کشیده  
و بند از کمر کشاده، به سایه نخلهاي فراوان برگ آسیده بارگی را به چرا  
سرداده اند، از من که واپسین این فروهیده کاروان و گزین بادیه نوردان  
از دنباله روانم فراوان درود باد -

همانا گرایش افدیشه به نواسنجی این پژوهش در خواہ فیضانِ همت است  
و گدیده اثرهاي قبول که به تنومندی آن معنوی نیرو کار از بیش توان برد  
و به کرانمایگی این آسینی عطیه برگزیده نازمینوان کرد - کران پذیرفتن  
جاده این خجسته راه که خرد گره کشائی آنرا به بستن شیرازه اجزای  
نخستین دیوان تأویل فرماید، اگر دیرتر اتفاق افتاد، رفتگان، که اگر  
آشکارا بیان خرده نگیرند، گویم که یکی از ایشانم و بالجمله روی سخن  
به پیشانست، گمان نبرند که رهگذر تنگ بود یا راه انجام لنگ - حاشا  
که رهرو را بردل از نگارین رباطهاي سواره بندے و خوی را به  
مهر راه نشینان مرحله پیولمے پوده باشد -

فرد :

در سلوک از هر چه پیش آمد گذشتن داشتم

کعبه دیدم، نقش پای رهروان نامیدم

گویند چون چنین است درنگ از چه روی و گراهبانی را چه عذر؟  
 هان و هان، رخشے بدان تومنی که عنانش موی و مشامش بوی  
 بر تافتے و از شمعوسی گام به درازی نهدام، جز به پنهان نشانتے، از  
 ترسندہ دل عنانش کشیدہ و به لایۃ آواز بوسہ اش آرمیدہ داشتے۔ چون  
 باوے از راه بدینگونه کہ بر شمر دم، بریدہ شد و روز بلند گشت، ہم  
 جوشی تندہ توسن فرونشست و ہم دست و پای سوار از عنان و رکاب  
 خستگی پذیر آمد۔ ناپ مہر نیمروز مغز در سر سوار گذاخت و لفتگی رہی  
 یابان نعل در پای تگلور نرم کرد۔ رائی را دم و کرہ را قدم به گداز  
 آمد۔ ہم آن به آخر گرائید و ہم این را به ہستہ نیاز آمد۔ توانائی  
 به چارہ سگالی تومنی سر آمد و در هنگام گسستہ دمی خستگی روی آورد۔  
 چہ می سرایم، چہ می سنجی؟ از روزیکہ شعاوے سنین عمر از آحاد فرا ترک  
 رفت و در رشتہ حساب زحمت یازدہمین گرہ به خود بر گرفت، اندیشہ  
 در روارو کام فراخ برداشت و گریوہ و مغاک بادبہ سخن پیمودن  
 آغاز نہاد۔

تا امروز کہ از ہجرت خاتم الانبیاء علیہ التحیۃ والثناء یکہزار (۱) و  
 دویسد و ہفتاد و ہشت سال گذشتہ رصد نگار طالع من بانداز خرامشی بہیک  
 آسمانی در مشاہدہ آثار سال شصت و ششم (۲) است، هنوز شخصی اندیشہ  
 کیخسرو این جام و افلاطون این خم است۔

رباعی:

غالب چو ز نواسائی فرجام نصیب  
 ہم بیم عدو دارم و ہم فوق حبیب  
 تاریخ ولادت من از عالم قدس  
 ہم "شورش شوق" آمد و ہم لفظ "غریب"

کهست تا از من پرسد و اگر فاهرسیده گویم، دردش فرود آید ؟  
 درین سی سال همت را با فطرت چه آویزشها روی داده و پس از آنکه  
 بدانجا رسیده که از کوفتگی همدگر فرومانده، میانجی گوی توفیق  
 به کدام قرارداد آشتی اتفاق افتاده - خامه دیر جنبش بود و شوق  
 زود گوی - گفتاورها از تهیپ دورباش اندیشه به درازنای فاصله دل و زبان  
 خون شد و اگر ناگه از دل بر زبان رسید، والا بسیجی همت آن را  
 به خامه نسپرد -

هر چند پیش که یزدانی سروش است دوسراغاز نیز گزیده گوی  
 و پسندیده جوی بود، اما بیشتر از فراخ روی بی جاده نشانسان برداشته  
 و کژی رفتار آنان را لغزشی مستانه انگاشته، تا هم در آن نگاهو پیش خرامان را  
 بدخجستگی اوزشی همقدمی که درین یافتند، مهر بجشید و دل از آرزوم  
 به درد آند - اندوه آوازی های من خوردند و آسوزگارانه درین نگرستند -  
 شیخ علی حزمین به خنده زیر لبی بیراهه روی های مرا در نظرم جلوه گر  
 ساخت و زهرنگه طالب آملی و برق چشم عرفی شیرازی ماده آن  
 هرزه جنبش های ناروا در پای ره پیمای من سوخت - ظهروی به سرگرمی  
 گبرانی نفس هرزه به بازوی و توشه به کمر بست - نظیری لا آبال  
 خرام به هنجار خاصه خودم به چالش آورد - اکنون به بدن قره پرورش آسوخگی  
 این گروه سرشته شگوه کلک رقاصی من به خرابش قدروست و  
 به راسش موسیقار - به جلوه طائوس است، و به پرواز علقا - آنچه درین اوراق از  
 قطعه و منبری و قصیده و غزل و رباعی فراهم آمده، همگی ده هزار و چهارصد  
 و بست و چهار (۱۰۴۴) بیت است که هر یک پیرایه گلوی بسمل و آویزه  
 گویی دل تواند بود - یارب، این ستار به صحرای نهاده و این گنجینه در گشاده

را از دستبردِ معنی دزدان و ترکِ تازی غلط نگاران در امان و گهرهای آبدار این  
 ذخیره را بدان روشِ مستانه بر زبان‌ها روان داری که هرچه در عرضِ  
 پیمایشِ ابریشمِ بیان از فرطِ صفا بلغزد، تا به مغزِ دل فرو نرود، از غلطانی  
 باز نایستد.

رباعی :

گر ذوقِ سخن به دهر آئین بودے  
 اشعارِ مرا شهرتِ پروین بودے  
 غالب، اگر این فنِ سخن دین بودے  
 آن دین را ایزدی کتاب این بودے

---

## فہارس و تعلیقات



# فهرست غزلیات

| غزل   | قائده و ردیف         | صلحه | غزل | قائده و ردیف      | صلحه |
|-------|----------------------|------|-----|-------------------|------|
| (الف) |                      |      |     |                   |      |
| ۱     | هنگامه را            | ۱    | ۳۰  | چونهم ما          | ۳۲   |
| ۲     | بیکناهان را          | ۳    | ۳۱  | ونگ را            | ۳۳   |
| ۳     | پتان را              | ۴    | ۳۲  | عقاب را           | ۳۴   |
| ۴     | اعمال ما             | ۶    | ۳۳  | جان را            | ۳۶   |
| ۵     | گلزار ما             | ۸    | ۳۴  | پهلو را           | ۳۸   |
| ۶     | مارا                 | ۹    | ۳۵  | کشت ما            | ۳۹   |
| ۷     | بدگمانی را           | ۱۱   | ۳۶  | خدائی را          | ۴۰   |
| ۸     | سینه ما              | ۱۳   | ۳۷  | چاره‌اره را       | ۴۲   |
| ۹     | عیانست مرا           | ۱۴   | ۳۸  | شاهی را           | ۴۳   |
| ۱۰    | دامن ما              | ۱۵   | ۳۹  | ویرانه ما         | ۴۵   |
| ۱۱    | راهگذر بسته ایم ما   | ۱۶   | ۴۰  | دامان ترا         | ۴۶   |
| ۱۲    | آئینه‌دار خودیم ما   | ۱۸   | ۴۱  | غمان را           | ۴۷   |
| ۱۳    | شبه                  | ۱۹   | ۴۲  | جادو بیاتان را    | ۴۹   |
| ۱۴    | پارمائیها            | ۲۱   | ۴۳  | دانا              | ۵۰   |
| ۱۵    | ستم را               | ۲۲   |     | کلم ما            | ۵۱   |
| ۱۶    | دگر میتوان فریفت مرا | ۲۳   | (ب) |                   |      |
| ۱۷    | انتظار بیا           | ۲۵   | ۵۵  | راحم درویش        | ۶۲   |
| ۱۸    | پیغام را             | ۲۶   | ۵۶  | گرایند، چه عجب    | ۶۳   |
| ۱۹    | تلب و تیم را         | ۲۸   | ۵۷  | رانده است امشب    | ۶۵   |
| ۲۰    | جهرانی مرا           | ۲۹   | ۵۸  | قلی میکنم امشب    | ۶۶   |
| ۲۱    | کیم ما               | ۳۰   | (پ) |                   |      |
| ۲۲    | اضطراب ما            | ۳۱   | ۵۹  | دمیدنست محسب      | ۶۷   |
| ۲۳    | زمانی را             | ۳۳   | (ت) |                   |      |
| ۲۴    | پرداختن ما           | ۳۴   | ۶۰  | بیان معجز است     | ۶۸   |
| ۲۵    | هوس ما               | ۳۵   | ۶۱  | ما نیست           | ۶۹   |
| ۲۶    | بیترازان را          | ۳۷   | ۶۲  | بی اثر افتاده است | ۷۱   |
| ۲۷    | سینه تابش را         | ۳۸   | ۶۳  | رزمکه کیست        | ۷۲   |
| ۲۸    | پیاپی ما             | ۴۰   | ۶۴  | چلو خیمه کیست     | ۷۳   |
| ۲۹    | خنگش را              | ۴۱   |     |                   |      |

| موضوعه | غزل | تألیفه و ردیف   | صفحه | غزل | تألیفه و ردیف    | صفحه |
|--------|-----|-----------------|------|-----|------------------|------|
| ۱۲۴    | ۹۰  | التماسی کیست    | ۷۵   | ۵۵  | دور بینی ست      |      |
| ۱۲۳    | ۹۱  | نمایانم سوخت    | ۷۶   | ۵۶  | جان نمکست        |      |
| ۱۲۶    | ۹۲  | کریهست          | ۷۷   | ۵۷  | گدائی تو نیست    |      |
| ۱۲۷    | ۹۳  | دوخته هست       | ۷۹   | ۵۸  | چالفرم است هست   |      |
| ۱۲۸    | ۹۳  | نام چو هست      | ۸۰   | ۵۹  | گازبجا آشت       |      |
| ۱۲۹    | ۹۵  | بو گرفت         | ۸۲   | ۹۰  | دشوار است        |      |
| ۱۳۱    | ۹۶  | تا به هست       | ۸۳   | ۹۱  | چگر قایمست       |      |
| ۱۳۲    | ۹۷  | قاسم است        | ۸۳   | ۹۲  | باز لدانست       |      |
| ۱۳۳    | ۹۸  | استخوان خالیست  | ۸۹   | ۹۳  | یکانه ایست       |      |
| ۱۳۵    | ۹۹  | مشکل انداخت     | ۸۷   | ۹۳  | فلک نظرات        |      |
| ۱۳۶    | ۱۰۰ | بار هست         | ۸۹   | ۹۵  | بار ناز کیست     |      |
| ۱۳۸    | ۱۰۱ | اشکیار ترست     | ۹۰   | ۹۶  | ژلد خوانیم است   |      |
| ۱۳۹    | ۱۰۲ | بے - بیست       | ۹۲   | ۹۷  | بودش نمائند است  |      |
| ۱۴۰    | ۱۰۳ | شرایطه است      | ۹۳   | ۹۸  | بند نیست         |      |
| ۱۴۲    | ۱۰۳ | روان پرور است - | ۹۴   | ۹۹  | احتمالی یقی نیست |      |
| ۱۴۴    | ۱۰۵ | با انداخت       | ۹۶   | ۷۰  | حاصلست           |      |
|        |     | (ث)             | ۹۷   | ۷۱  | حساب است         |      |
| ۱۴۵    | ۱۰۶ | من توین چه بحث  | ۹۸   | ۷۲  | آسودن رفت        |      |
|        |     | (ج)             | ۱۰۰  | ۷۳  | چین پیداست -     |      |
|        |     |                 | ۱۰۱  | ۷۳  | پید بوده است     |      |
| ۱۴۷    | ۱۰۷ | ندودن چه احتیاج | ۱۰۲  | ۷۵  | کنار آمد و رفت   |      |
| ۱۴۸    | ۱۰۸ | هوای ما مستج    | ۱۰۳  | ۷۶  | جهان میبایست     |      |
|        |     | (ج)             | ۱۰۵  | ۷۷  | فراوان شده است   |      |
| ۱۴۹    | ۱۰۹ | بیان هیچ        | ۱۰۶  | ۷۸  | آنچه نام سوخت    |      |
| ۱۵۰    | ۱۱۰ | تمشایی میبج     | ۱۰۸  | ۷۹  | من نیست          |      |
| ۱۵۲    | ۱۱۱ | ایمان دم سبج    | ۱۰۹  | ۸۰  | مانند است        |      |
| ۱۵۳    | ۱۱۲ | غیر کنیم طرح    | ۱۱۱  | ۸۱  | سوتنگری گرفت     |      |
| ۱۵۵    | ۱۱۳ | نظر ها گستاخ    | ۱۱۲  | ۸۲  | عیان نیست        |      |
| ۱۵۶    | ۱۱۳ | وسخ             | ۱۱۳  | ۸۳  | دلیر نتوان گفت   |      |
|        |     | (د)             | ۱۱۴  | ۸۳  | برکاله فروریخت   |      |
|        |     |                 | ۱۱۶  | ۸۵  | رنجیدن نداشت     |      |
| ۱۵۸    | ۱۱۵ | چلون ندهد       | ۱۱۷  | ۸۶  | برای تو کیست     |      |
| ۱۵۹    | ۱۱۶ | ولا ریزد        | ۱۱۹  | ۸۷  | عصا خفتست        |      |
| ۱۶۱    | ۱۱۷ | نمی توان افتاد  | ۱۲۰  | ۸۸  | دگرست            |      |
| ۱۶۲    | ۱۱۸ | مراد میدهد      | ۱۲۲  | ۸۹  | گمانی هست        |      |

| صفحه | شزل                 | فایده و ردیف | صفحه | شزل                   | فایده و ردیف |
|------|---------------------|--------------|------|-----------------------|--------------|
| ۲۱۱  | ۱۵۳- ساز دهد        |              | ۱۶۳  | ۱۱۹- نان شد           |              |
| ۲۱۳  | ۱۵۵- پندار یزد      |              | ۱۶۵  | ۱۲۰- قفا می آید       |              |
| ۲۱۳  | ۱۵۶- دلبان میروند   |              | ۱۶۶  | ۱۲۱- غم ندارد         |              |
| ۲۱۶  | ۱۵۷- آبیام ندارد    |              | ۱۶۷  | ۱۲۲- شبانم دادند      |              |
| ۲۱۷  | ۱۵۷- جان نبود       |              | ۱۶۹  | ۱۲۳- بان برعزیز       |              |
| ۲۱۹  | ۱۵۹- شهر یازانند    |              | ۱۷۰  | ۱۲۳- شیدن نشنید       |              |
| ۲۲۰  | ۱۶۰- جفا نیز کنند   |              | ۱۷۱  | ۱۲۵- آزاد بچیند       |              |
| ۲۲۱  | ۱۶۱- بلا دارد       |              | ۱۷۳  | ۱۲۶- زبان رسد         |              |
| ۲۲۳  | ۱۶۲- رهزنی دارد     |              | ۱۷۳  | ۱۲۷- زود میروند       |              |
| ۲۲۳  | ۱۶۳- مردتم باشد     |              | ۱۷۶  | ۱۲۸- حور بود          |              |
| ۲۲۵  | ۱۶۴- کشمیر یزد      |              | ۱۷۷  | ۱۲۹- جوش آمد          |              |
| ۲۲۶  | ۱۶۵- ستم کشد        |              | ۱۷۸  | ۱۳۰- بے نیاز باید بود |              |
| ۲۲۸  | ۱۶۶- کار برد        |              | ۱۸۰  | ۱۳۱- پیچیده را ماند   |              |
| ۲۲۹  | ۱۶۷- نظر گیرد       |              | ۱۸۱  | ۱۳۲- تاهم پدر آورد    |              |
| ۲۳۱  | ۱۶۸- راز ندارد      |              | ۱۸۲  | ۱۳۳- چاشنی و لیزد     |              |
| ۲۳۲  | ۱۶۹- خاموش مباد     |              | ۱۸۳  | ۱۳۴- آرزو کنند        |              |
| ۲۳۳  | ۱۷۰- زمین بوس میبرد |              | ۱۸۵  | ۱۳۵- شیداچه میروند    |              |
| ۲۳۵  | ۱۷۱- کار ماند       |              | ۱۸۶  | ۱۳۶- آستان بر نمی آید |              |
| ۲۳۶  | ۱۷۲- چنین باشد      |              | ۱۸۸  | ۱۳۷- عنوانم نمی آید   |              |
| ۲۳۷  | ۱۷۳- روزگار گردد    |              | ۱۸۹  | ۱۳۸- زمین ثور شود     |              |
| ۲۳۹  | ۱۷۴- روان دارد      |              | ۱۹۰  | ۱۳۹- قفان باد آمد     |              |
| ۲۴۰  | ۱۷۵- سامان خوش نکرد |              | ۱۹۲  | ۱۴۰- روی تو بود       |              |
| ۲۴۱  | ۱۷۶- چندی بود       |              | ۱۹۳  | ۱۴۱- پنهان ماند       |              |
| ۲۴۳  | ۱۷۷- ثلاثم کرده اند |              | ۱۹۳  | ۱۴۲- تو برد           |              |
| ۲۴۳  | ۱۷۸- دین گوید       |              | ۱۹۶  | ۱۴۳- کار نداند        |              |
| ۲۴۵  | ۱۷۹- در زد          |              | ۱۹۷  | ۱۴۴- کهن فرو روزد     |              |
| ۲۴۶  | ۱۸۰- کم گردد        |              | ۱۹۹  | ۱۴۵- نظر گذرد         |              |
| ۲۴۸  | ۱۸۱- غایب مو داد    |              | ۲۰۰  | ۱۴۶- آبیام شد         |              |
| ۲۴۹  | ۱۸۲- آستان بگرداند  |              | ۲۰۲  | ۱۴۷- غم نرسد          |              |
| ۲۵۰  | ۱۸۳- کمان بچیناند   |              | ۲۰۳  | ۱۴۸- صدا ندارد        |              |
| ۲۵۱  | ۱۸۳- رسیده باد      |              | ۲۰۵  | ۱۴۹- فریاد میزند      |              |
| ۲۵۳  | ۱۸۵- دوش نکردند     |              | ۲۰۶  | ۱۵۰- برهیز گفته اند   |              |
| ۲۵۳  | ۱۸۶- تجارت فرود     |              | ۲۰۷  | ۱۵۱- شراب زد          |              |
| ۲۵۵  | ۱۸۷- گفتار آورد     |              | ۲۰۹  | ۱۵۲- دور افتند        |              |
| ۲۵۷  | ۱۸۸- سویی با آراند  |              | ۲۱۰  | ۱۵۳- سرے باشد         |              |
| ۲۵۸  | ۱۸۹- خدا گویند      |              |      |                       |              |

| صفحہ | غزل قافیہ وردیف           | صفحہ | غزل قافیہ وردیف             |
|------|---------------------------|------|-----------------------------|
| ۲۹۵  | ۲۱۷- تابلی                | (ذ)  |                             |
| ۲۹۷  | ۲۱۸- متعمالتی             | ۲۵۹  | ۱۹۰- میزد از کافز           |
| (ص)  |                           | (ر)  |                             |
| ۲۹۸  | ۲۱۹- بلا برقص             | ۲۶۰  | ۱۹۱- بہارانی بر             |
| (ض)  |                           | ۲۶۲  | ۱۹۲- بہار است بہار          |
| ۲۹۹  | ۲۲۰- جان میدہد خوش        | ۲۶۳  | ۱۹۳- دہدتم بیکر             |
| (ط)  |                           | ۲۶۴  | ۱۹۴- من یاد آر              |
| ۳۰۱  | ۲۲۱- وفا بوردہ است شرط    | ۲۶۶  | ۱۹۵- بسر بر                 |
| ۳۰۲  | ۲۲۲- زبان تو غلط بودہ غلط | ۲۶۷  | ۱۹۶- نشانی بہ من آو         |
| (ظ)  |                           | ۲۶۸  | ۱۹۷- سر آو                  |
| ۳۰۳  | ۲۲۳- روزگار چہ خط         | ۲۶۹  | ۱۹۸- بخروش آو               |
| ۳۰۴  | ۲۲۴- سقر چہ خط            | ۲۷۱  | ۱۹۹- خاکش شکر               |
| (ع)  |                           | (ز)  |                             |
| ۳۰۶  | ۲۲۵- تہ شمع               | ۲۷۲  | ۲۰۰- نظرم ریز               |
| ۳۰۷  | ۲۲۶- برہمن کشتہ چم        | ۲۷۳  | ۲۰۱- سیار مہاموز            |
| (غ)  |                           | ۲۷۵  | ۲۰۲- تر ہنوز                |
| ۳۰۸  | ۲۲۷- رہگذر دروغ دروغ      | ۲۷۶  | ۲۰۳- گمان برخیز             |
| ۳۰۹  | ۲۲۸- جانان خورم دریغ      | ۲۷۷  | ۲۰۴- جایم ہنوز              |
| (ف)  |                           | (س)  |                             |
| ۳۱۱  | ۲۲۹- شہدا گشت تلف         | ۲۷۹  | ۲۰۵- ہم از من میرس          |
| ۳۱۲  | ۲۳۰- نشانہا بکطرف         | ۲۸۰  | ۲۰۶- عشوہ گرے را چہ کند کسی |
| (ق)  |                           | ۲۸۱  | ۲۰۷- خشمگین شناس            |
| ۳۱۳  | ۲۳۱- تفریق                | ۲۸۲  | ۲۰۸- بیرون نکردہ کسی        |
| ۳۱۴  | ۲۳۲- شکایت شوق            | ۲۸۳  | ۲۰۹- شایقی مینویس           |
| (ک)  |                           | (ش)  |                             |
| ۳۱۶  | ۲۳۳- تمنا شود ہلاک        | ۲۸۵  | ۲۱۰- گوش                    |
| ۳۱۷  | ۲۳۴- خاشاک چہ پاک         | ۲۸۷  | ۲۱۱- ناز آوردنشی            |
| ۳۱۸  | ۲۳۵- بار من اندک          | ۲۸۸  | ۲۱۲- غوشی                   |
|      |                           | ۲۸۹  | ۲۱۳- ہستراقلی               |
|      |                           | ۲۹۰  | ۲۱۴- آسمان نامہدیش          |
|      |                           | ۲۹۲  | ۲۱۵- کبر بارش               |
|      |                           | ۲۹۳  | ۲۱۶- برکش                   |

| غزل قافیه وردیف    | صفحه | غزل قافیه وردیف    | صفحه |
|--------------------|------|--------------------|------|
| ۲۶۷- هوشم          | ۳۶۱  | (گ)                |      |
| ۲۶۸- سفر داشته ایم | ۳۶۳  | ۲۶۶- نیرنگ         | ۳۱۹  |
| ۲۶۹- علم بخشم      | ۳۶۴  |                    | .    |
| ۲۷۰- بریدن هم      | ۳۶۵  | (ل)                |      |
| ۲۷۱- فرسای ندارم   | ۳۶۷  | ۲۶۷- چهل           | ۳۲۱  |
| ۲۷۲- اغیار ندانم   | ۳۶۸  | ۲۶۸- خون رود از دل | ۳۲۲  |
| ۲۷۳- آغاز افکنم    | ۳۶۹  | ۲۶۹- آسان در بغل   | ۳۲۳  |
| ۲۷۴- درمان نبرهم   | ۳۷۱  | ۲۷۰- بوی گل        | ۳۲۵  |
| ۲۷۵- بلند را میرم  | ۳۷۲  | ۲۷۱- غافل          | ۳۲۶  |

## (ن)

|                        |     |                      |     |
|------------------------|-----|----------------------|-----|
| ۲۷۶- نواگر کن          | ۳۸۴ | ۲۶۷- برافکنم         | ۳۲۷ |
| ۲۷۷- روم شان           | ۳۷۵ | ۲۶۸- گمراهیم         | ۳۲۹ |
| ۲۷۸- میتوان گشتن       | ۳۷۶ | ۲۶۹- روانه کرده ایم  | ۳۳۰ |
| ۲۷۹- جان نشانان        | ۳۷۸ | ۲۷۰- آزاد خودم       | ۳۳۱ |
| ۲۸۰- بر گران خواهم شدن | ۳۷۹ | ۲۷۱- اختیار داشته    | ۳۳۲ |
| ۲۸۱- یک بار کشیدن      | ۳۸۱ | ۲۷۲- محشر داشتم      | ۳۳۳ |
| ۲۸۲- عوسست این         | ۳۸۲ | ۲۷۳- سر دارم         | ۳۳۵ |
| ۲۸۳- پای من            | ۳۸۳ | ۲۷۴- خواب بسته ایم   | ۳۳۷ |
| ۲۸۴- ایمان زیستن       | ۳۸۵ | ۲۷۵- بیدارش کنم      | ۳۳۸ |
| ۲۸۵- عتاب شکستن        | ۳۸۶ | ۲۷۶- نگاهش گرفته ایم | ۳۳۹ |
| ۲۸۶- درم داشتن         | ۳۸۸ | ۲۷۷- اشیا نوشته ایم  | ۳۴۰ |
| ۲۸۷- احتراز کردن       | ۳۸۹ | ۲۷۸- درهم افکنم      | ۳۴۲ |
| ۲۸۸- سرمان             | ۳۹۱ | ۲۷۹- رسوائی خویشم    | ۳۴۳ |
| ۲۸۹- خویش میتوان کردن  | ۳۹۲ | ۲۸۰- خبر هم          | ۳۴۴ |
| ۲۹۰- گلستان شناختن     | ۳۹۳ | ۲۸۱- پنهان کرده ایم  | ۳۴۶ |
| ۲۹۱- جانان             | ۳۹۵ | ۲۸۲- کنار افتاده ام  | ۳۴۷ |
| ۲۹۲- سخن خواهد شدن     | ۳۹۶ | ۲۸۳- چکیدن دهیم      | ۳۴۹ |
| ۲۹۳- قرش بین           | ۳۹۸ | ۲۸۴- همزبانی کرده ام | ۳۵۰ |

## (و)

|                        |     |                    |     |
|------------------------|-----|--------------------|-----|
| ۲۹۴- فلانی بشو         | ۴۰۰ | ۲۹۱- اثر بندهام    | ۳۵۳ |
| ۲۹۵- وسوائی ما خمر ازو | ۴۰۱ | ۲۹۲- دلها باقم     | ۳۵۴ |
| ۲۹۶- رسیده گو          | ۴۰۳ | ۲۹۳- نازمی خواهم   | ۳۵۵ |
| ۲۹۷- کمند تو           | ۴۰۴ | ۲۹۴- دهن دارم      | ۳۵۷ |
|                        |     | ۲۹۵- آسمان بگردانم | ۳۵۸ |
|                        |     | ۲۹۶- ماخواستیم     | ۳۶۰ |

## (م)

|                      |     |
|----------------------|-----|
| ۲۶۷- برافکنم         | ۳۲۷ |
| ۲۶۸- گمراهیم         | ۳۲۹ |
| ۲۶۹- روانه کرده ایم  | ۳۳۰ |
| ۲۷۰- آزاد خودم       | ۳۳۱ |
| ۲۷۱- اختیار داشته    | ۳۳۲ |
| ۲۷۲- محشر داشتم      | ۳۳۳ |
| ۲۷۳- سر دارم         | ۳۳۵ |
| ۲۷۴- خواب بسته ایم   | ۳۳۷ |
| ۲۷۵- بیدارش کنم      | ۳۳۸ |
| ۲۷۶- نگاهش گرفته ایم | ۳۳۹ |
| ۲۷۷- اشیا نوشته ایم  | ۳۴۰ |
| ۲۷۸- درهم افکنم      | ۳۴۲ |
| ۲۷۹- رسوائی خویشم    | ۳۴۳ |
| ۲۸۰- خبر هم          | ۳۴۴ |
| ۲۸۱- پنهان کرده ایم  | ۳۴۶ |
| ۲۸۲- کنار افتاده ام  | ۳۴۷ |
| ۲۸۳- چکیدن دهیم      | ۳۴۹ |
| ۲۸۴- همزبانی کرده ام | ۳۵۰ |
| ۲۹۰- اقامت میکنم     | ۳۵۲ |
| ۲۹۱- اثر بندهام      | ۳۵۳ |
| ۲۹۲- دلها باقم       | ۳۵۴ |
| ۲۹۳- نازمی خواهم     | ۳۵۵ |
| ۲۹۴- دهن دارم        | ۳۵۷ |
| ۲۹۵- آسمان بگردانم   | ۳۵۸ |
| ۲۹۶- ماخواستیم       | ۳۶۰ |

| صفحہ | غزل قافیہ و ردیف        | صفحہ | غزل قافیہ و ردیف     |
|------|-------------------------|------|----------------------|
| ۳۲۹  | ۳۱۵- بخواب از بے        | ۳۰۵  | ۲۹۸- جمال شکر        |
| ۳۳۱  | ۳۱۶- هزار بکے           | ۳۰۷  | ۲۹۹- پشیمان شو       |
| ۳۳۲  | ۳۱۷- عیانستے            | ۳۰۸  | ۳۰۰- کند ناخا عر     |
| ۳۳۳  | ۳۱۸- ادا کئے            |      | (۵)                  |
| ۳۳۵  | ۳۱۹- چائے کہ داشتی داری |      |                      |
| ۳۳۶  | ۳۲۰- بوان بگردانی       | ۳۰۹  | ۳۰۱- بہاران زدہ      |
| ۳۳۷  | ۳۲۱- تماشا کی کہسی      | ۳۱۱  | ۳۰۲- رم گرفتہ        |
| ۳۳۹  | ۳۲۲- غمخوارے            | ۳۱۲  | ۳۰۳- دو آہنہ         |
| ۳۴۰  | ۳۲۳- یاد کردے           | ۳۱۳  | ۳۰۴- خواب خواہ       |
| ۳۴۱  | ۳۲۴- غلی را مانی        | ۳۱۶  | ۳۰۵- کراہار ہوئے     |
| ۳۴۲  | ۳۲۵- آرزے ندھی          | ۳۱۷  | ۳۰۶- غوغا کردہ       |
| ۳۴۳  | ۳۲۶- انگیز، بے          | ۳۱۹  | ۳۰۷- آسودگان بُد     |
| ۳۴۵  | ۳۲۷- خشود نیامی         | ۳۲۰  | ۳۰۸- ساز دہ          |
| ۳۴۹  | ۳۲۸- زبان، ہلے          | ۳۲۱  | ۳۰۹- چان زدہ         |
| ۳۴۸  | ۳۲۹- میراب، کجانی       | ۳۲۳  | ۳۱۰- گوانے لہادہ     |
| ۳۴۹  | ۳۳۰- لنگ آرد ہی         | ۳۲۳  | ۳۱۱- غوغاست پنداری   |
| ۳۵۰  | ۳۳۱- داجری              | ۳۲۵  | ۳۱۲- سرودے، چہ غمستے |
| ۳۵۲  | ۳۳۲- آفتابستے           | ۳۲۷  | ۳۱۳- رقمستے          |
| ۳۵۳  | ۳۳۳- تابستے             | ۳۲۸  | ۳۱۴- بارے            |
| ۳۵۵  | ۳۳۴- نقاب تاجے          |      |                      |

اختلافات نسخ  
(از ۱۸۲۸ تا ۱۸۶۳ع)

[illegible]

| ردیف | تاریخ | محل   | شرح   | ملاحظات |
|------|-------|-------|-------|---------|
| ۱    | ۱۳۸۳  | تهران | تهران | تهران   |
| ۲    | ۱۳۸۴  | تهران | تهران | تهران   |
| ۳    | ۱۳۸۵  | تهران | تهران | تهران   |
| ۴    | ۱۳۸۶  | تهران | تهران | تهران   |
| ۵    | ۱۳۸۷  | تهران | تهران | تهران   |
| ۶    | ۱۳۸۸  | تهران | تهران | تهران   |
| ۷    | ۱۳۸۹  | تهران | تهران | تهران   |
| ۸    | ۱۳۹۰  | تهران | تهران | تهران   |
| ۹    | ۱۳۹۱  | تهران | تهران | تهران   |
| ۱۰   | ۱۳۹۲  | تهران | تهران | تهران   |
| ۱۱   | ۱۳۹۳  | تهران | تهران | تهران   |
| ۱۲   | ۱۳۹۴  | تهران | تهران | تهران   |
| ۱۳   | ۱۳۹۵  | تهران | تهران | تهران   |
| ۱۴   | ۱۳۹۶  | تهران | تهران | تهران   |
| ۱۵   | ۱۳۹۷  | تهران | تهران | تهران   |
| ۱۶   | ۱۳۹۸  | تهران | تهران | تهران   |
| ۱۷   | ۱۳۹۹  | تهران | تهران | تهران   |
| ۱۸   | ۱۴۰۰  | تهران | تهران | تهران   |
| ۱۹   | ۱۴۰۱  | تهران | تهران | تهران   |
| ۲۰   | ۱۴۰۲  | تهران | تهران | تهران   |
| ۲۱   | ۱۴۰۳  | تهران | تهران | تهران   |
| ۲۲   | ۱۴۰۴  | تهران | تهران | تهران   |
| ۲۳   | ۱۴۰۵  | تهران | تهران | تهران   |
| ۲۴   | ۱۴۰۶  | تهران | تهران | تهران   |
| ۲۵   | ۱۴۰۷  | تهران | تهران | تهران   |
| ۲۶   | ۱۴۰۸  | تهران | تهران | تهران   |
| ۲۷   | ۱۴۰۹  | تهران | تهران | تهران   |
| ۲۸   | ۱۴۱۰  | تهران | تهران | تهران   |
| ۲۹   | ۱۴۱۱  | تهران | تهران | تهران   |
| ۳۰   | ۱۴۱۲  | تهران | تهران | تهران   |
| ۳۱   | ۱۴۱۳  | تهران | تهران | تهران   |
| ۳۲   | ۱۴۱۴  | تهران | تهران | تهران   |
| ۳۳   | ۱۴۱۵  | تهران | تهران | تهران   |
| ۳۴   | ۱۴۱۶  | تهران | تهران | تهران   |
| ۳۵   | ۱۴۱۷  | تهران | تهران | تهران   |
| ۳۶   | ۱۴۱۸  | تهران | تهران | تهران   |
| ۳۷   | ۱۴۱۹  | تهران | تهران | تهران   |
| ۳۸   | ۱۴۲۰  | تهران | تهران | تهران   |
| ۳۹   | ۱۴۲۱  | تهران | تهران | تهران   |
| ۴۰   | ۱۴۲۲  | تهران | تهران | تهران   |
| ۴۱   | ۱۴۲۳  | تهران | تهران | تهران   |
| ۴۲   | ۱۴۲۴  | تهران | تهران | تهران   |
| ۴۳   | ۱۴۲۵  | تهران | تهران | تهران   |
| ۴۴   | ۱۴۲۶  | تهران | تهران | تهران   |
| ۴۵   | ۱۴۲۷  | تهران | تهران | تهران   |
| ۴۶   | ۱۴۲۸  | تهران | تهران | تهران   |
| ۴۷   | ۱۴۲۹  | تهران | تهران | تهران   |
| ۴۸   | ۱۴۳۰  | تهران | تهران | تهران   |
| ۴۹   | ۱۴۳۱  | تهران | تهران | تهران   |
| ۵۰   | ۱۴۳۲  | تهران | تهران | تهران   |



|              |              |              |              |              |                 |                 |              |      |    |    |
|--------------|--------------|--------------|--------------|--------------|-----------------|-----------------|--------------|------|----|----|
| ایستاده ما   | ایستاده ما   | ایستاده ما   | ایستاده ما   | ایستاده ما   | ایستاده ما      | ایستاده ما      | ایستاده ما   | مطلع | ۳۹ | ۵۶ |
| کرده         | کرده         | کرده         | کرده         | کرده         | کرده            | کرده            | کرده         | مطلع | ۴۰ | ۵۶ |
| زخون         | زخون         | زخون         | زخون         | زخون         | زخون            | زخون            | زخون         | ۲    | ۴۰ | ۵۶ |
| چشم          | چشم          | چشم          | چشم          | چشم          | چشم             | چشم             | چشم          | ۲    | ۴۰ | ۵۶ |
| افزاده       | خیم گشته     | خیم گشته     | افزاده       | افزاده       | خیم گشته        | خیم گشته        | خیم گشته     | ۸    | ۴۱ | ۵۸ |
| گدایان       | گدایان       | گدایان       | گدایان       | گدایان       | گدایان          | گدایان          | گدایان       | ۸    | ۴۱ | ۵۸ |
| عادلان       | عادلان       | عادلان       | عادلان       | عادلان       | عادلان          | عادلان          | عادلان       | مطلع | ۴۱ | ۵۸ |
| بدان         | بدان         | بدان         | بدان         | بدان         | بدان            | بدان            | بدان         | مطلع | ۴۲ | ۶۰ |
| برسر         | برسر         | برسر         | برسر         | برسر         | براسب           | براسب           | براسب        | ۷    | ۴۵ | ۶۲ |
| اروخ         | اروخ         | اروخ         | اروخ         | اروخ         | اروخ            | اروخ            | اروخ         | مطلع | ۴۹ | ۶۴ |
| معمل         | معمل         | معمل         | معمل         | معمل         | معمل            | معمل            | معمل         | مطلع | ۴۷ | ۶۵ |
| خیالی و وحشت | خیالی و وحشت | خیالی و وحشت | خیالی و وحشت | خیالی و وحشت | از خیالی و وحشت | از خیالی و وحشت | خیالی و وحشت | ۳    | ۴۷ | ۶۵ |
| این ابیات    | این ابیات    | این ابیات    | این ابیات    | این ابیات    | این ابیات       | این ابیات       | این ابیات    | ۵۴۲  | ۴۷ | ۶۵ |
| را دارد      | را دارد      | را دارد      | را دارد      | را دارد      | را دارد         | را دارد         | را ندارد     |      |    |    |
| عمر که       | عمر که       | داد خواره    | داد خواره    | داد خواره    | داد خواره       | داد خواره       | داد خواره    | مطلع | ۵۴ | ۷۴ |



[illegible]







[illegible]





[illegible]



[illegible]





## تکمله

اختلافات نسخ از روی متنی 'گل رعنا'

| صفحه | غزل | بیت  | گل رعنا: نسخه های لاهور |      |              |
|------|-----|------|-------------------------|------|--------------|
| ۳۲   | ۲۲  | ۸    | 'چشم'                   | بجای | 'ذوق'        |
| ۳۳   | ۲۳  | ۳    | 'روان'                  | ..   | 'دل'         |
| ۸۲   | ۶۰  | ۹    | 'هنوزش وجود'            | ..   | 'وجودش هنوز' |
| ۱۶۵  | ۱۲۰ | ۶    | 'گر'                    | ..   | 'تا'         |
| ۱۷۹  | ۱۳۰ | ۶    | 'جلوه گر آید'           | ..   | 'جلوه نماید' |
| ۲۷۸  | ۲۰۳ | ۳    | 'سر'                    | ..   | 'سوج'        |
| ۳۸۱  | ۲۸۰ | مقطع | 'زخم'                   | ..   | 'دردم'       |



صائب کی ایک غزل جس کا ایک مصرع یہ ہے  
 ہر لحظہ دارم فیتی چوں قرعہ رسالہا

اس غزل میں اسی نے ایک جگہ احوالہا لکھا ہے ۔ داد کا طالب غالب“  
 (خطوط غالب، ۱۵۴۳، خط ۶، نام قدو ہنگرامی)

۵ : ۸ : قب : امیر خسرو، ظہوری، نظیری، صائب، طالب، حزین،  
 بیدل، قتیل\*، صنی قزوینی

۶ : ۹ : قب : امیر خسرو، حافظ، ظہوری، نظیری، صائب، طالب،  
 حزین، بیدل، قتیل\*، غنی، ناصر علی، قدسی، جوہا، ہلالی

۷ : ۱ : قب : صائب، حزین، بیدل، قتیل، غنی، صنی، جوہا، عالی  
 ب : ۹ : شائستہ جائقہ ذکر بدخوئی معشوق یا بیان سطوت حاکم  
 درمیان باشد  
 (غالب، پ)

۸ : ۱۳ : قب : نظیری، صائب، حزین، قدسی، فغانی، ناصر علی  
 ۹ : ۱۳ : قب : قتیل\*، طاہری، صنی

ب : ۳ : لائق معاملہ بیع و شری در صورتیکہ کاتب با بیع و مشتری  
 مکتوب الیہ باشد  
 (غالب، پ)

۱۰ : ۱۵ : قب : طالب، ناصر علی

۱۱ : ۱۶ : قب : منت\*

ب : ۲ : اظہار نسبت ارادت بروی استفہام،

ب : ۷ : طلب تفقد بذریعہ پختاشش بر طمع خام  
 (غالب، پ)

۱۲ : ۱۸ : قب : ×

ب : ۷ : نازش بر نسبت تعارف اگرچہ دوست شمعخوار نباشد

(غالب، پ)

ب : ۸ : در اظہار گوشہ نشینی و خلوت گزینی (غالب، پ)

۱۳ : ۱۹ : قب : امیر خسرو، صائب، حزین، بیدل، قتیل، ہلالی، جوہا

۱۴ : ۲۱ : قب : بیدل، قتیل



۱۵ : ۲۲ : قُب : امیر خسرو، فیضی، بیدل\*

ب : ۶ : پیاسخ نامه که مضمون عتاب داشته باشد (غالب، پ)

۱۶ : ۲۳ : X

۱۷ : ۲۵ : قُب : شوکت

ب : ۸ : وعده‌های دوست بیادش دادن و فراخور آن شگفتگی در خواستی  
(غالب، پ)

ب : ۵ : تلقین یونانی از غیر بدلیل ظهور این مفت با خویش  
(غالب، پ)

۱۸ : قُب : امیر خسرو، هلالی

۱۹ : ۲۸ : قُب : بیدل\*

ب : ۳ : در آرزوی ملاقات با بزرگان

(غالب، پ)

۲۰ : ۲۹ : قُب : صائب، بیدل، قنسی

ب : ۵ : برای شکوه باعنی لطیف عاشقانه تراشیدن (غالب، پ)

۲۱ : ۳۰ : قُب : بیدل، جويا

۲۲ : ۳۱ : قُب : قتیل

۲۳ : ۳۳ : قُب : نظیری، صائب، طالب آملی، حزین، بیدل، قتیل،

جلال امیر، ناصر علی، غنی

۲۴ : ۳۴ : قُب : X

۲۵ : ۳۵ : قُب : ظهوری، صائب، بیدل، واقف، جلال امیر،

صفی قزوینی

۲۶ : ۳۷ : قُب : حزین، ناصر علی، جويا، هلالی

۲۷ : ۳۸ : قُب : صائب، حزین، بیدل، قتیل، واقف، ناصر علی، جويا

ب : ۹ : ابراز رشک نسبت بناسه‌بر ور مشاهده جمال دوست

(غالب، پ)

۲۸ : ۴۰ : قرب : صائب، فغانی، ناصر علی، قنسی

ب : ۸ : بیان ناسودمندی کوشش در باره حصول مطلب  
(غالب، پ)

۲۹ : ۴۱ : قرب : جويا

ب : ۶ : بیان کلفت ناسازی پخت و اندوه پیش نیامدن دولت  
(غالب، پ)

۳۰ : ۴۲ : قرب : شیدا تکلو

۳۱ : ۴۳ : قرب : امیر خسرو، بیدل

۳۲ : ۴۴ : قرب : امیر خسرو، صائب، طالب، بیدل، غنی، ناصر علی،  
قنسی

ب : ۱ : شرح ماجرای خوبی دوست بهتاب آبخسته بناز (غالب، پ)

۳۳ : ۴۶ : قرب : صائب، حزین، بیدل، قتیل، واقف، جلال اسیر، غنی،  
لالی، جويا، همايون

۳۴ : ۴۸ : قرب : فیضی، قتیل، صفی قزوینی، عالی، غنی، ناصر علی،  
جويا، لالی

۳۵ : ۴۹ : قرب : صائب

ب : ۸ : ذریعه این اندوه که اگر ملاست بجاست قطع نظر تحسین  
هنر چراست  
(غالب، پ)

۳۶ : ۵۰ : قرب : امیر خسرو، فیضی، صائب، حزین، قتیل، مخفی

۳۷ : ۵۲ : قرب : فیضی، صائب

۳۸ : ۵۳ : قرب : حزین، فغانی، غنی، ناصر علی

ب : ۱۰ : عذر گستاخی خواسته و نادر رضاشناسی خود را شفیع  
جرأت ساختن  
(غالب، پ)

۳۹ : ۵۵ : قرب : امیر خسرو، ظهیری، صائب، حزین، واقف، غنی،  
ناصر علی، قنسی

۴۰ : ۵۶ : قرب : امیر خسرو، ظهیری، صائب، حزین، بیدل، قتیل،  
صفی قزوینی، غنی، جويا

۳۱ : ۵۷ : قب : فغانی

۳۲ : ۵۹ : قب : ×

۳۳ : ۶۰ : قب : وصال\*

۳۴ : ۶۱ : قب : عرفی، نظیری، صائب، حزین

۳۵ : ۶۲ : قب : بیدل

۳۶ : ۶۳ : قب : ×

۳۷ : ۶۵ : قب : ×

۳۸ : ۶۶ : قب : طالب\*

۳۹ : ۶۷ : قب : شمس تبریزی<sup>۲</sup>، باقر\*

ب : ۲ : برانگیختن خاطر دوست بتماشای جهان وضع افسردہ دلی  
(غالب، ب)

۵۰ : ۶۸ : قب : حسن\*

۵۱ : ۶۹ : قب : فلموری، بیدل، نظیری

۵۲ : ۷۱ : قب : نظیری

۵۳ : ۷۲ : قب : نظیری، صائب، حزین، قتیل، قدسی

۵۴ : ۷۳ : قب : نظیری، صائب، طالب، حزین، قتیل، قدسی، عالی،

۵۵ : ۷۵ : قب : امیر خسرو\*

پ : ۲ : شرح شدت ہی برگ و نوائی پرورش خاص (غالب، پ)

۵۶ : ۷۶ : قب : ×

۵۷ : ۷۷ : قب : امیر خسرو، واقف\*

پ : ۳ : وعدہ لطف از زبان قاصد اگرچہ پاور نداشتن لیکن از

فرط محبت دل پدان نہادن (غالب، پ)

۵۷ : ۷۷ : ۶ "سب کمر کو بال پاندھتے ہیں شاعر کہتا ہے کہ

استغفر اللہ، بال کو کیا نسبت ہے کمر سے کہ نظر آتی ہی نہیں

اور بال نظر آتا ہے۔ ہاں وہ بال جو ابھی آکا نہیں اس کو کچھ

مشابہت ہے کمر کے ساتھ۔ (غالب)"

(مآثر غالب، ص ۷۶)

۵۸ : ۷۹ : قُب : عربی

ب : ۴ : درساندگی دوست را از آثار انتقام دلازاری وانمودن  
(غالب، ب)

۵۹ : ۸۰ : قُب : ظهوری، عربی، نظیری، طالب، بیدل، فغانی،

۶۰ : ۸۲ : قُب : امیر خسرو\*، صائب، طالب، بیدل، واقف، قتیل،

ناصر علی

ب : ۸ : ترحم دوست را نسبت به خویش از ساختگی گمان کردن  
(غالب، ب)

۶۱ : ۸۳ : قُب : صائب، طالب

۶۲ : ۸۴ : قُب : طالب

۶۳ : ۸۶ : قُب : ظهوری، بیدل، غنی

۶۴ : ۸۷ : قُب : نظیری

۶۵ : ۸۹ : قُب : ظهوری، صائب، بیدل، روسی، صفی ترویشی

۶۶ : ۹۰ : قُب : صائب، بیدل

۶۷ : ۹۲ : قُب : انجام\*

ب : ۱ : در مقام منع تکلیف چاره به تفریب از حد گذشتن درد  
(غالب، ب)

۶۸ : ۹۳ : قُب : عماد فقیه

ب : ۶ : خاطری دوست را بدورباش دوستانه آزرده گستاخی و  
بیدردی کار از پیش بردن  
(غالب، ب)

۶۹ : ۹۴ : قُب : قتیل\*، واقف\*، مغربی، خاشع

ب : ۸ : سزاوار مقامیکه دوست پاسخنامه نکشته باشد و جواب  
وصل مدعا فرو گذاشته باشد  
(غالب، ب)

۷۰ : ۹۶ : قُب : بیدل، حسن، جوای، مغربی

ب : ۱ : برده کشائی را از افلاس پاندا از عاشقانه  
(غالب، ب)

۷۱ : ۹۷ : قب : امیر خسرو، ظہوری، عرفی، نظیری، حزین، بیدل،  
قدسی، عالی

۷۲ : ۹۸ : قب : X

۷۳ : ۱۰۰ : قب : طالب، حزین، قتیل، لغانی

۷۴ : ۱۰۱ : قب : X

پ : ۱ : دوست را نظر بہ بی التفاتی بہ ید تشبیہ دادن و ازان  
نیز ترقی کردن (غالب، پ)

۷۵ : ۱۰۲ : قب : قتیل، عاتل خان وازی، رضی

۷۶ : ۱۰۳ : قب : رضی دانش

پ : ۶ : نویدن نامہ را بر حوادث و مواضع حوائج کردن و از  
نفاذی کہ در گمان خود است لغان بر آوردن (غالب، پ)

۷۷ : ۱۰۴ : قب : مولوی، عالی

۷۸ : ۱۰۶ : قب : واقف، رضای شہدی\*

پ : ۴ : ”مغان شیوہ دلبران . . . ایسے معشوق کہ جو  
مغان شیوہ ہیں اور مغلوں کی جہان اور روشیں ہیں ایک یہ بھی  
ہے کہ ہاتھوں میں سہندی لگائے دھتے ہیں ۔ اور معشوقوں کے  
ہاتھ بھی خٹائی ہوتے ہیں۔“ (نادرات : ۵۸ : خط ۳)

۷۹ : ۱۰۸ : قب : حزین

۷۹ : ۱۰۸ : ۴ : ”بہول باغ سے آیا کرتے ہیں باغ میں ہزاروں بہول  
ہوتے ہیں محلوں میں دس دس پانچ پانچ ہوتے ہیں اور میرا  
دل چمن ہے اور صفحہ انجمن ۔ مضامین اتنے ہی نہ تھے جو  
دیوان میں آ گئے ۔ چمن میں بہول اور دل میں معنی بہت ہیں۔“

۸۰ : ۱۰۹ : قب : صائب

۸۱ : ۱۱۱ : قب : X

۸۲ : ۱۱۲ : قب : ×

۸۳ : ۱۱۳ : قب : فائز\*

۸۴ : ۱۱۳ : قب : ×

۸۵ : ۱۱۶ : قب : ظہوری، واقف

ب : ۷ : ابرازِ این کیفیت کہ محبت اگر بمصدق است و رہ تفاق  
بی توزع ضمیر نیست۔ (غالب، ب)

۸۶ : ۱۱۶ : ۱ : داشتی بمعنی رکھنے کے ہیں لیکن اہل زبان بمعنی  
ہاستی بھی استعمال کرتے ہیں ظہوری :

گر اسیر زلف و کاکلِ گفتہ باشم خویش را  
گفتہ باشم این قدر برخویش بیچیدن نداشت

میرے شعر میں پہلے مصرعہ کا داشت بمعنی رکھنے کے اور  
دوسرے مصرعہ کا داشت بمعنی ہاست ہے۔ مفہوم شعر یہ کہ  
دوست ایسا حیلہ ڈھونڈتا ہے کہ اس کے ذریعہ سے مجھ پر  
خفا ہو۔ چاہتا تھا کہ آزدہ ہو مگر سب نہیں پاتا قضا را کچھ  
دنوں کے بعد رقیب سے معشوق کو ملال ہوا۔ میری جو شامت  
آئی میں نے دوست سے پوچھا کہ رقیب نے کیا گناہ کیا جو  
رانہ درکہ ہوا۔ معشوق اسی گستاخی کو بہانہ عتاب ٹھہرا کر  
آزدہ ہو گیا اب شاعر افسوس کرتا ہے ہائے برسیدن نداشت  
یعنی پوچھنا نہ چاہیے تھا۔

۸۷ : ۱۱۶ : ۵ : عاشق ایک عمر تک منتظر رہا کہ یار مجھے بلاوے  
مگر اس عیار نے نہ بلایا۔ رفتہ رفتہ میں غم سے ایسا زار و ناواں  
ہو گیا کہ طاقت گفتار نہ رہی اور گردِ راہ سے میرے پاؤں الجھنے  
لگے جب اس نے یہ جانا کہ اب نہ آ سکے گا تب بلایا۔ عاشق  
کہتا ہے کہ تو نے میرے بلانے میں دیر کی اور میں اس کی وجہ  
جلد سمجھ گیا کہ تو نے میرے بلانے میں اس واسطے دیر کی کہ  
اس سے پہلے ایسا ضعیف نہ تھا کہ تو بلانے اور میں نہ آؤں۔

دریغ کو یہ نہ سمجھا جائے کہ زود نصیبیٰ پر ہے یا پہلے سے  
بیمار نہ ہونے پر دریغ ہے دوست کی بیوائی اور یہ سبب آزار دہنے  
اور اپنی عمر کے تلف ہونے پر۔

۸۶ : ۱۱۷ : قب : ✕

ب : ۵ : بیانِ تنعمِ دوست و بی برگیِ خود و طلبِ تنقہ  
(غالب، پ)

۸۷ : ۱۱۹ : قب : امیر خسرو، نظیری، صائب

۸۸ : ۱۲۰ : قب : صائب، بیدل

۸۹ : ۱۲۲ : قب : عمادِ قتیہ\*

ب : ۱ : آرایشی عنوانِ حسنِ طلبِ بطفرایِ عجز و ادب  
(غالب، پ)

۹۰ : ۱۲۳ : قب : ✕

۹۱ : ۱۲۴ : قب : حزین، قتیل

۹۲ : ۱۲۶ : قب : ظہوری، صائب، بیدل، فغانی

۹۳ : ۱۲۷ : قب : ✕

۹۴ : ۱۲۸ : قب : فغانی

۹۵ : ۱۲۹ : قب : صائب

ب : ۷ : پایستہ ہمتانیکہ دوست اندوہ دوست را اندک ساختہ  
باشد  
(غالب، پ)

۹۶ : ۱۳۱ : ظہوری، عمادِ قتیہ\*

ب : ۱ : بیانِ بقیۂ کلفت و اندوہِ سلالِ بعدِ سپری شدنیِ روزگار  
دراز در غمِ درد  
(غالب، پ)

ب : ۳ : مناسبِ عبارتِ قلمہ کہ در اہوازِ لوازمِ ناامیدیِ نگارش  
رود  
(غالب، پ)

۹۷ : ۱۳۲ : قب : صائب

۹۸ : ۱۳۴ : قب : بیدل

ب : ۸ : شکرالتغای زبانی و شکوه فقدان عنایتِ دل (غالب، ب)

۹۹ : ۱۳۵ : قب : ظهوری، فیضی، عرفی، نظیری، صائب، حزین،

بیدل، قتیل

ب : ۴ : پیش آمدنِ کار مشکل بجای خطرناکه (غالب، ب)

۱۰۰ : ۱۳۶ : قب : عرفی، قغانی

ب : ۶ : در موقع بیان "شدتِ افلاس" (غالب، ب)

۱۰۱ : ۱۳۸ : قب : امید\*

۱۰۲ : ۱۳۹ : قب : حافظ، ظهوری، عرفی، نظیری، صائب، طالب،

بیدل، عالی

ب : ۴ : در خور بیانِ این معنی که اندک آسایش و فراخِ خاطر

و صفای وقت اگر میسر آمدنِ بزرگمت جستجو نباید داد و به بند

گرد آوردنِ مال نباید افتاد (غالب، ب)

۱۰۳ : ۱۴۰ : قب : حافظ

۱۰۴ : ۱۴۲ : قب : بیدل

۱۰۵ : ۱۴۳ : قب : وحید قزوینی\*، خواجو

۱۰۶ : ۱۴۵ : قب : ظهوری

۱۰۷ : ۱۴۷ : قب : ظهوری

ب : ۶ : تعلیمِ تسلیم

ب : ۸ : شایسته پیدایت نامه که در وصفِ خبر ناخوش باشد

(غالب، ب)

۱۰۸ : ۱۴۸ : قب : ×

۱۰۹ : ۱۴۹ : قب : حزین

۱۱۰ : ۱۵۰ : قب : ×

ب : ۹ : در آرزوگی دوست خود را بعلاقه تعلق تسلی دادن

(غالب، ب)



۱۱۱ : ۱۵۲ : قب : ×

۱۱۲ : ۱۵۳ : قب : انشاء

ب : ۳ : از درد تفاعل فغان پر آوردن (غالب، پ)

۱۱۳ : ۱۵۵ : قب : ظہوری، قتل

ب : ۸ : یاد کردن اختلاطِ زمانِ وصال در ایام ہجر بطریقِ

حسرت (غالب، پ)

۱۱۴ : ۱۵۶ : قب : فیضی

ب : ۱۱ : شائستہ بمقامیکہ این کس بسببِ طولِ زمانِ انتظار از

معاودتِ قاصدِ مایوس شدہ باشد (غالب، پ)

۱۱۵ : ۱۵۸ : قب : سالکِ قزوینی، مولانا یاری

۱۱۶ : ۱۵۹ : قب : واقف، فیضی

۱۱۷ : ۱۶۱ : قب : ×

۱۱۸ : ۱۶۲ : قب : ظہوری، فیضی، حسن

۱۱۹ : ۱۶۳ : قب : قتل، مقصود بیگ تبریزی

ب : سزاوار کہ کسی از تنعم و تمول، برآمدہ در تلاشی معاش

افتادہ باشد (غالب، پ)

۱۲۰ : ۱۶۵ : قب : امیر خسرو، ظہوری، جلالِ اسیر، قاسم انوار

۱۲۱ : ۱۶۶ : قب : ×

۱۲۲ : ۱۶۸ : قب : صائب، حزین

۱۲۳ : ۱۶۹ : قب : سعدی، صائب، حزین

ب : ۱۱ : در موقع بیان بی مہری اقربا (غالب، پ)

”ہمہ عالم“ بدون اخلاقت : میرا شعر :

جزوے از عالم از ہمہ عالم بیہم

ہمچو موئی کہ بتان را زمین برخیزد

خستہ چراغت حامی اعتراضِ ہوا ہے ۔ منشاءِ اعتراضِ یہ کہ

”عالم“ مفرد ہے۔ اس کا ربط ”ہمہ“ کے ساتھ بحسبِ اجتہاد قتل

مذہب ہے۔ قضا وا اس زمانہ میں شاہزادہ کامران درانی کا سفیر  
گورنمنٹ میں آیا تھا۔ کفایت خان اس کا نام تھا۔ اس تک یہ  
قبیلہ پہنچا۔ اس نے اساتذہ کے پان سات شعر ایسے پڑھے جس میں  
”ہمہ عالم“ و ”ہمہ روز“ و ”ہمہ جا“ مرقوم تھا اور وہ اشعار  
قاطع برہان میں مندرج ہیں۔ (خطوطِ غالب : ۳۳۵ : خط  
پیام مولوی عبدالرزاق شاکر)

۱۲۴ : ۱۷۰ : قب : ✕

ب : ۵ : نشود مستانہ در گذارش ذوق استماع پیام دوست  
(غالب، پ)

۱۲۵ : ۱۷۱ : قب : ✕

۱۲۶ : ۱۷۳ : قب : مؤیدالدین نسفی

۱۲۷ : ۱۹۴ : قب : عمادِ قتیہ\*

ب : ۳ : تسکینِ خاطرِ دوست بانظہارِ قرب زبانِ ہلاک خویش  
(غالب، پ)

۱۲۸ : ۱۷۶ : قب : فیضی

۱۲۹ : ۱۷۷ : قب : فیضی، حزن

۱۳۰ : ۱۷۸ : قب : ✕

ب : ۹ : انظہارِ محبتِ خود با دوست باوجودِ بودن وے در  
رضا جوئی غیر  
(غالب، پ)

۱۳۱ : ۱۸۰ : قب : حزن، اشرف، سالک قزوینی، ظفر\*

۱۳۲ : ۱۸۱ : قب : امیر خسرو

ب : ۵ : آغازِ جوابِ مکتوب بہ شکرِ یاد آوریِ محبوب

(غالب، پ)

۱۳۳ : ۱۸۲ : قب : بیدل، اشرف، یوسفی

۱۳۴ : ۱۸۴ : قب : ظہوری، عرفی، نظیری، مائب، حزن، بیدل، واقف

قتیل

۱۳۵ : ۱۸۵ : قب : ✕

ب : ۱ : اختصار در دل به وانمودن یک مثال (غالب، ب)

ب : ۷ : شکوه تغافل ایام گذشته بمشاهده التفات حال

(غالب، ب)

۱۳۶ : ۱۸۶ : قب : صائب

۱۳۷ : ۱۸۸ : قب : ✕

۱۳۸ : ۱۸۹ : قب : قتیل

ب : ۵ : عنوان بیان شدت در فراق (غالب، ب)

۱۳۹ : ۱۹۰ : قب : حافظ

۱۴۰ : ۱۹۲ : قب : حافظ، حزین، سلمیٰ تهرانی

ب : ۳ : تباهی خود را مقصود دوست دانستن و بدان شادمان

بودن (غالب، ب)

ب : ۷ : ابراز این معنی که اگر کار خود بخودی خود سرانجام

دادعایم، نظر به تحقیر تصدیق دوست بوده است (غالب، ب)

۱۴۱ : ۱۹۳ : قب : قدسی\*، وحید\*

۱۴۲ : ۱۹۴ : قب : محسنی تأثیر

ب : ۹ : از باس ادب ستوه آمدن و رخصت شکوه طلبیدن

(غالب، ب)

۱۴۳ : ۱۹۶ : قب : حزین\*، خواجو

۱۴۴ : ۱۹۷ : قب : عرفی، حزین، قدسی\*

ب : ۳ : شعریکه آغاز بیان شکایت بدان توان کرد (غالب، ب)

۱۴۵ : ۱۹۹ : قب : ✕

۱۴۶ : ۲۰۰ : قب : ✕

ب : ۱ : بیان شدت غم

ب : ۸ : مناسب حال کسیکه در ابتدای کار نهایت هلاک رسیده

باشد (غالب، ب)

۱۳۷ : ۲۰۲ : قب : ×

۱۳۸ : ۲۰۳ : قب : واقف، فائز، مولای اسفہانی صفی قزوینی

ب : ۹ : اظہارِ آمادہ بودن خویش بدعایِ پد یا بہ ظلم و استغاثہ  
(غالب، ب)

۱۳۹ : ۲۰۵ : قب : ×

ب : ۵ : اظہارِ ظہورِ اعانت و اقرارِ حصولِ محضِ سابقہ عنایتِ  
ازل  
(غالب، ب)

۱۴۰ : ۲۰۶ : قب : ×

۱۴۱ : ۲۰۷ : قب : فغانی، سلیم تهرانی، ظفر، سلیم طرشتی

۱۴۲ : ۲۰۹ : قب : ×

۱۴۳ : ۲۱۰ : قب : ×

۱۴۴ : ۲۱۱ : قب : لسانی

ب : ۱۰ : در مقامِ این مثل کہ گوئی هنوز روزِ اوّل است

(غالب، ب)

۱۴۵ : ۲۱۳ : قب : مسیح کانی

۱۴۶ : ۲۱۴ : قب : مخفی، نسبتی

۱۴۷ : ۲۱۳ : ۹ : اولِ ماہ - ”یہاں ماہ بمعنی مہینے کے ہے۔ اور اوّل سے

۱۴۸ء، تاریخِ مقصود ہے۔ اوّل راتوں میں بعدِ آدھی رات کے چاند

چھپ جاتا ہے۔ ہں شاعر کہتا ہے کہ هنوز ابتدائےِ حالہ ہے اور

قمرِ زاہد النور ہے۔ اور باوجود اس روزِ افزونیِ دولت کے تیری شرم

سے آخرِ شب کو بھاگ جاتا ہے اور تمام رات تیرے مقابل نہیں

رہ سکتا۔ اس کو حسنِ تعلیل کہتے ہیں۔ یعنی چاند کا اوائل

ماہ قمری میں آخرِ شب غروب ہونا ضروری ہے۔ شاعر نے اس کی

ایک اور وجہ قرار دی ہے۔ ”قط“۔

(نادرۃِ غالب، نامہ ۲۸)

۱۵۷ : ۲۱۶ : قلب : نظیری، صائب، جوہا، صامت  
مقطع میں 'استاد' سے مراد صائب اصفہانی ہے، جسکے مشہور  
شعر،

ما را نگہ چشم تو از چشم تو خوشتر  
بادام صفای گلی بادام ندارد

کا دوسرا مصرعہ غالب نے تضمین کیا ہے۔ سرخوش کے تذکرہ  
کلمات الشعرا میں صامت کے نمونہ کلام کے طور پر یہ شعر  
درج ہے۔

دیوانِ صامت کا قلمی نسخہ نیشنل میوزیم پاکستان، کراچی میں  
ہم نے دیکھا ہے۔ اس میں یہ پوری غزل موجود ہے۔

۱۵۸ : ۲۱۷ : قلب : فائز، باقر، قلندر نیشاپوری\*  
ب : ۷ : توجہ دوست بحال خویش از نائیر جاذبہ دل را نمودن  
(غالب، پ)

۱۵۹ : ۲۱۹ : قلب : حافظ، صائب

۱۶۰ : ۲۲۰ : قلب : امیر خسرو

۱۶۱ : ۲۲۱ : قلب : ظہوری، صائب، حزین، قتیل

۱۶۲ : ۲۲۳ : قلب : اختری\*

۱۶۳ : ۲۲۴ : قلب : ×

۱۶۴ : ۲۲۵ : قلب : ×

۱۶۵ : ۲۲۶ : قلب : طالب، وحید قزوینی، والد\*

۱۶۶ : ۲۲۸ : قلب : حزین

ب : ۹ : طلبہ تفقہ باطلہا عزم آوارگی خویش (غالب، پ)

۱۶۷ : ۲۲۹ : قلب : نظیری، صائب، حزین

ب : ۱۱ : اظہار تمناي وصل و حسرتِ اختلاط (غالب، پ)

۱۶۸ : ۲۳۱ : قلب : ×

۱۶۹ : ۲۳۲ : قلب : ×

۱۷۰ : ۲۳۳ : قب : اہلی

۱۷۱ : ۲۳۵ : قب : X

۱۷۲ : ۲۳۶ : قب : ظہوری، صائب، حزین، یدل، قتیل

۱۷۳ : ۲۳۷ : قب : محترم بدخشانی

۱۷۴ : ۲۳۹ : قب : ظہوری، یدل، قتیل، جویا، قاسم الانوار

۱۷۵ : ۲۴۰ : قب : لغانی، برہان کاتبانی

۱۷۶ : ۲۴۱ : قب : X

۱۷۷ : ۲۴۳ : قب : X

۱۷۸ : ۲۴۴ : قب : X

۱۷۹ : ۲۴۵ : قب : حزین، قتیل

۱۷۹ : ۲۴۵ : ۱ : ”انگلیں شہد کو کہتے ہیں اور تبرزد مصری کو

کہتے ہیں۔ ان معنوں میں کہ یہ مانند قند اور بتاشوں کے جلد

ٹوٹنے والی ہیں۔ جب تک اس کو تیر سے نہ توڑو مدعا حاصل

بدر زدن اگرچہ معنی اس کے ہیں باہر مارنا یعنی بدر باہر اور

زدن مارنا لیکن روزمرہ میں اس کا ترجمہ ہے نکل جانا، اب جب یہ

معلوم ہو گیا تو یوں سمجھئے کہ معشوق کے ہونٹوں کو میٹھا

کہتے ہیں اور قند اور مصری اور شہد سے نسبت دیتے ہیں۔

اور البتہ مکھی مٹھاس کی عاشق ہے۔ بس جو مکھی کہ مصری

پر بیٹھی وہ جب چاہے بے تکلف اڑ جائے اور جو مکھی کہ شہد پر

بیٹھی گئی جب وہ اڑنے کا قصد کرے گی پر و بال اس کے شہد

میں لپٹ جائیں گے اور وہ سر کر رہ جائے گی۔ بس اب یہ کہتا

ہے کہ میرے معشوق کے ہونٹ شیرینی میں میرے واسطے

شہد ہو گئے اور زئیب کے واسطے مصری یعنی وہ چاٹ کر لطف

اٹھا کر صحیح و سالم چلا گیا اور میں پھنس کر وہیں سر کر رہ گیا۔“

۱۷۹ : ۲۴۵ : ۲ : ”زدن لازمی ہے اور متعدی بھی۔ لازمی کے معنی

ہندی میں لگ جانا اور متعدی کے معنی مارنا۔ یہاں زد لازمی

ہے۔ اب یہ سمجھنا چاہیے کہ نمک شراب کو ہکاڑتا ہے یعنی اگر شراب میں نون ڈال کر ایک آدمہ دن دھوپ میں رکھیں تو اس میں نشہ جاتا رہتا ہے اور وہ سرکہ ہو جاتا ہے اور زخم پر اگر نمک ڈالیں تو وہ کٹاؤ کرتا ہے اور زخم کو بڑھاتا ہے مقصود شاعر کا یہ ہے کہ تو میرے معشوق کے نمک کو دیکھ اور دیکھ کہ اس کو نمک کے نفوذ پر کتنا بھروسہ ہے اگر وہ اس نمک کو شراب میں ڈال دیتا تو وہ شراب میں نہیں ملتا اور زخم جگر پر جا لگتا ہے یعنی اگر بے محل بھی کرشمہ کرتا ہے تو وہ اپنا کام کرتا رہتا ہے۔“

۱۶۹ : ۲۳۵ : ۳ : ”یہ خیال ہے یعنی ایک گھر میں اس کا محبوب بیٹھا ہوا ہے اس نے جان لیا ہے کہ کون ہے مگر بطریق متجاہل بولا بن کر ہوجھتا ہے کہ آیا اس گھر میں ایسا کون ہے کہ میرے معشوق نے اپنی سانس کے خطوط شعاعی کا روز نون میں پڑنا اور ان خطوط شعاعی کا یعنی سورج کی کرن کا بصورت سانس کے لکڑوں کے ہونا ظاہر ہے۔“

۱۶۹ : ۲۳۵ : ۴ : ”خندہ دندان لما اس غنسی کو کہتے ہیں جو تبسم سے بڑھ کر ہو اور اس میں دانت غسنے والے کے دکھائی دیں۔ معشوق موتیوں کے حسن پر ہنستا اور ہنستا کوئی اس چیز پر ہے جس کو اپنے نزدیک ذلیل سمجھ لیتا ہے حاصل معنی یہ کہ میرا معشوق موتیوں کے حسن پر ہنسا گویا اس نے دعویٰ کیا کہ موتی کچھ اچھی چیز نہیں اب دعویٰ کے واسطے دلیل ضرور ہے سو شاعر یہ کہتا ہے کہ میرے معشوق کے دعویٰ پر دلیل بدیہی ہے یعنی غسنے میں اس کے دانت نظر آنے معلوم ہوا کہ وہ حسن جو لوگ موتی میں گمان کرتے تھے وہ لغو ہے حسن یہ ہے کہ معشوق کے دانتوں میں ہے پس اس دلیل کو سب نے دیکھ لیا اور چونکہ بدیہی نہیں مان لیا۔“

۱۷۹ : ۲۳۵ : ۵ : ”ہروانہ کی غیرت دن کو بھی مبارک سمجھنی چاہیے۔

ہروانہ کی غیرت وہ غیرت نہیں کہ جو ہروانہ میں ہو یا ہروانہ کو ہو بلکہ وہ غیرت کہ جو اور کو آتی ہو ہروانہ پر، یعنی رشک۔ حاصل معنی یہ کہ میں تو دن رات عشق میں جلتا ہوں رات کو جو ہروانہ جلتا ہوا دیکھتا تھا تو مجھ کو اس پر رشک آتا تھا۔ دن کو کوئی ایسا نہ تھا کہ مجھ کو اس پر رشک آوے تو اب وہی غیرت اور وہی رشک جو ہروانہ پر شب کو آتا تھا اب دن کو بھی مبارک ہو یعنی میرے صبح کے نالوں سے مرغ سحر کے پروں میں آگ لگ گئی اور میں اپنی سسئی اور بیخودی میں یہ نہیں جانتا کہ یہ میرے نالے کے سبب ہے مجھ کو وہ رنج اور غصہ تازہ ہو گیا جو رات کو ہروانہ کو دیکھ کر کھانا تھا اب مرغ سحر کو جلتے ہوئے دیکھ کر جلتا ہوں کہ خانے یہ کون ہے کہ جو میری طرح جلتا ہے۔“

۱۷۹ : ۲۳۵ : ۶ : ”نظر فکر کو بھی کہنے ہیں اور نگاہ کو بھی۔ یہاں

نگاہ کے معنی ہیں۔ شاعر کہتا ہے کہ میں ایسا نہ تھا کہ شراب کی قاب نہ لاتا اور شراب ہی کر بے ہوش ہو جاتا مگر کیا کروں کہ پہلے غمزدہ ساقی نے نگاہ کو خیرہ اور مغلوب کر دیا پھر اس پر شراب ہی گئی۔ بیخودی کا استعداد تو بہم پہنچ ہی گیا تھا ناچار ہوش جاتے رہے۔“

۱۷۹ : ۲۳۵ : ۷ : ”اس شعر کا لطف وجدانی ہے یانی نہیں ہے۔ معنی

اس کے یہ ہیں کہ اس معشوق سے کہ وہ بہت نازک ہے خون کا دعویٰ کیا کریں کہ اس کو وقتِ عزمِ قتل دامن گردانے وقت وہ صدمہ پہنچا کہ اس کا ہاتھ ہے اور وہ دامن کہ جو اس نے گردان کر کمر پر باندھا تھا۔ اس سے ایسا لچکا کمر کو پہنچا کہ وہ آپ اپنے دامن پر داد خواہ ہو رہا ہے بس اس سے کوئی خون کا کیا دعویٰ کرے گا۔“



۱۷۹ : ۲۳۵ : ۱۰ ۲۹ ۲۸ : ”شاعر کہتا ہے کہ یہ روئیدگیاں ہفتضائے طہیتِ خاک ہر طرف ظاہر ہوا کرتی ہیں۔ گنا مثلاً اب کچھ خاک کو اور ہوا کو بھی منظور نہیں کہ اس کا رس نکلے اور اس کا تند بنے یہ آدمی کی دانشمندی ہے کہ اس نے اس گھاس سے یہ بات پیدا کی بس اسی طرح انگور ہیں اور گلاب کئے پھول ہیں۔ شاخ گل کیا جانے کہ گل میں کیا خوبی ہے اور تاک کیا جانے کہ میرے پھل میں کیا شر ہے ہم نے اپنی زور عقل سے انگور کی شراب بنائی اور پھولوں کو ہر ہر رنگ سے اپنے کام میں لائے۔ یہ گستاخانہ اپنے پروردگار سے کہتا ہے کہ جب اس عالم میں تو نے میری داد نہ دی اور میری خواہشیں پوری نہ کیں تو بس اب معلوم کہ میں لائقِ التفات نہ تھا پس جب میں لائقِ توجہ کئے نہیں تو اب عالمِ عقی میں میرے گناہوں کا مواخذہ کیا ضرور ہے جب ہمارے مطالعے آپ نے ہم کو نہ دئے تو ہمارے معاصی کا بھی شمار نہ کیجئے جانے دیجئے۔ ہم میں التفات کی اوزش نہیں ہے۔ ۲، غالب“

۱۸۰ : ۲۳۶ : قہ : عبادِ لقیہ

۱۸۱ : ۲۳۸ : قہ : ×

۱۸۲ : ۲۳۹ : قہ : شانی \* تکلو

ب : ۲ : بیانِ آزدگی دوست یا عتابِ حاکم نسبتِ بخوش

(غالب، ب)

۱۸۳ : ۲۵۰ : قہ : قتیل

۱۸۴ : ۲۵۱ : قہ : ظہیر\*، معنشم

ب : ۲ : باعثِ ترکیبِ صحبت را مجملًا خاطر نشان ساختن و تفصیل

آن را بہ بیانِ ہمدانِ حوالہ کردن (غالب، ب)

۱۸۵ : ۲۵۳ : قہ : ×

۱۸۶ : ۲۵۳ : قُب : سلیم تهرانی\*

ب : ۱۱ : اظهار وفای خویش نسبت به حاکم یا به دوست  
(غالب، پ)

۱۸۷ : ۲۵۵ : قُب : امیر خسرو، فیض، عرفی، علایی

۱۸۸ : ۲۵۸ : قُب : ×

۱۸۹ : ۲۵۸ : قُب : ×

۱۹۰ : ۲۵۹ : قُب : ×

۱۹۱ : ۲۶۰ : قُب : سلیم تهرانی\*، کلیم\*

۱۹۲ : ۲۶۲ : قُب : قتیل

۱۹۳ : ۲۶۳ : قُب : ×

۱۹۴ : ۲۶۴ : قُب : ×

۱۹۵ : ۲۶۶ : قُب : مسعود سعید سلمان، عنصری

ب : ۵ : اظهار مراتب امید و بیم بر عایت شیوه تسلیم  
(غالب، پ)

۱۹۶ : ۲۶۷ : قُب : حافظ، نظیری

۱۹۷ : ۲۶۸ : قُب : نظیری

۱۹۸ : ۲۶۹ : قُب : ×

۱۹۹ : ۲۷۱ : قُب : نظیری، قتیل

۲۰۰ : ۲۷۲ : قُب : ×

(غالب، پ) ب : ۹ : طلب تقصد بطریقی تنزل

۲۰۱ : ۲۷۳ : قُب : حزین

ب : ۴ : در طلب چستی و چالاک و منع انفراد کنی و کاهلی  
(غالب، پ)

۲۰۲ : ۲۷۵ : قُب : صائب

ب : ۳ : بیان انتظاری قاصد در امر مذکور

(غالب، پ)

- ۲۰۳ : ۲۷۶ : قس : نظیری، ساقی
- ۲۰۴ : ۲۷۷ : قس : ظهیری
- ۲۰۵ : ۲۷۹ : قس : ×
- ۲۰۶ : ۲۸۰ : قس : امیر خسرو، حزین
- ۲۰۷ : ۲۸۱ : قس : ×
- ۲۰۸ : ۲۸۲ : قس : نظیری
- ۲۰۹ : ۲۸۳ : قس : ×
- ۲۱۰ : ۲۸۵ : قس : حافظ، ظهیری، فیضی، عرفی، نظیری
- ۲۱۱ : ۲۸۷ : قس : فیضی
- ۲۱۲ : ۲۸۸ : قس : طغرا
- ۲۱۳ : ۲۸۹ : قس : نظیری
- ۲۱۳ : ۲۹۰ : قس : میرزا احمد علی احمد
- ب : ۱۳ : اظهار حسن عقیدت بمقابله بی پروائی دوست  
(غالب، پ)
- ۲۱۵ : ۲۹۲ : قس : بدل، مغربی، ناصر علی، جویا، جلی
- ب : ۱ : وصف لکنت زبان  
(غالب، پ)
- ب : مطلع : خواهشی حیات خود از جانب دوست از محبت نشمردن  
و آنرا بر شدت یزدی گمان بردن  
(غالب، پ)
- ۲۱۶ : ۲۹۳ : قس : نظیری، حزین
- ۲۱۷ : ۲۹۵ : قس : فیضی، فغانی، ناصر علی
- ۲۱۸ : ۲۹۷ : قس : ظهیری، طالب، بدل، قنسی
- ۲۱۹ : ۲۹۸ : قس : ×
- ۲۲۰ : ۲۹۹ : قس : عالی
- ۲۲۱ : ۳۰۱ : قس : ×
- ۲۲۲ : ۳۰۲ : قس : ×

۲۲۳ : ۳۰۳ : قُب : نظیری، قتیل، شوکتِ بخاری

ب : ۲ : گزارشِ این معنی که وعدهٔ لطف در مستقبل چارهٔ فاکلسی  
حال نمی تواند بود (غالب، ب)

۲۲۴ : ۳۰۴ : قُب : ×

۲۲۵ : ۳۰۶ : قُب : ×

۲۲۶ : ۳۰۷ : قُب : ×

۲۲۷ : ۳۰۸ : قُب : ظهوری

۲۲۸ : ۳۰۹ : قُب : نظیری

۲۲۹ : ۳۱۱ : قُب : ×

۲۳۰ : ۳۱۲ : قُب : امیر خسرو، قتیل، ماثِلِ تنوی

۲۳۱ : ۳۱۳ : قُب : نظیری

۲۳۲ : ۳۱۴ : قُب : ×

۲۳۳ : ۳۱۶ : قُب : ×

۲۳۴ : ۳۱۷ : قُب : ×

۲۳۵ : ۳۱۸ : قُب : ×

۲۳۶ : ۳۱۹ : قُب : نظیری، ناصر علی، جويا

۲۳۷ : ۳۲۱ : قُب : ×

۲۳۸ : ۳۲۲ : قُب : عرفی، اهلی، ظفر خان احسن

ب : ۸ : ابرازِ شکوهٔ ناسرهایِ دوستِ بشمولِ وفاداریِ خویش  
(غالب، ب)

۲۳۹ : ۳۲۳ : قُب : حزین، یدل، ظهیر، هاتف، مخفی

۲۴۰ : ۳۲۵ : قُب : طالب، قتیل، ناصر علی، قاسم

۲۴۱ : ۳۲۶ : قُب : امیدیِ تهرانی

ب : ۵ : در مقامِ عرضِ پریشانی و سرگردانی (غالب، ب)

۲۴۲ : ۳۲۷ : قُب : ملک قمی\*

۲۴۳ : ۳۰ : قُب : نصیحی\*

۲۳۴ : ۳۳۰ : قب : ×

ب : ۷ : بیانِ پشیمانی از عسیرکه در فسق و فجور رفت و غم  
عدمِ فرصت و تلاقی آن  
(مخالف، پ)

۲۳۵ : ۳۳۱ : قب : قلیل، غنیمت\*

۲۳۶ : ۳۳۲ : قب : قسسی، ظهیر، مخفی، نسبتی، خواجو

۲۳۷ : ۳۳۳ : قب : کایم، ناصر علی

۲۳۸ : ۳۳۵ : قب : قلیل، سالکِ یزدی

۲۳۹ : ۳۳۷ : قب : ظهوری، فیضی، عرفی، نظیری، فغانی

۲۴۰ : ۳۳۸ : قب : واقف

۲۴۱ : ۳۳۹ : قب : خواجو\*

۲۴۲ : ۳۴۰ : قب : عرفی، نظیری، بیدل، عالی

۲۴۳ : ۳۴۲ : قب : ×

۲۴۴ : ۳۴۳ : قب : ×

۲۴۵ : ۳۴۴ : قب : قلیل، امید

۲۴۶ : ۳۴۶ : قب : ظهوری، نعمت الله ولی

۲۴۷ : ۳۴۷ : قب : ظهوری، عائب، قدسی، فارس

۲۴۸ : ۳۴۹ : قب : ظهوری، بیدل، لائز، ابراهیم خلیل

۲۴۹ : ۳۵۰ : قب : ×

۲۵۰ : ۳۵۲ : قب : جلالِ اسیر

۲۵۱ : ۳۵۳ : قب : ×

۲۵۲ : ۳۵۴ : قب : ×

۲۵۳ : ۳۵۵ : قب : عائب، مخفی\*

۲۵۴ : ۳۵۷ : قب : نظیری، طالب

۲۵۵ : ۳۵۸ : قب : امیر خسرو، ظهوری، شاهی، مشتاق

ب : ۱ : خواهشِ وصل و تقاضایِ عیش  
(مخالف، پ)

۲۵۶ : ۳۶۰ : قب : ×

۲۶۷ : ۳۶۱ : قُب : ظهروی، سائب، حزین، بیدل، قتیل، عالی، محبوبا -

۲۶۸ : ۳۶۳ : قُب : زمانی

۲۶۹ : ۳۶۴ : قُب : امیر خسرو، فیضی، طالب، افضل، اصفهانی \*

۲۷۰ : ۳۶۵ : قُب : X

ب : ۱ : استدعای عنایت به نسیب طبع محبت (غالب، ب)

۲۷۱ : ۳۶۷ : قُب : X

۲۷۲ : ۳۶۸ : قُب : نظیری

۲۷۳ : ۳۶۹ : قُب : ظهروی

۲۷۴ : ۳۷۱ : قُب : حافظ

۲۷۵ : ۳۷۲ : قُب : X

۲۷۶ : ۳۷۳ : قُب : قتیل، غنی \*

ب : ۱۳ : عذر تقاعد در نگارش نامه با تلها و فداان قاصد

(غالب، ب)

۲۷۷ : ۳۷۵ : قُب : X

۲۷۸ : ۳۷۶ : قُب : X

۲۷۹ : ۳۷۸ : قُب : سعدی، امیر خسرو، مشتاق

۲۸۰ : ۳۷۹ : قُب : طالب، معانی یزدی

۲۸۱ : ۳۸۱ : قُب : فغانی

۲۸۲ : ۳۸۲ : قُب : امیر خسرو، فیضی، قتیل، فغانی

۲۸۳ : ۳۸۳ : قُب : امیر خسرو، حزین

۲۸۴ : ۳۸۵ : قُب : نظیری، عراقی

۲۸۵ : ۳۸۶ : قُب : X

۲۸۶ : ۳۸۸ : قُب : بیدل، قدسی

۲۸۷ : ۳۸۹ : قُب : امیر خسرو، نظیری، حزین، واقف، محسن، تاثیر

۲۸۸ : ۳۹۱ : قُب : X

۲۸۹ : ۳۹۲ : قُب : حزین

۲۹۰ : ۳۹۳ : قف : ×

۲۹۱ : ۳۹۵ : قف : ×

۲۹۲ : ۳۹۶ : قف : نظیری، لغاتی

۲۹۳ : ۳۹۸ : قف : ×

۲۹۴ : ۴۰۰ : قف : ×

ب : ۹ : گزارشی شدتِ ونج و غم بطریقِ ترقی (غالب، پ)

۲۹۵ : ۴۰۱ : قف : ×

۲۹۶ : ۴۰۳ : قف : ×

۲۹۷ : ۴۰۴ : قف : امیر خسرو، حزن

۲۹۸ : ۴۰۵ : قف : حزن\*

۲۹۹ : ۴۰۷ : قف : نظم‌وری

ب : ۹ : در موقع تعلیم صبر و شکیانی (غالب، پ)

۳۰۰ : ۴۰۸ : قف : حزن\*، صفت\*، شسته خراسانی\*

۳۰۱ : ۴۰۹ : قف : حزن\*

۳۰۲ : ۴۱۱ : قف : الوری، باقر\*

۳۰۳ : ۴۱۲ : قف : قتیل

۳۰۴ : ۴۱۴ : قف : باقر

۳۰۵ : ۴۱۶ : قف : نظیری\*، حزن

۳۰۶ : ۴۱۷ : قف : نظیری\*، حزن، قلمی

ب : ۱۰ : حواله ماده شکایت بوجودان ضمیر مکتوب الیه

(غالب، پ)

۳۰۷ : ۴۱۹ : قف : ×

۳۰۸ : ۴۲۰ : قف : عرفی

۳۰۹ : ۴۲۱ : قف : قتیل\*، عالی\*

ب : ۱۱ : در بیان گزارشی رشک رسیدن نامه دوست بدیگری

(غالب، پ)

۳۱۰ : ۴۱۳ : قلب : عرفی

۳۱۱ : ۴۲۴ : قلب : حزن، واقف، قتیل، جلالِ اسیر، باقر

۳۱۲ : ۴۲۵ : قلب : عرفی، طالب، مسعود، سعد سلمان\*

۳۱۳ : ۴۲۷ : قلب : باقر، قدسی\*

۳۱۴ : ۴۲۸ : قلب : بیدل، قتیل، قدسی

۳۱۵ : ۴۲۹ : قلب : ✕

۳۱۶ : ۴۳۱ : قلب : حزن، ماثلی تدوی

ب : ۴ : بیانِ غم و اندوه (غالب، پ)

۳۱۷ : ۴۳۲ : قلب : اسیرِ خسرو، حزن، حسن، هائف

۳۱۸ : ۴۳۴ : قلب : ✕

۳۱۹ : ۴۳۵ : قلب : ✕

ب : ۴ : درخوریانِ گله بد عهدی و گزافِ پیشگی دوست

(غالب، پ)

۳۲۰ : ۴۳۶ : قلب : سعدی، مشتاق

۳۲۱ : ۴۳۷ : قلب : حزن، لغانی

۳۲۲ : ۴۳۹ : قلب : ✕

۳۲۳ : ۴۴۰ : قلب : ✕

۳۲۴ : ۴۴۱ : قلب : ✕

۳۲۵ : ۴۴۲ : قلب : ✕

۳۲۶ : ۴۴۳ : قلب : ✕

۳۲۷ : ۴۴۵ : قلب : عرفی

ب : ۴ : دوست را دو فصحیدن به دهائیِ خویش معاف داشتن و

همدین پرده شکوه سرکردن (غالب، پ)

۳۲۸ : ۴۴۶ : قلب : حزن

۳۲۹ : ۴۴۸ : قلب : واقف\*

۳۳۰ : ۴۴۹ : قلب : ✕



۳۳۱ : ۳۵۰ : قب : ✕

۳۳۲ : ۳۵۲ : قب : ✕

۳۳۳ : ۳۵۳ : قب : سعدی

۳۳۴ : ۳۵۵ : قب : نائز

خراب و خرابہ : ”میرا ایک مطلع ہے :

از جسم بہ جان نقاب تا کہے وین گنج درین خراب تا کہے

ایک گروہ معارض ہوا۔ کہ گنج کو ”خرابہ“ کہو ”نہ خراب“  
میں متعیر ہوا کہ یارب کسی سے کہو ”خرابہ“ مزید علیہ  
”خراب“ ہے۔ مثل ویران و ویرانہ و موج و موجہ۔ الحاق ہائے  
ہوز سے لغت دوسرا نہیں پیدا ہوا۔ بارے صائب کے دیوان میں  
ایک مطلع نظر آیا :

بہ فکر دل نہ فتانے بھیج باب درخ

بہ گنج راہ نہ بردی درین خراب درخ

یہ مطلع لکھ کر معترض صاحبوں کو بھیج دیا کہ غالب کو  
درد سر نہ دیجئے۔ جو پوچھتا ہے وہ صائب سے پوچھ لیجئے۔“

(خطوطِ غالب : ۳۳۳ : خط : ۲۱ بنام خواجہ غلام غوث بے خبر)

نقاب و حجاب ، گِل و خراب : ”نقاب اس شعر میں بہ معنی حائل  
ہے۔ حائل کو وجہ و رخ کی خصوصیت نہیں۔ دو چیزوں کے  
بیچ میں جو شے آ جائے۔ بالکہ اس سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ  
جو چیز ایک چیز کی مانعِ نظارہ ہو وہ نقاب ہے۔ اس شے نامرئی  
کا رخ بمناسبت نقاب مقرر ہے۔ اور یہ تقاریر جائز اور بلیغ ہیں۔  
”حجاب“ کا پہان اوہری یعنی بے محل اور ناملائم ہونا بشرط  
عقلی سلیم و طبع لطیف ظاہر ہے۔ ”گِل“ ”خاک“ ”آبِ آمیختہ“  
کو کہتے ہیں۔ وہ رخ آفتاب تک کہاں پہنچے ہاں گرد و غبار  
میں آفتاب چھپ جاتا ہے۔ اس کا استعمال از روئے مجاز جائز

ہے۔ ”گنج در ویرانہ کا کئے“ یہ بہت لطیف بات ہے یعنی افسوس کیا جاتا ہے اس گنج کے بیکار ہونے کا ”گنج“ ہے غرض یہی تو نہیں کہ جنگل میں مدفون رہے۔ وہ تو یہ چاہتا ہے کہ مدفن سے نکلے اور صرف ہو۔ اور لوگ اس کے وجود سے تمتع پائیں۔ یہاں ایک اور دقیقہ ہے کہ اس شعر میں گنج مشبہ بہ اور روح انسانی مشبہ ہے۔ اور یہ سب جانتے ہیں کہ روح کا تعلق جسم سے جاودانی نہیں۔ پس ایک قباحت ہے اگر ایک لحم زدہ ستم زدہ قطع تعلق روح کا منتظر اور مشتاق ہو مثلاً ایک میعادى محبوبس حسرت مندانہ کہے کہ الہی وہ دن کب آئے گا کہ میں قید سے نجات پاؤں۔ کب تک سڑک کاٹوں ! کب تک رنج الہاؤں ؟“

(خطوط غالب : ۳۳۳ : خط ۲۲ : بنام خواجہ غلام غوث بیخبر)

## سخن گسترانِ پیشین

(سابقہ توضیحات میں جو غزل بہ غزل درج کی گئی ہیں جن شعرا کے تخلص حوالے کئے طور پر آئے ہیں ان میں سے ہر ایک کا نام اور زمانہ اس اشارے میں بتایا گیا ہے۔)

| تخلص و نسبت      | اسم                          | قرن ہجری قمری    |
|------------------|------------------------------|------------------|
| ابراہیم بدخشانی  | خلیفہ محمد ابراہیم خلیل اللہ | دوازدہم          |
| احسن تربتی       | ظفر خان                      | یازدہم           |
| اختری گوناہادی   | مولانا اختری                 | دہم و یازدہم     |
| اسیر             | (رک : جلال اسیر)             |                  |
| اشرف ماوندہانی   | محمد سعید                    | یازدہم و دوازدہم |
| افضل اصفہانی     | خواجہ افضل الدین ترکہ        | دہم              |
| شہرستانی         |                              |                  |
| امید             | تزلجاش خان                   | یازدہم و دوازدہم |
| امیدی تهرانی     | ارجاسب (مسعود)               | نہم و دہم        |
| امیر خسرو دہلوی  | (رک : خسرو)                  |                  |
| انجام یزدی کابل  | عبدالرضا                     | دوازدہم          |
| الشاہ مرشد آبادی | میر انشاء اللہ خان           | دوازدہم و سیزدہم |
| لکھنوی           |                              |                  |
| انوری ایبوردی    | وحید الدین علی               | ششم              |
| اہلی شیرازی      | محمد                         | نہم و دہم        |
| باتر اصفہانی     | نواب میرزا محمد باتر         | یازدہم           |
| برہان کاشانی     | میر شروزی                    | یازدہم           |
| بیدل عظیم آبادی  | میرزا عبدالقادر              | یازدہم و دوازدہم |
| دہلوی            |                              |                  |

|                     |                             |                  |
|---------------------|-----------------------------|------------------|
| جاسی                | مولانا نورالدین عبدالرحمن   | نهم              |
| جلال امیر شهرستانی  | میرزا جلال                  | یازدهم           |
| اصفہانی             |                             |                  |
| جویای تهریزی کشمیری | میرزا داراب بیگ             | یازدهم و دوازدهم |
| حافظ شیرازی         | شمس الدین محمد              | هشتم             |
| حزین لاهیجی گیلانی  | شیخ محمد علی                | دوازدهم          |
| اصفہانی             |                             |                  |
| حسن سجزی دهلوی      | امیر نجم الدین حسن          | هفتم و هشتم      |
| حیرانی قمی همدانی   | مولانا حیرانی               | نهم و دهم        |
| خسرو دهلوی          | امیر خسرو                   | هفتم و هشتم      |
| خواجوی کرمانی       | کمال الدین محمود            | هفتم و هشتم      |
| رضای مشهدی          | .....                       | یازدهم و دوازدهم |
| رضی دانش خراسانی    | میرزا رضی                   | یازدهم           |
| روحانی سمرقندی      | امیر ابوبکر                 | هفتم             |
| روسی                | مولانا جلال الدین محمد بلخی | هفتم             |
|                     | روسی                        |                  |
| زخمی                | مہاراجہ رتن سنگھ بہادر      | دوازدهم و سیزدهم |
| زمانی یزدی          | ملا زمانی                   | دهم و یازدهم     |
| سایق                | ملا علی تقی                 | یازدهم           |
| سالک قزوینی         | محمد ابراہیم                | یازدهم           |
| سالک یزدی           | آقا محمد جعفر               | سیزدهم           |
| سرخوش               | محمد افضل                   | یازدهم و دوازدهم |
| سعدی شیرازی         | شرف الدین                   | هفتم             |
| سلیم تهرانی         | محمد قلی شاملو              | یازدهم           |
| سینی خراسانی        | امیر یادگار                 | نهم              |
| شانی تکلو           | مولانا نفیس الدین           | دهم و یازدهم     |

|                   |                      |                  |
|-------------------|----------------------|------------------|
| شاهی سیزواری      | آقا ملک امیر شاهی    | نهم              |
| شحنه خراسانی      | محمد مهدی خان        | دوازدهم و سیزدهم |
| شرف               | شرف الدین خان        | یازدهم           |
| شمس تبریزی        | (رک : رومی)          |                  |
| شوکت بخاری        | محمد اسحاق           | یازدهم و دوازدهم |
| شیردانگلو         | ملا شیدا             | دهم و یازدهم     |
| صامت اصفهانی      | حاجی محمد صادق       | یازدهم           |
| صائب تبریزی       | میرزا محمد علی       | یازدهم           |
| صفی قزوینی        | میر صفی              | یازدهم           |
| طالب آملی         | عبدالله              | دهم و یازدهم     |
| طاهری هروی        | طاهری کفشدوز و کاتب  | دهم              |
| ظفر               | سراج الدین بهادر شاه | سیزدهم           |
| ظهوری ترشیزی      | نور الدین محمد       | دهم و یازدهم     |
| ظہیر فارابی       | ظہیر الدین           | ششم              |
| عاقلی رازی        | میر عسکری عاقل       | یازدهم و دوازدهم |
| عالی شیرازی       | میرزا محمد مخاطب به  | یازدهم و دوازدهم |
|                   | نعمت خان             |                  |
| علی خلج           | میرزا علی            | دهم              |
| علی کشمیری سرهندی | ناصر علی             | یازدهم و دوازدهم |
| عماد فقیه کرمانی  | عماد الدین           | هشتم             |
| عنصری بلخی        | ابوالقاسم حسن        | پنجم             |
| غبار اصفهانی      | میرزا ابوتراب        | دوازدهم          |
| غنی کاشمیری       | ملا محمد طاهر        | یازدهم           |
| علیمت کنجاهی      | محمد اکرم            | یازدهم           |
| غیاثی شیرازی      | غیاث حلوانی          | یازدهم           |
| فارس              | میرزا محمد           | قبل از سیزدهم    |

|                      |                                       |                  |
|----------------------|---------------------------------------|------------------|
| فائز                 |                                       | یازدهم           |
| فغانی شیرازی         | بابا فغانی                            | نهم و دهم        |
| فریدان شاهجهان آبادی | محمد ابراهیم                          | یازدهم و دوازدهم |
| فیضی                 | شیخ ابوالفیض                          | دهم و یازدهم     |
| قاسم الانوار تبریزی  | معین الدین علی                        | هشتم و نهم       |
| قتیل فرید آبادی      | میرزا محمد حسن                        | دوازدهم و سیزدهم |
| دهلوی لکهنوی         |                                       |                  |
| قدس مشهدی            | حاجی محمد جان                         | دوازدهم          |
| قلندر نیشابوری       | میر قلندر                             | نهم              |
| کلیم کاشانی          | ابوطالب                               | یازدهم           |
| لسانی شیرازی         | .....                                 | دهم              |
| مائل توی             | احسن الله                             | دوازدهم          |
| محترم بدخشانی        | میر محمد هاشم                         | دهم و یازدهم     |
| محتشم گلشی           | .....                                 | دهم              |
| محسن نائیر           |                                       |                  |
| مخفی                 | زینب النساء                           | یازدهم و دوازدهم |
| مسعود                | مسعود سعد سلمان                       | پنجم و ششم       |
| سیح گلشی             | مولانا رکن الدین مسعود<br>(حکیم رکنه) | یازدهم           |
| مشتاق اصفهانی        | محمد باقر                             | یازدهم           |
| معانی یزدی           | .....                                 | دهم              |
| مفری                 | محمد شیرین                            | هشتم و نهم       |
| منصور تبریزی         | ملا مقصود بیگ مستوفی                  | دهم              |
| ملک قمی              | ملا ملک محمد                          | دهم و یازدهم     |
| منت دهلوی            | میر قمر الدین                         | دوازدهم و سیزدهم |
| مولوی                | (رک : روی)                            |                  |

|                  |                  |                    |
|------------------|------------------|--------------------|
| دوازدهم          | آقا عبدالعزیز    | مولای اصفهانی      |
| نهم              | سیدالدین         | مؤید نسفی          |
|                  | (رک : علی کشمیری | ناصر علی           |
|                  | سرحدی)           |                    |
| پازدهم           | شاه محمد صالح    | نسبی تھانگیری      |
| دوازدهم          | شیخ نورالدین     | واقف بنالوی لاهوری |
| پازدهم و دوازدهم | میرزا محمد طاهر  | وحید قزوینی        |
| سیزدهم           | میرزا محمد شفیع  | وصال شیرازی        |
| هشتم و نهم       | شاه نعمت الله    | ولی کرمانی         |
| پازدهم و دوازدهم | سید احمد         | هاتف اصفهانی       |
| نهم و دهم        | مولانا بدرالدین  | هلالی چغتائی       |
|                  | (نور الدین)      | استرآبادی          |
| دهم              | نصیرالدین بادشاه | همایون             |
| نهم              | مولانای باری     | باری بلخی          |
| دهم              | یوسف طریب        | یوسف خوانی         |

## اشخاص غزلیات

(محدود به معاصرین و مسدوحین و پادشاهان و شعراي فارسی زبان)

آزوده [مفتی صدر الدین] ۳۷۵ : ۲۷۷ : ۹

اسد الله [میرزا - خان، غالب] ۳۲۷ : ۲۳۲ : ۱۱

۳۲۹ : ۲۳۳ : مقطع

اسیر (ی) ۷۵ : ۵۵ : ۷

[میرزا جلال الدین]

تاسمن (Thomason) (رك : جمعی تاسمن)

جمعی تاسمن (Thomason) ۱۳۲ : ۹۷ : مطلع

حافظ ۶۱ : ۴۴ : مقطع،

۳۷۱ : ۲۷۴ : مقطع،

۳۰۸ : ۳۰۰ : مقطع

حزین (ی) [شیخ علی] ۷۵ : ۵۵ : ۱۷

۱۳۵ : ۱۰۶ : ۹

۲۸۱ : ۲۰۷ : مقطع (نیز

رك : شیخ علی)

حسرتی [نواب مصطفی خان شیفته] ۴۹ : ۳۵ : مقطع،

۳۷۵ : ۲۷۷ : ۹

(نیز رك : شیفته، مصطفی خان)

۳۷۲ : ۲۷۵ : ۴۲ و مقطع

حضرت اعلی

[مراد از نواب محمد یوسف علی خان،

نواب رامپور]

خانجهان خان

۱۳۲ : ۱۰۴ : ۱۱

(نیز رك : محتشم الدوله)



سراج الدین احمد [مولوی -]

۲۹ : ۲۰ : مقطع

سعدی<sup>۵</sup>

۲۲۰ : ۱۶۰ : مقطع

شیخ علی [- حزین]

۴۴۱ : ۳۲۳ : مقطع

(نیز رک : حزین)

شیفته [نواب مصطفیٰ خان و حسرتی]

۱۱۳ : ۸۳ : مقطع

[نیز رک : مصطفیٰ خان]

صاحبقران نانی [شاهجهان بادشاہ]

۱۵۳ : ۱۲۶ : ۱۲

مبائب [نبریزی اصفہانی]

۹۰ : ۶۶ : مقطع

۳۴۷ : ۲۵۷ : مقطع

صہبائی [مولوی امام بخش دہلوی]

۳۷۵ : ۲۷۷ : ۹

طالب [- آملی]

۳۲۵ : ۲۴۰ : مقطع

ظفر [سراج الدین بہادر شاہ]

۴۱۱ : ۳۰۲ : مقطع

ظہوری [- ترشیزی]

۸ : ۵ : مقطع،

۳۰ : ۲۱ : ۸

۳۸ : ۲۷ : مقطع،

۹۰ : ۶۶ : مقطع،

۲۱۰ : ۱۵۲ : مقطع،

۳۰۸ : ۲۲۷ : مقطع

۲۳۶ : ۲۵۶ : مقطع،

۳۴۹ : ۲۵۸ : مقطع،

۳۵۰ : ۲۵۹ : مقطع،

۳۶۹ : ۲۷۳ : ۸

۴۰۵ : ۲۹۸ : مقطع،

۴۳۹ : ۳۲۲ : مقطع،

۴۰۵ : ۲۹۸ : مقطع

عادل [علی شاہ بادشاہ بیجاپور]

عرفی [ - شیرازی ]

۸۰ : ۵۹ : مقطع،

۱۳۵ : ۱۰۶ : مقطع،

۲۱۱ : ۱۵۴ : مقطع،

۲۳۱ : ۱۶۸ : مقطع،

۳۲۵ : ۳۱۲ : مقطع

علوی ( - دهلوی )

۳۷۵ : ۲۷۷ : ۹

فردوس مکان

۶۰ : ۴۳ : ۸

( نیز رک : کلب علی خان )

( رک : ولیم فریزر )

فریزر

فغانی ( - شیرازی )

۳۰۰ : ۲۹۴ : ۴

فیضی ( ابوالفیض فیاضی )

۱۶۲ : ۱۱۸ : مقطع

قتیل

۳۲۱ : ۲۳۷ : مقطع

۶۰ : ۴۳ : ۵

کلب علی خان ( نواب - نواب رامپور )

کلیم ( - کاشانی )

۱۷۴ : ۱۲۶ : مقطع

محشم

۱۴۲ : ۱۰۴ : ۱۳

( نواب غوث محمد خان )

شوکت جنگه رئیس جاوید

مصطفیٰ خان ( - نواب )

۲۴۰ : ۱۷۵ : مقطع

( نیز رک : حسرتی، شیفندہ )

۲۹۷ : ۲۱۸ : مطلع

مکنائن بہادر ( سر ولیم )

۲۲۹ : ۱۶۷ : مقطع،

نظیری ( - نیشاپوری )

۲۵۳ : ۱۸۵ : مقطع،

۲۶۸ : ۱۹۷ : مقطع،

۲۸۱ : ۲۰۷ : مقطع،

|       |   |     |   |     |
|-------|---|-----|---|-----|
| مقطع، | : | ۲۲۳ | : | ۳۰۳ |
| مقطع، | : | ۲۲۸ | : | ۳۰۹ |
| مقطع، | : | ۲۳۷ | : | ۳۲۱ |
| مقطع، | : | ۲۶۳ | : | ۳۵۷ |
| مقطع  | : | ۲۸۷ | : | ۳۸۹ |
| ۹     | : | ۲۷۷ | : | ۳۷۵ |
| مقطع  | : | ۲۳۳ | : | ۳۱۶ |

قبر (نواب ضیاء الدین - رخشان)

ولیم فریزر

# اماکن غزلیات

|          |                  |
|----------|------------------|
| اصفهان   | ۳۶۹ : ۲۷۳ : مقطع |
| اصفهان   | ۳۰ : ۲۱ : مقطع   |
|          | ۳۶۹ : ۲۷۳ : مقطع |
|          | ۴۴۳ : ۳۲۶ : مقطع |
| بابل     | ۳۲۶ : ۲۳۱ : ۹    |
| بنکال    | ۱۱۳ : ۸۳ : ۶     |
|          | ۲۳۲ : ۱۶۹ : مقطع |
| بغداد    | ۱۲۲ : ۸۹ : ۹     |
|          | ۲۰۵ : ۱۳۹ : مقطع |
| بسطام    | ۱۲۲ : ۸۹ : ۹     |
| پارس     | ۱۶۷ : ۱۲۲ : ۸    |
| تبریز    | ۴۳۲ : ۳۲۶ : مقطع |
| تتار     | ۱۲۲ : ۸۹ : ۹     |
| جاووه    | ۱۳۲ : ۱۰۳ : مقطع |
| جیحون    | ۶۶ : ۴۸ : ۴      |
|          | ۱۳۵ : ۱۰۶ : ۳    |
|          | ۲۷۲ : ۲۰۰ : ۷    |
|          | ۲۸۰ : ۲۰۶ : ۴    |
|          | ۳۲۱ : ۲۳۷ : ۱    |
|          | ۳۲۲ : ۲۳۸ : ۲    |
|          | ۲۳۳ : ۱۷۸ : ۲    |
| چین      | ۳۳۱ : ۲۳۵ : مقطع |
| حیدرآباد | ۱۰۸ : ۷۹ : ۳     |
| ختا      |                  |

|     |   |     |   |       |       |
|-----|---|-----|---|-------|-------|
| ۱۰۸ | : | ۷۹  | : | ۴۳    | ختن   |
| ۳۷۸ | : | ۴۷۹ | : | ۱۳    |       |
| ۳۹۶ | : | ۲۹۲ | : | ۳     |       |
| ۱۵۳ | : | ۹۱۲ | : | مقطع، | خوب   |
| ۲۶۸ | : | ۱۹۷ | : | ۴     |       |
| ۸۷  | : | ۶۳  | : | ۲     | دجله  |
| ۲۰۵ | : | ۱۳۹ | : | مقطع، |       |
| ۳۱۷ | : | ۳۰۶ | : | ۹     |       |
| ۳۳۹ | : | ۳۲۲ | : | ۲     |       |
| ۲۰۳ | : | ۱۳۸ | : | مقطع، | دعای  |
| ۲۸۹ | : | ۲۱۳ | : | مقطع، |       |
| ۳۳۱ | : | ۳۱۶ | : | مقطع  |       |
| ۲۷۹ | : | ۲۰۵ | : | ۸     | زوزم  |
| ۱۶۳ | : | ۱۱۹ | : | ۱۳    | سومن  |
| ۳۶۹ | : | ۲۷۳ | : | مقطع  | شیراز |
| ۳۴۴ | : | ۳۲۶ | : | مقطع  |       |
| ۱۷۶ | : | ۱۲۸ | : | ۲     | طور   |
| ۲۷۶ | : | ۲۰۳ | : | ۴     |       |
| ۳۲۱ | : | ۲۳۷ | : | ۹     |       |
| ۳۴۶ | : | ۲۳۱ | : | ۹     |       |
| ۳۰۸ | : | ۳۰۰ | : | ۳     |       |
| ۱۳۹ | : | ۱۰۲ | : | ۱۳    | عجم   |
| ۱۶۷ | : | ۱۲۲ | : | ۴     |       |
| ۲۳۶ | : | ۱۸۰ | : | مقطع، |       |
| ۲۹۰ | : | ۲۱۳ | : | مقطع، |       |
| ۳۶۳ | : | ۲۶۹ | : | مقطع، |       |

|                   |         |
|-------------------|---------|
| ۳ : ۱۰۲ : ۱۳۹     | غروب    |
| مطلع، : ۳۱ : ۴۳   | فرنگ    |
| مطلع، : ۷۷ : ۱۰۵  |         |
| ۴۹ : ۸۹ : ۱۲۲     |         |
| ۴۸ : ۲۳۹ : ۳۱۹    |         |
| ۴ : ۳۳۰ : ۳۴۹     |         |
| مقطع : ۲۱ : ۳۰    | شم      |
| مقطع : ۳۱۴ : ۳۲۸  | کاشی    |
| ۴۵ : ۱ : ۱        | کره‌بلا |
| ۱۱ : ۱۶۱ : ۲۲۱    |         |
| مطلع : ۱۹۴ : ۲۲۵  | کشمیر   |
| ۴۸ : ۸۹ : ۱۲۲     | کعبه    |
| ۴۲ : ۹۸ : ۱۳۴     |         |
| ۴۸ : ۲۰۵ : ۲۷۹    |         |
| ۴۱۳ : ۲۱۴ : ۲۹۰   |         |
| ۴۹ : ۲۲۰ : ۱۰۳    |         |
| ۴۸ : ۲۳۱ : ۳۱۳    |         |
| ۴۸ : ۲۴۲ : ۳۲۷    |         |
| ۴۲ : ۲۸۱ : ۳۸۱    |         |
| مقطع : ۲۹۶ : ۴۰۳  |         |
| مطلع، : ۲۱۸ : ۲۹۷ | کلکند   |
| مقطع : ۲۴۹ : ۳۳۷  |         |
| ۴۵ : ۱۵۹ : ۲۱۴    | کنعان   |
| ۹ : ۲۵۱ : ۳۳۹     |         |
| ۵ : ۱۲۲ : ۱۶۷     | کیان    |
| مقطع : ۲۸۴ : ۳۸۵  | نخف     |

نیل

۱۳۵ : ۱۰۶ : ۱۳

۳۲۱ : ۲۳۷ : ۹

عمرات

۳۰ : ۲۱ : مقطع

هند

۲۱ : ۳۰ : مقطع،

۸۴ : ۶۲ : مقطع،

۱۲۲ : ۸۹ : مقطع،

۱۳۱ : ۹۶ : مقطع،

۱۳۴ : ۱۰۵ : ۱۵

۲۳۴ : ۱۷۸ : ۴۲

۲۳۶ : ۱۸۰ : مقطع،

۲۵۱ : ۱۸۳ : مقطع،

۳۶۹ : ۲۷۳ : مقطع،

۳۷۵ : ۲۷۷ : ۱۸

۴۴۴ : ۳۲۶ : مقطع،

هندوستان

۲۹۰ : ۲۱۳ : مقطع،

۳۸۵ : ۲۸۳ : مقطع

یزد

۴۴۴ : ۳۲۶ : مقطع

یمن

۱۰۸ : ۷۹ : ۳

## ضمیمہ

وہ اعتراضات جو کلکتہ میں غالب کے دو اشعار پر ہوئے تھے :

صفحہ ۱۸۹ : غزل ۱۲۳ : بیت ۹

غالب کے قیام کلکتہ کے دوران میں تہل کے شاگردوں اور پیروں کی طرف سے غالب کے کلام پر جو اعتراضات ہوئے تھے ان سے متعلق اب تک کی معلومات کی تکمیل ایک نازہ دریافت سے ہوئی ہے۔ غالب نے اس واقعے اور ان اعتراضات کی تفصیل اپنی ایک فارسی نگارش میں درج کی ہے جو ”از واردات جناب سابق الاقباب من لواجر برقعہ“ کے عنوان سے ”نامہ های فارسی غالب“ مرتبہ جناب سید اکبر علی ترمذی میں بطور ضمیمہ (ص ۱۰۴ تا ص ۱۰۷) شامل ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ عنوان غالب کے کسی معاصر کی طرف سے ہے، جس نے اس تحریر کو اس مجموعے میں محفوظ کیا۔ سابق الاقباب سے مراد غالب ہیں۔ اس مجموعے کا تعارف جناب قاضی عبدالودود صاحب نے اپنے ایک مقالے (ماہ نو، فروری ۱۹۹۵ء) میں کرایا تھا۔

اس نگارش میں غالب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ کلکتہ میں پہلا مشاعرہ ان کے اعزاز میں ہوا، لیکن مشاعروں کا یہ سلسلہ دراصل ان کے خلاف ایک چھٹی ہوئی سازش تھا۔ دوسرے مشاعرے میں جو طرح دی گئی غالب نے اس سے متعلق لکھا ہے کہ حکیم عمام کے اس مقطع کی زمین میں نہی :

درمیان من و دلدار همام است حجاب

دارم امید کہ آن ہم ز میان برخیزد

یہاں ضمناً ہمیں یہ اشارہ کرنا ہے کہ اس شعر کے بارے میں غالب کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ یہ شعر سعدی شیرازی کا ہے جو انہوں



نے ہمام کے لئے کہا تھا۔ ہمام کے دیوان میں یہ شعر نہیں ہے۔ سعدی اور ہمام کی تبریز میں ملاقات اور اس شعر سے متعلق واقعہ دیوان ہمام مرتبہ جناب آقای مزید ثابتی، طبع تہران کے دیباچے میں مذکور ہے۔ ہو سکتا ہے یہ غلط فہمی کلکتے کے مذکورہ شاعر کے ہانیوں کی طرف سے شروع ہوئی ہو۔

غالب نے بتایا ہے کہ اس زمین میں انہوں نے دس بارہ شعر کی غزل شاعر کے میں پڑھی۔ انکے دیوان کے قلمی اور مطبوعہ نسخوں میں اس غزل کے ”تاکیم دود شکایت ز بیان برخیزد“ کے گیارہ شعر ہیں، لیکن گل رعنا میں بارہ ہیں۔ جو شعر دیوان میں درج نہیں ہوا یا غالب نے قلمزد کر دیا یہ ہے :

ہمدم از شور و فغانم چہ ستوہ آمدہ  
باش تا بخت من از خوابِ گران برخیزد

غالب نے لکھا ہے کہ اس شاعر کے ایک غفے بعد خبر ملی کہ کسی جاہل نے میرے اس شعر پر اعتراض کئے ہیں :

جزوے از عالم و آرزو عالم بيشم  
ہنچو موئے کہ بتان را زمیان بر خیزد

پہلا اعتراض یہ کہ ”ہمد“ کو لفظ ”عالم“ کے ساتھ جو مفرد ہے نہیں لا سکتے، اس لئے کہ ”عالم“ خود مجموعہ ہے اور قتل کی کتاب جاز شریعت اور ظہر الفصاحت میں اس کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ دوسرے یہ کہ لفظ ”بیش“ کو ”تر“ کا لاحقہ لائے بغیر استعمال نہیں کر سکتے۔ صرف ”بیش“ نہیں کہنا چاہیے۔ پھر یہ کہ محبوب کی کمر میں بال کا اگلا عقلا اور عادتاً وجود نہیں رکھتا۔ اس کے علاوہ ”موی“ اور ”بیزے“ کے اگنے کے لئے ”برخاستن“ نہیں کہہ سکتے۔

غالب کا بیان ہے کہ انہوں نے پہلے تو یہ طے کیا کہ ایسے مہمل اعتراضات کا جواب نہ دیا جائے، لیکن پھر اظہارِ حق کی خاطر دوسرے شاعرے میں جواب دینے کی کوشش کی۔ وہ کہتے ہیں حسنِ اتفاق ہے ”اعیانِ عجم“ میں ہے ایک گراں ماہہ شخصیت، سفیرِ ایران اس نشست میں شریک تھے۔ وہ ایرانی حضرات جو ان دنوں کلکتے میں مقیم تھے میری ”نثرِ گفتاری“ کا ذکر سفیر سے کر چکے تھے۔ اس موقع پر سفیر نے جب میرا کلام سنا اور انہیں میرا تخلص معلوم ہوا تو انہوں نے کہا ”غلیہ از تست۔ حقا کہ بر ہنگنانِ عالی و اسم با سمانی“ پھر اعلیٰ مجلس سے مخاطب ہو کر کہا ”یارانِ درمیانہ شما این نفسِ گداخته خونینِ نوا شنیت است۔ زںہار این را گراسی دارید کہ قطعِ نظر از شعر و شاعری عالم یہ زبان پارسی است۔“

غالب کہتے ہیں کہ میں نے پورے زور و شور سے اعتراضات کی تردید کی اور سفیر نے میری تائید کی۔ جو اشعار سفیر نے میرے دفاع میں سند کے طور پر پیش کئے ان میں سے بعض یہ ہیں :

(۱) گر من آلودہ دامنم چہ عجب  
ہمہ عالم گواہ عصمتِ اوست

(حافظ علیہ الرحمۃ)

(۲) بہ جہان خرم از آئم کہ جہان خرم ازوست  
عاشقم بر ہمہ عالم کہ ہمہ عالم ازوست

یہ ’ہمہ عالم‘ کے جواز میں تھے۔ ’یش‘ کے جواز میں ظہوری کا یہ شعر پیش کیا :

(۳) کم از آئم کہ درِ معذرتم بایدزد  
یش از آئی کہ دہی خجلتِ تقصیر مرا

اور استاد کا یہ شعر 'برخاستن' بمعنی 'روئیدن' کے استعمال کی نالیہ میں :

از رخ خطِ مشکسود برخاست  
آتش بنشت و دود برخاست

غالب نے بھر لکھا ہے کہ یہ مجلس ختم ہوئی اور لوگ الھکر چلے گئے، لیکن ان میں جو شاعر تھے وہ بھی اور جو شاعر نہ تھے وہ بھی شدید طور پر میرے خلاف ہو گئے اور مجھے شکست دینے کی تدبیریں کرنے لگے، چنانچہ میرے اس ایک شعر پر نکتہ چینی شروع کی :

صفحہ ۴۰۹ : غزل ۴۰۱ : بیت ۴

شورِ اشکِ بہ لشارِ بنِ سڑکان دارم  
طعنہ بر مے سر و سامانی طوفان زدہ

پہلے کہا کہ 'زدہ' کے کسرہ کے لئے مضام کی ضرورت ہے۔ پھر جب جواب دیا گیا کہ یہ کسرۃ اضافت نہیں ہے یاے وحدت ہے تو عار کر یہ کہنا شروع کیا کہ 'زدہ' مفعول کے معنی کے ہوا نہیں آتا اور یہاں اس معنی میں نہیں ہے۔ اس اعتراض کا جواب میں نے مشنوی آشتی نامہ [ہاذ مخالف] میں شرح و بسط سے دیا ہے۔ اس کے بعد غالب نے تفصیل بیان کی ہے کہ کس طرح انھوں نے نواب علی اکبر خان صاحب کے مشورے پر مصالحت کے لئے مذکورہ مشنوی تصنیف کی۔

'زدہ' والے اعتراض کی بنیاد شاید یہ ہو کہ عام استعمال میں ایک طرف 'طوفان زدہ' ایک سماعی ترکیب ہے جو قاری یا سامع کے ذہن میں فوراً آتی ہے، دوسری طرف اس مصرعے میں درحقیقت مصرعے کے آخری لفظ 'زدہ' کا رشتہ پہلے لفظ 'طعنہ' سے ہے، یعنی مصرعے کی نحوی ترکیب ہے "بر مے سر و سامانی طوفان طعنہ زدہ" لیکن لفظ 'طوفان' جو 'زدہ' کے قریب ہے

شروع میں ذہن کو گریب دیتا ہے اور بعد میں لفظ 'زدہ' کا رشتہ 'طعمہ' سے معلوم کر کے قاری یا سامع کی توجہ کو دھچکا لگتا ہے۔

غالب کے لئی اسلوب پر نظر کریں تو اس اعتراض کی کوئی اہمیت نہیں رہتی۔

صفحہ غزل

۱۱۳ : ۱۵۶ : ب : ۶

کلکتے کے مشاعرے والے بین مشہور اعتراضات کے علاوہ غالب کے فارسی کلام پر دو اعتراض قاطع برہان کے سنگسے میں مخالف مجاذ کی طرف سے ہوئے۔ یہ اعتراض مرزا رحیم بیگ نابینا میرٹھی نے قاطع برہان میں (ص ۱۲ بر) 'ظلمات' اور 'آرینی' کی بحث کے ضمن میں کئے ہیں۔ ان میں سے ایک کا تعلق غالب کی غزل سے ہے۔ محولہ غزل کے نویں شعر کے قافیے "باسخ" کا تلفظ موثق قاطع نے ہفتصد میں غلط بتایا ہے، چنانچہ لکھتا ہے :

"جناب خود برہین باسخ کہ مضموم است فتح روا داشتند کہ درین بیت بدروہی مفتوح باسخ را بقافیہ 'مسلخ' و 'مطبخ' نگاشتند

فرد : باتو شد ہم چنین بہام گزار  
چہ شکیم بہ ارزش باسخ

و بضم سین چند جا در 'خمسہ نظامی' آمدہ  
ایات : حدیث این عروس و ساء فرخ  
کہ اہل روم را چون داد باسخ  
نہاد از شرمناکی دست بر رخ  
سناہش کرد و دادش باز باسخ"

اس اعتراض کا جواب نہ غالب نے دیا، نہ غالب کی طرف سے دیا گیا۔ تاہم غالب میں بھی اس اعتراض کی طرف کوئی اشارہ نہیں۔

غالب کا زیر بحث شعر اس مطلع کی غزل میں ہے :

تا بشوید نہادِ ما زِ وسخ  
گشت گرماہ ساز از دوزخ

لفظ 'باسخ' کی حقیقت یہ ہے کہ یہ مرکب ہے 'ہاد' اور 'سَخ' ہے۔ 'ہاد' کے معنی ہیں ضد، مخالف اور توڑ۔ یہ پہلا جزو 'ہاد زہر' میں موجود ہے یعنی ضد بمعنی تریاق، دوسرا جزو سخن کے معنی میں ہے اور سخن کے ساتھ متعدد الاصل ہے۔ لفظ سخن کی ملفوظی صورتیں تین ہیں: سخنِ بدیعین، سخنِ بضمِ اول و فتحِ ثانی اور سخنِ بفتحِ اول و ضمِ ثانی۔ اس لفظ کی ایک قدیم صورت جو مظہرین کے کلام میں، خاص طور پر چوٹی اور پانچویں صدی ہجری میں ملتی ہے 'سخون' ہے بفتحِ اول۔ 'باسخ' کا تلفظ بفتحِ سین نہ صرف غیر متوقع نہیں، بلکہ اس کے شواہد و استناد بھی مل جائیں گے۔ یہاں سند پیش کرتے ہوئے ہمیں یہ التزام ملحوظ ہے کہ غالب کہے کسی ایرانی معاصر یا قریب العصر شاعر کے ہاں ہے اس تلفظ کی مثال قصید فارسی کلام میں پیش کرنی تاکہ یہ غلط فہمی بھی نہ رہے کہ 'باسخ' صحیح سہی، غالب کے عہد میں متروک ہو چکا ہوگا یا فصیح کلام میں اس کا استعمال نہ ہوتا ہوگا۔ 'باسخ' کا تلفظ جو غالب نے قافیے میں استعمال کیا ہے ادیب الممالک فراہانی قائم مقامی (ولادت ۱۸۶۰ء، وفات ۱۹۱۷ء) کے ہاں ملتا ہے جنہیں ایران کے مشہور محقق اور ادیب وحید دستگردی نے "بزرگ ترین استادِ سخنِ سبکِ عراقی در قرنِ اخیر" کہا ہے۔

ادیب الممالک نے اپنی ایک طویل نظم "پوشہ فرہنگِ پارسی، کے بندِ ہشتم میں، جس کی فنی ہئیت قصیدے کی ہے، 'باسخ' بفتحِ سین استعمال کیا ہے اور وہ بھی مطلع میں :

اے آنکہ گیتارِ ترا ہوش و روانِ باسخ بود !  
در آتشِ عشقت دلم تابدہ چون دوزخ بود !

اس قصیدے کے دو شعر یہ ہیں۔ دوسرے شعر میں پھر یہی قافیہ

آتا ہے :

وِستاخِبا دونان و شومان ما خِبا  
خوالِگران طبِاخِبا ہم بختِکِہ مطبِخِ بود  
زنبورِ منج و ہشہ ہی دت ہوشین و خوی عرق  
دیگر جواب و باورق این ہر دوان ہاسخِ بود  
(دیوانِ کاملِ ادیبِ الممالک، نہران ۱۳۱۲ء ص  
۷۳۵ و ۷۳۶)

اس کے علاوہ غالب نے تاطع برہان میں بھی کلکتے والے اعتراضات کا ذکر کیا ہے۔

”یکے از پرورشِ آسوخگانِ قلیلِ نو مسلم در کلکتہ بمن گفت  
اُستاد در بارہ کدہ و ہمہ آن مرادفِ خالد و این ترجمہ تمام ست از روی  
اجتہادے کہ بدانستِ پیروانِ خویش دارد جز اسے چند کہ شمارِ آن از  
پنج یا نسبی نگذرد ما قبلِ کدہ آوردن و اسمِ مفرد ما بعدِ لفظِ ہمہ قبضت  
جائز نمی شمارد۔ ہاسخِ گزاردم کہ پخبرانِ بگفتہ چون خودے کار بر خود  
تنگ گیرند، آگہ دلاں را چہ اتادہ کہ توقعِ نازوا را پذیرند۔ حیرتکدہ و  
ظلمتکدہ و صفوتکدہ و شفقِ کدہ و حرکتکدہ و امثالِ اینہا در نظم و نثر  
اہلِ عجم بسیار است۔ بحرِ المتأخرین فرمایند شعر :

خاموشِ حُزینِ کز نفسِ سینہ خراشت  
لشترِ کدہ گردید جگرِ صریحِ حرمِ را

ہمچنین ہمہ روز و ہمہ شب و ہمہ عالم و ہمہ جا در کلامِ  
گرانمایگانِ عزارِ جادیدہ ایم۔ حافظ علیہ الرحمہ راست، شعر :

بہ جہانِ حُرَمِ از آئم کہ جہانِ حُرَمِ ازوست  
عاشقم بر ہمہ عالم کہ ہمہ عالم ازوست

محمد حسین نظیری نیشابوری کہ مینو نشینش ہاد میسراید، شعر :

چوسکان از آن بہ کویت ہمہ شب فلادہ خایم  
کہ ہوائی عید دارم نہ خیالِ پاسبانی

دیگرے گوید مصرع :

ہمہ جاخانہ عشق ست چہ مسجد چہ کنشت

یارب چگونہ روا باشد کہ ہندوئے بہست ہای پارسیان را ہم  
بر زند و از پیش خویش در فن گفتا و آیینے تازہ انگیزد۔ " ہمارا خیال ہے  
کہ 'کدہ' کی بحث غالب کے اس مصرعہ ثانی پر چھڑی ہوگی ع  
درین خزان کدہ ہم موسمِ شرایے ہست  
یہ غزل ۱۸۳۸ سے پہلے کی ہے۔

## استدراکی

غالب کی سزل : ’منع زہبہا چرا بادہ روان پرورست‘ کے گیارہویں شعر میں ایک نام ’خانِ جہان خان‘ آتا ہے۔ یہ دراصل ’خانِ میان خان‘ ہے، جس کی تصحیف غالب کی مرتبہ سید چین میں ہوئی اور باغِ دو در میں بھی یہ نام دہنہی رہا۔ ریاست جاوہ کی تاریخ اور تذکروں میں ’خانِ جہان خان‘ کسی کا نام نہیں، البتہ ’خانِ میان خان‘ نام ملتا ہے جو محشم الدولہ نواب غوث محمد خان کے بیٹے محمد الہیم خان کی عرفیت ہے۔ اس کا علم راقم کو ایک قلمی کتاب ’میان کے تذکرے‘ سے ہوا جو ریاستِ جاوہ کے ایک مشہور صوفی بزرگ شاہ جی میان عبدالرحمن خان کے حالات میں ہے اور حیات اللہ خان عیشی ساکنِ جاوہ کی تالیف ہے۔ اس کا مخطوطہ محبِ بکترم ڈاکٹر آغا مسعود رضا خاکی کے خاندانی محفوظات میں ہے، جس سے موصوف نے استفادے کا موقع دیا۔